المعروف بہ

دلائل السلوک

از افادات

حضرت العلام مولانا اللہ یار خانؒ نور اللہ مرقدہ

مرتبہ

حافظ عبدالرزاق ایم۔اے

عرضِ حال

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ . بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ .
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَعَلٰی مَنْ تَبِعَھُمْ اَجْمَعِیْنَ

تصوف اور صوفیائے کرام کے متعلق عوام بلکہ علماء کے دلوں میں بھی کچھ شبہات پائے جاتے ہیں۔ اور بعض اوقات وہ حضرات اس قسم کی غلط فہمیوں کا شکار ہو جاتے ہیں کہ طریقت اور شریعت دو الگ چیزیں ہیں یا اسلامی تصوف عجمی سریت اور باطنیت کے مترادف ہے۔ یا یہ کہ تصوف تکلیفات شرعیہ سے آزادی کا نام ہے ان غلط فہمیوں کے ازالہ اور عوام وخواص کی علمی تشفی کی خاطر اللہ رب العزت نے یہ کتاب تحریر کرنے کی توفیق عنایت فرمائی ہے۔

اگرچہ میری زندگی کا اکثر حصہ متکلمین کے نہج پر اسلام کی حقانیت کے اثبات اور فرق باطلہ کی تردید میں گذرا ہے۔ اور کلامی مباحث اور تصوف وسلوک میں بظاہر تغائیر اور بعد نظر آتا ہے لیکن احقاق حق کے لئے علم کلام سے کام لینے اور تصوف کے ذریعے ایمان ویقین کی کیفیت پیدا کرنے میں فرق صرف دلیل سمعی اور دلیل ذوقی کا ہے۔ مگر بایں ہمہ لوگ یہ سن کر حیران ضرور ہوتے ہیں کہ وہ شخص جسے کل تک ہم ایک مناظر اور مبلغ اسلام کی حیثیت سے جانتے تھے آج تصوف، ذکر، حلقہ ذکر، تزکیہ نفوس اور منازل سلوک پر اظہار خیال ہی نہیں کر رہا بلکہ اپنا باطنی رشتہ صوفیائے کرام سے جوڑ رہا ہے مگر ان کی حیرت پر تعجب ہوتا ہے کہ

اَھُمْ یَقْسِمُوْنَ رَحْمَۃَ رَبِّکَ کیا وہی آپ کے رب کی رحمت تقسیم کرتے ہیں۔

اور اس کا جواب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ

ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

تبلیغ واشاعت دین کے ساتھ ساتھ تزکیہ نفوس کا کام انبیاء علیہم السلام سے لیا جاتا رہا۔ مگر نبی آخر الزمان ﷺ کی اس آخری امت میں اس کی ذمہ داری علمائے ربانیین پر عائد ہوتی ہے۔ جو ورثۃ الانبیاء ہیں اور ہر مادی اور الحادی دور کی تاریکیوں میں روشن چراغ کی مانند ہوتے ہیں موجودہ دور پرفتن میں اس ذمہ داری کی اہمیت اور بڑھ گئی ہے۔ اس دور میں اسلام کی زبوں حالی اور مسلمانوں کی دینی پستی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور نبی اکرم ﷺ سے ان کا ایمانی اور روحانی تعلق برائے نام ہی رہ گیا ہے ان کی اعتقادی خرابیوں اور عملی بے اعتدالیوں اور بدعنوانیوں کا یہ عالم ہے کہ اگر کوئی اللہ کا بندہ انہیں اس قعر مذلت سے نکال کر اور اس خواب غفلت سے جگا کر شریعت مطہرہ کے اتباع، تزکیہ نفس اور اصلاح باطن کی طرف توجہ دلاتا ہے تو اس کی آواز پر لبیک کہنے کی بجائے الٹا اپنے آپ کو اوہام وتشکیک کی وادیوں میں دھکیل دیتے ہیں اور :۔

ظُلُمَات'' بَعْضُھَا فَوْقَ بَعْضٍ تاریکیوں پر تاریکیاں چھائی ہوئی ہیں۔

کی صورت پیدا ہوتی جا رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حق کی حفاظت اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔ اس کی رحمت یہ کب گوارا کر سکتی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو گمراہی کی وادیوں میں بھٹکتا چھوڑ دے۔ چنانچہ ہر دور میں وہ اپنے خاص بندوں کے ذریعے حق کی حمایت اور اصلاح خلق کی خدمت لیتا رہا۔ اور صوفیائے کرام نے جس خلوص اور للّٰہیت سے یہ خدمت انجام دی ہے اس کی مثال ملنا ممکن نہیں۔

صوفیائے کرام کے ہاں تعلیم وارشاد اور تزکیہ واصلاح باطن کا طریقہ القائی اور انعکاسی ہے اور یہ تصوف کا عملی پہلو ہے۔ جس کا انحصار صحبت شیخ پر ہے۔ بقول امام ربانی مجدد الف ثانی، ''تصوف کا تعلق احوال سے ہے زبان سے بیان کرنے کی چیز نہیں''، مگر جہاں تک تصوف کے علمی پہلو کا تعلق ہے صحیح اسلامی تصوف کے خدوخال کا تعین اور اس کی حقیقت سے علمی حلقوں کو روشناس کرنا نہایت ضروری ہے کیونکہ آجکل جس چیز کو تصوف کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور پیش کیا جاتا ہے اسے تصوف اسلامی سے دور کا تعلق بھی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صحیح اسلامی تصوف کو بھی شک وشبہ کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ عامۃ المسلمین کو صحیح اسلامی تصوف سے روشناس کرایا جائے جس کی اساس کتاب وسنت پر ہے تاکہ اس کی روشنی میں اپنی فکری اور عملی اصلاح کر کے ابدی فلاح حاصل کر سکیں اسی احساس فرض کا نتیجہ یہ کتاب ہے۔

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ

اللہ یار خان چکڑالہ (ضلع میانوالی)

یکم شعبان ۱۳۸۵ھ

مصنف

آپ کی پیدائش 1904ء میں اپنے آبائی گاؤں چکڑالہ ضلع میانوالی میں ہوئی۔ آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم چک 10 بی، ضلع سرگودھا میں حاصل کی اور دورہ حدیث مدرسہ امینیہ دہلی 1933ء میں زیر سرپرستی مفتی کفایت اللہ مرحوم مکمل کیا۔ یونانی طب کے مطالعہ سے فارغ ہو کر درس و تدریس شروع فرمایا۔ 1936ء میں آپ نے تصوف کے میدان میں قدم رکھا اور 24 برس کی مسلسل کاوشوں سے اس میں کمال حاصل کیا۔

1962ء میں آپ نے سالکین کی تربیت بطریق نسبت اویسیہ شروع فرمائی۔ آپ کے تربیت یافتہ آج دنیا کے کونے کونے میں موجود ہیں جن میں سینکڑوں صاحب کشف و کرامت بھی ہیں اور اس کتاب کی تعلیمات کی منہ بولتی تصویر بھی۔

آپ کی بیشتر زندگی مذاہب باطلہ کے رد میں گزری۔ آپ چوٹی کے مناظر رہے اور باطل فرقوں کو بے نقاب کرنے میں اپنی تقریر و تحریر کا بے دریغ استعمال فرمایا۔ عبداللہ چکڑالوی کے باطل مذہب کی بیخ کنی بھی آپ ہی کے حصہ میں آئی۔ اس ضمن میں آپ نے تحذیر المسلمین عن الکید الکاذبین، الدین الخالص اور ایمان بالقرآن جیسی معرکہ آرا کتب تصنیف فرما کر امتِ مرحومہ کو کسی مزید تحقیق سے رہتی دنیا تک بے نیاز فرما دیا۔ تصوف کے موضوع پر قلم اٹھایا تو دلائل سلوک، حیاتِ برزخیہ، حیاتِ انبیاء اور اسرار الحرمین جیسے گوہرہائے نایاب سالکین کے ہاتھ آئے۔

یہی مشاغل دمِ واپسیں تک آپ کی مبارک زندگی کا جزو لاینفک بنے رہے حتیٰ کہ 18 فروری 1984ء بمطابق 18 جمادی الاوّل 1404ھ تقریباً 80 برس کی عمر میں آپ نے اسلام آباد میں دارالفنا کو خیر باد کہا اور 19 فروری 1984ء غروب آفتاب کے ساتھ ساتھ تصوف و سلوک کا یہ بحر بیکراں اپنے جملہ کمالات کے ساتھ ظاہری نظر سے اوجھل ہو کر اپنی آخری آرام گاہ موضع مرشد آباد داخلی چکڑالہ میں موجزن ہوا۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

تعارف

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ایک عرصہ سے مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبہ میں انحطاط وزوال کے آثار نظر آرہے ہیں، خصوصاً ان کی زندگی کا دینی پہلو اس عمومی انحطاط سے زیادہ متاثر ہوا ہے، جس امت کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری سونپی گئی، دنیا بھر کی رہنمائی اور امامت کے عہدہ پر فائز کیا گیا اور خیر الامم کا عظیم الشان لقب عطا ہوا، وہی امت آج مادہ پرستی کا شکار ہو کر دنیا کی رہنمائی تو درکنار، خود اپنی اصلاح سے بیگانہ محض ہے، اس امت میں شریعتِ مطہرہ کی حقیقی روح کا پایا جانا تو درکنار، اس کے ظاہری احکام پر عمل بھی مفقود ہوتا جا رہا ہے۔

تصوف وسلوک اسلامی، دین کی اصل اور روح ہے۔ سارے سلسلہ ہائے تصوف کا مقصود اصلی اسی روح دین یعنی تزکیہ نفس اور اصلاح باطن کا حصول تھا، مگر مرورِ زمانہ سے آج ان سلاسل کے متوسلین (الا ماشاء اللہ) اپنے مقصد اور طریق کار سے اتنی دور جا چکے ہیں کہ ابتدائی پاکیزہ زندگی سے ان کی کوئی نسبت ہی نظر نہیں آتی۔ نتیجہ یہ کہ عوام وخواص یا تو سرے سے حقیقی تصوف کے منکر ہیں یا بیگانہ محض، حالانکہ صحیح اسلامی تصوف نہ کوئی شجر ممنوعہ ہے اور نہ کوئی انوکھی اور ان سنی چیز۔ یہ تو اس دور کی پیداوار ہے، جب حضور اکرم ﷺ غار حرا میں بیٹھ کر ذکر الٰہی میں مصروف رہا کرتے تھے، اس غار میں بیٹھ کر تصوف کا جو مقدس پودا لگایا گیا وہ حضور ﷺ کی مقدس تحریک کے ساتھ ساتھ پروان چڑھتا رہا اور ایک تناور درخت بن کر صبر، شکر، عزیمت، استقامت، اخلاص، للّٰہیت، اطاعت الٰہی اتباع نبوی ﷺ کی صورت میں برگ وبار لانے لگا۔ اور اس عظیم الشان درخت کی ٹھنڈی اور گھنی چھاؤں میں ہزاروں بلکہ لاکھوں انسانوں کو سکون میسر آیا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اسے ایک علیحدہ اور مستقل حیثیت حاصل نہ تھی، بلکہ ''احسان'' کے نام سے دین کے ایک اہم جزو کی حیثیت رکھتا تھا۔ پھر جس طرح علوم دین کے دیگر شعبے مثلاً حدیث، فقہ، کلام، اصول وغیرہ عہدِ رسالت کے بعد ہی مستقل اور علیحدہ فن کی صورت میں معرضِ وجود میں آئے۔ اسی طرح تصوف وسلوک کے مروجہ اعمال واذکار واشغال کی تدوین بھی اس وقت ہوئی جب مخلص اور بلند مرتبہ بزرگان دین نے محسوس کیا کہ خیر القرون کے بعد بندے اور اللہ کے درمیان جو بعد اور دوری ہوتی جا رہی ہے اسے کم کرنا اور بندے کو اللہ کے قریب لانا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے چنانچہ ان اکابر دین نے قرآن وسنت کے روشن چراغ ہاتھ میں لے کر ان وسائل و ذرائع کا کھوج لگایا جو اس بعد کو قرب سے بدلنے میں اور بندوں کے لئے اپنے مالک کے احکام پر رغبت شوق اور اخلاص سے عمل پیرا ہونے میں ممد ثابت ہو سکتے تھے۔

موجودہ دور میں اس کی ضرورت کا احساس شدید تر ہو گیا ہے کہ امت مسلمہ کے بھٹکے ہوئے راہی اپنی منزل سے بے خبر اور مقصدِ حیات سے یکسر ناآشنا ہو چکے ہیں۔ اس لئے ان کی فکری اور عملی اصلاح کرنی چاہئے۔ آج ہمارے گردوپیش، ضلالت، الحاد، بے دینی، بدعات، فواحش اور بے عملی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے چھائے ہوئے ہیں قرآن وسنت سے ہمارا تعلق روز بروز ٹوٹتا چلا جا رہا ہے۔ قلوب واذہان پر مادہ پرستی کا غلبہ ہے۔ محبت الٰہی اور محاسبہ اخروی کا احساس ناپید ہے اس پر طرہ یہ کہ متاع کارواں کے یوں کھو جانے کے باوجود ہمارے اندر احساسِ زیاں نام کو بھی نہیں پایا جاتا ہم اپنی اس دینی اور اخلاقی تہی دستی پر کف افسوس ملنے کی بجائے الٹے خوش ہیں کہ ہم نے ترقی کا راز پا لیا ہے۔ حالانکہ مسلمان کی ترقی کا راز صرف نبی آخر الزمان ﷺ کی لازوال شریعت کی اتباع میں مضمر ہے۔

ان حالات میں اس امر کی سخت ضرورت تھی کہ مسلمانوں کو ان کا بھولا ہوا سبق پھر سے یاد کرایا جائے اور انہیں شریعت مطہرہ کے ظاہری اور باطنی سرمایہ کی طرف دعوت دی جائے اسی اہم مقصد کے پیش نظر یہ کتاب لکھی گئی ہے اس میں حضرت مصنف مدظلہٗ العالی نے طالبین حق کے لئے صحیح اسلامی تصوف پیش کیا ہے

قرآن وسنت کی روشنی میں سلف صالحین کے ذریعہ تصوف وسلوک کی جو عملی صورت ہم تک پہنچی ہے اس کا بیان اس کتاب کا مرکزی بحث ہے۔

ہمارے ہاں جمہور مسلمانوں میں تصوف وسلوک کے وجود اور اس کی ضرورت سے انکار تو بہت کم پایا جاتا ہے البتہ تصوف وسلوک کے ناقص اور جھوٹے دعویداروں کے عقائد، اعمال، اخلاق اور معاملات نے لوگوں میں نفس تصوف و سلوک کے متعلق بدگمانی پیدا کردی ہے۔ آج بھی آپ کو کثرت سے ایسے افراد ملیں گے جو سلوک کی طلب وجستجو میں مدت سے سرگرداں ہیں اور عرصہ سے کسی نہ کسی ''شریف'' سے منسلک ہیں مگر انہیں کوئی ایسا مرد راہ داں نہیں ملا جو انہیں سلوک کی ابتدائی منازل طے کراتا تو درکنار صرف اتنا ہی بتادے کہ تصوف وسلوک کیا ہے اور اس کی ضرورت واہمیت کیا ہے اور اس کے حصول کا طریقہ کیا ہے یہی وجہ ہے کہ عوام تو کیا خواص نے بھی یہ سمجھ رکھا ہے کہ تصوف وسلوک اگلے وقتوں کی چیز ہے۔ موجودہ دور کے مسلمان اس قابل نہیں کہ اولیاء اللہ کی بتائی ہوئی تدابیر کو عملاً اختیار کر کے منازل سلوک طے کرسکیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا کسی ولی اللہ نے وفات کے وقت سلوک کے دروازے مقفل کر کے یہ وصیت کی تھی کہ خبردار آنے والی نسلیں اس کے قریب نہ جائیں۔ یا کسی نے یہ وصیت کی تھی کہ آنے والی نسلوں کا کام صرف اتنا ہے کہ حسن بصریؒ، جنید بغدادیؒ، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، خواجہ نقشبندؒ، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، معین الدین چشتیؒ، مجدد سرہندیؒ اور دیگر اولیائے کرام کا نام لے لیا کریں مگر ان کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کی جسارت نہ کریں ظاہر ہے کہ تاریخ نے کسی ایسے وصیت نامے کی نشاندہی نہیں کی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تزکیہ نفس اور اصلاح قلب کی ضرورت پہلے زمانہ کے لوگوں کی بہ نسبت ہمیں بہت زیادہ ہے بلکہ اس کی ضرورت کا اعلان تو ابداً لآباد تک کے لئے ان الفاظ میں ہو چکا ہے کہ۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا اور يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ '' وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ

یہ ابدی اور عالمگیر حقائق ہیں اور متقدمین صوفیہ اور متاخرین علمائے حق نے اسی تزکیہ کے ذریعہ ظاہری شریعت کی پابندی کرنے اور فلاح اخروی حاصل کرنے کی ہمیشہ کوشش کی ہے۔ شریعت حقہ کی پابندی کے بغیر نجات ممکن نہیں مگر جس طرح جسمانی بیماری کی صورت میں انسان کوئی جسمانی نوعیت کا کام صحیح طور نہیں کرسکتا اسی طرح قلبی بیماری کی صورت میں شریعت کے احکام پر بھی کما حقہ عمل نہیں ہوسکتا۔ جسم انسانی میں قلب کی مرکزی حیثیت اور اس کے عملی کردار سے ہر ذی علم واقف ہے۔ اگر یہ سلطان بدن ہوا وہوس کا شکار ہوجائے تو سارا جسم اور تمام جسمانی صلاحیتیں گناہ اور بغاوت، شرک اور بدعت، فحاشی اور بے حیائی کے لئے وقف ہو کر رہ جائیں گی اور بندہ اپنے خالق سے یکسر بیگانہ ہوجائے گا اس لئے اصلاح قلب کی ضرورت سے انکار ممکن نہیں، رہا یہ سوال کہ اصلاح قلب کا ذریعہ اور طریقہ کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کے فضل سے قرآن وسنت دنیا میں محفوظ ہیں ان کی رہنمائی میں جہاں ہم دین ودنیا کے دوسرے شعبوں میں خوب وناخوب، صحیح وغلط میں تمیز کر کے راہ ہدایت پر گامزن ہوسکتے ہیں وہاں تصوف وسلوک کے شعبہ میں بھی روشنی کے ان دو میناروں سے رہنمائی حاصل کر کے اصلاح قلب کا مقصد بھی حاصل کرسکتے ہیں اس کتاب کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ صحیح اسلامی تصوف کے اذکار واشغال کو کتاب وسنت اور ائمہ متقدمین کی مستند تصانیف سے ثابت کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ شریعت اور تصوف دو مختلف یا متضاد چیزیں نہیں بلکہ ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں۔

اس کتاب کے منصفانہ مطالعہ سے انشاء اللہ تعالیٰ یہ حقیقت سامنے آجائے گی کہ تصوف واحسان شریعت کی روح اصل اور جز ہے جسے حاصل کئے بغیر انسان شریعت کی پابندی کر ہی نہیں سکتا اس کتاب سے یہ بھی معلوم ہوجائے گا کہ تصوف و سلوک کی یہ نعمت غیر مترقبہ مخصوص اوقات پر عرس اور میلے کرنا، گانے بجانے، طاؤس ورباب کی محفلیں آراستہ کرنے، دن منانے، سڑکوں اور گلیوں میں گشت کر کے فلک بوس نعرے لگانے، دین کامل میں نت نئے پیوند لگانے، تصوف کے ادارے اور نذر ونیاز وصول کرنے کی دکانیں کھول لینے سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس کے حصول کے لئے تو محبت الٰہی اور اتباع سنت درکار ہے اور کسی رہبر کامل کی رہنمائی میں قدم بقدم چلنا پڑتا ہے ظاہری علوم بھی کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ

ته کے بغیر حاصل نہیں ہوتے تو اصلاح قلب اور روحانی ترقی جو سراسر اتفاقی اور انعکاسی عمل ہے شیخ کامل کی رہنمائی کے بغیر کیونکر حاصل ہو سکتی ہے۔ اگر کوئی خوش قسمت پورے خلوص سے اصلاح قلب اور تزکیہ نفس کی خاطر اولیائے کرام کے نقشِ قدم پر چلنے کے لئے تیار ہو جائے اور اللہ کے فضل اور شیخ کامل کی توجہ اور رہنمائی سے منازل سلوک طے کرنے لگے تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں اسے وہابی، کشفی وغیرہ کے کھوکھلے نعروں اور دین فروشوں فتویٰ بازوں کے فتووں سے مرعوب نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اتباع سنت اور ذکرِ الٰہی کی کثرت سے جو لذت و سرور اور جو وصل اسے نصیب ہوگا اسے ترک کرنے کیلئے وہ ہرگز تیار نہ ہوگا۔ ہاں شرپسندوں اور فتویٰ بازوں کی اس قسم کی کوشش اولیاء اللہ کے بطلان اور انکار تصوف و احسان کا مظاہرہ ہوگا۔

مختصر یہ کہ اگر ان اولیائے کرام نے جنہیں آج ہم بڑی عقیدت سے اور نیک نام سے یاد کرتے ہیں اذکار و اشغال کی یہی تدابیر اختیار کر کے منازل سلوک طے کئے تو آج ہمارے لئے اس راہ پر چلنا کیوں ممنوع قرار پایا؟ وہ راہ ہمارے لئے کیوں مسدود ہو گئی؟ کیا ان بزرگوں کی اس موضوع پر لکھی ہوئی سینکڑوں تصانیف محض ورق گردانی اور قصہ گوئی کے لئے ہیں؟ کیا ان کے بیش قیمت ارشادات عملی جامہ پہنانے کے لئے نہیں ہیں؟ جب محبتِ الٰہی اور اتباع سنت کی ضرورت آج بھی ایسی ہی ہے جیسے پہلے تھی تو پھر اس کے حصول کے حقیقی راستہ پر گامزن ہونے میں تردد اور تامل کیوں؟ ضرورت ایسے مردِ حق آگاہ کی ہے جو تصوف و سلوک کی حقیقت سے آشنا کر کے اولیاء اللہ کی راہ پر چلائے اور جس کی رہنمائی میں ہم عملاً ان مقامات سلوک تک پہنچ سکیں جو عشق سے بھی بلندتر اور حسن سے بھی لطیف تر ہیں۔

إِنَّ الْفَتىٰ مَنْ يَقُوْلُ هَا أَنَا ذَا
لَيْسَ الْفَتىٰ مَنْ يَقُوْلُ كَانَ أَبِيْ

حافظ محمد شریف ایم اے
(لیکچرار انگریزی)
گورنمنٹ کالج چکوال

(۱) اسلامی تصوف کی حقیقت

تصوف کیا ہے؟

لغت کے اعتبار سے تصوف کی اصل خواہ صوف ہو اور حقیقت کے اعتبار سے اس کا رشتہ چاہے صفا سے جا ملے اس میں شک نہیں کہ یہ دین کا ایک اہم شعبہ ہے۔ جس کی اساس خلوص فی العمل اور خلوص فی النیت پر ہے اور جس کی غایت تعلق مع اللہ اور حصول رضائے الٰہی ہے۔ قرآن وحدیث کے مطالعہ نبی کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ اور آثار صحابہؓ سے اس حقیقت کا ثبوت ملتا ہے۔

عہد رسالت اور صحابہ کرامؓ کے دور میں جس طرح دین کے دوسرے شعبوں تفسیر، اصول، فقہ، کلام وغیرہ کے نام اور اصطلاحات وضع نہ ہوئی تھیں ہر چند کہ ان کے اصول وکلیات موجود تھے اور ان عنوانات کے تحت یہ شعبے بعد میں مدون ہوئے اسی طرح دین کا یہ اہم شعبہ بھی موجود تھا۔ کیونکہ تزکیہ باطن خود پیغمبر ﷺ کے فرائض میں شامل تھا۔ صحابہؓ کی زندگی بھی اسی کا نمونہ تھی لیکن اس کی تدوین بھی دوسرے شعبوں کی طرح بعد میں ہوئی صحابیت کے شرف اور لقب کی موجودگی میں کسی علیحدہ اصطلاح کی ضرورت نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہؓ کے لئے متکلم، مفسر، محدث، فقیہ اور صوفی کے القاب استعمال نہیں کئے گئے۔ اس کے بعد جن لوگوں نے دین کے اس شعبہ کی خدمت کی اور اس کے حامل اور متخصص قرار پائے گئے۔ ان کی زندگیاں زہد واتقاء اور خلوص وسادگی کا عمدہ نمونہ تھیں۔ ان کی غذا بھی سادہ اور لباس بھی موٹا جھوٹا اکثر صوف وغیرہ کا ہوتا تھا۔ اس وجہ سے وہ لوگوں میں صوفی کے لقب سے یاد کئے گئے اور اس نسبت سے ان سے متعلقہ شعبہ دین کو بعد میں تصوف کا نام دیا گیا۔ قرآن حکیم میں اسے تقویٰ، تزکیہ اور خشیۃ اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور حدیث شریف میں اسے ''احسان'' سے موسوم کیا گیا ہے اور اسے دین کا ماحصل قرار دیا گیا ہے۔ اس کی تفصیل حدیث جبریلؑ میں موجود ہے۔ مختصر یہ کہ تصوف، احسان، سلوک اور اخلاص ایک ہی حقیقت کی مختلف تعبیریں ہیں۔

نبوت کے دو پہلو ہیں اور دونوں یکساں اہمیت رکھتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر بڑا احسان کیا ہے جب کہ انہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک صاف کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا

نبوت کے ظاہری پہلو کا تعلق تلاوت آیات اور تعلیم وتشریح کتاب سے ہے اور اس کے باطنی پہلو کا تعلق تزکیہ باطن سے ہے۔ جن نفوس قدسیہ کو نبوت کے صرف ظاہری پہلو سے حصہ وافر ملا وہ مفسر، محدث فقیہ اور مبلغ کے ناموں سے موسوم ہوئے اور جنہیں اس کے ساتھ ہی نبوت کے باطنی پہلو سے بھی سرفراز فرمایا گیا ان میں سے بعض غوثیت، قطبیت، ابدالیت اور قیومیت وغیرہ کے مناصب پر فائز ہوئے مگر ان سب کا سرچشمہ کتاب وسنت ہے اللہ اور بندے کے درمیان علاقہ قائم رکھنے والی چیز اعتصام بالکتاب والسنۃ ہے یہی مدار نجات ہے۔ قبر سے حشر تک اتباع کتاب وسنت کے متعلق ہی سوال ہوگا۔ یہی وجہ ہے محققین صوفیائے کرام نے شیخ یا پیر کے لئے کتاب وسنت کا عالم ہونا قرار دیا ہے۔ اگر کوئی شخص ہوا میں اڑتا آئے مگر اسکی عملی زندگی کتاب وسنت کے خلاف ہے تو وہ ولی اللہ نہیں بلکہ جھوٹا ہے شعبدہ باز ہے کیونکہ تعلق مع اللہ کے لئے اتباع سنت لازمی ہے۔

كَمَا قَالَ تَعَالٰى قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔

آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو۔ خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔

اتباع سنت کا پورا پورا حق ان اللہ والوں نے ادا کیا جنہوں نے نبوت کے ظاہری اور باطنی دونوں پہلوؤں کی اہمیت کو محسوس کیا اور ہمیشہ پیش نظر رکھا اور تبلیغ واشاعت دین کو تزکیہ نفوس سے کبھی جدا نہ ہونے دیا۔ تمام کمالات اور سارے مناصب صرف حضور اکرم ﷺ کی اتباع کی بدولت ہی حاصل ہوتے ہیں اور تصوف کا اصل سرمایہ اتباع سنت ہے۔

موضوع علم تصوف

کسی علم کے موضوع کا تعین اس کے عوارضات ذاتیہ کی بحث سے ہوتا ہے پس علم تصوف کا موضوع مکلفین کے احوال ہیں مگر مطلقاً احوال نہیں بلکہ اس حیثیت سے کہ کونسا فعل قرب الٰہی کا سبب بنتا ہے اور کونسا فعل اللہ سے دوری کا موجب۔ جیسا کہ علم طب میں موضوع بدن انسانی ہے لیکن مطلقاً بدن نہیں بلکہ۔

مِنْ حَيْثُ الصِّحَّةِ وَالْمَرَضِ — صحت اور بیماری کی حیثیت سے

پس علم تصوف میں بھی احوال مکلفین کے متعلق اللہ تعالیٰ کے قرب وبُعد کی حیثیت سے بحث ہوگی۔

علم تصوف کی تعریف اور غایت

هُوَ عِلْمٌ " تُعْرَفُ بِهِ أَحْوَالُ تَزْكِيَةِ النُّفُوْسِ وَتَصْفِيَةِ الْأَخْلَاقِ وَتَعْمِيْرِ الْبَاطِنِ وَالظَّاهِرِ لِنَيْلِ السَّعَادَةِ الْأَبَدِيَّةِ وَيَحْصِلُ بِهِ إِصْلَاحُ النَّفْسِ وَالْمَعْرِفَةُ وَرَضَاءُ الرَّبِّ وَمَوْضُوْعُهُ التَّزْكِيَةُ وَالتَّصْفِيَةُ وَالتَّعْمِيْرُ الْمَذْكُوْرَاتُ وَغَايَتُهُ " نَيْلُ السَّعَادَةِ الْأَبَدِيَّةِ.

تصوف وہ علم ہے جس سے تزکیہ نفوس اور تصفیہ اخلاق اور ظاہر و باطن کی تعمیر کے احوال پہچانے جاتے ہیں۔ تاکہ سعادت ابدی حاصل ہو نفس کی اصلاح ہو اور رب العالمین کی رضا اور اسکی معرفت حاصل ہو اور تصوف کا موضوع تزکیہ تصفیہ اور تعمیر باطن ہے اور اس کا مقصد ابدی سعادت کا حصول ہے۔"

تعریف، موضوع اور غایت کا بیان اس لئے کیا گیا ہے کہ ہر علم کی شان ان امور سہ گانہ سے واضح ہو جاتی ہے اور ہماری غرض یہ ہے کہ تصوف وسلوک کا دین اسلام میں جو مقام اور مرتبہ ہے وہ ظاہر ہو جائے اور کسی کے لئے اس امر کی گنجائش نہ رہے کہ محض اس احتمال سے یہ علم ظنی ہے وہ اسے قابل اعتنا نہ سمجھے۔ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ دین کے دوسرے شعبوں میں ہزاروں مسائل ایسے ہیں جن کی حیثیت ظنی مسائل کی ہے۔ انھیں قبول کر لینا اور علم تصوف میں صرف ظنی کا احتمال پیدا کر کے اسے چھوڑ دینا اور اس عقیدہ میں غلو کرنا علمی دیانت سے بعید ہے ایسا کرنا درحقیقت ارباب تصوف یعنی اولیاء اللہ سے عداوت کرنے کے مترادف ہے۔ جس کے لئے

مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ لِلْحَرْبِ. جس نے میرے ولی سے عداوت کی میں اس کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہوں۔

کی وعید موجود ہے اس لئے تصوف کے معاندین اپنی عاقبت کی فکر کریں۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ جو شخص کسی فن میں مہارت نہیں رکھتا۔ اسے اس فن اور اہل فن پر تنقید کا حق نہیں پہنچتا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ فلاسفہ جنھیں علم و تحقیق پر بہت ناز ہے۔ جب تصوف پر بحث کرتے ہوئے مسئلہ کشف پر آتے ہیں تو ان کے لئے اس عاجزانہ اعتراف کے بغیر اور کوئی راستہ نہیں ملتا۔

هٰذَا طَوْرٌ " وَرَاءَ طَوْرِ الْعَقْلِ لَا يُدْرِكُهُ إِلَّا أَصْحَابُ قُوَّةِ الْقُدْسِيَّةِ

تصوف کیا نہیں۔

تصوف کے لئے نہ کشف و کرامات شرط ہے نہ دنیا کے کاروبار میں ترقی دلانے کا نام تصوف ہے نہ تعویذ گنڈوں کا نام تصوف ہے نہ جھاڑ پھونک سے بیماری دور کرنے کا نام تصوف ہے۔ نہ مقدمات جیتنے کا نام تصوف ہے نہ قبروں پر سجدہ کرنے، ان پر چادریں چڑھانے اور چراغ جلانیکا نام تصوف ہے۔ اور نہ آنے والے واقعات کی خبر دینے کا نام تصوف ہے۔ نہ اولیاء اللہ کو غیبی ندا کرنا۔ مشکل کشا اور حاجت روا سمجھنا تصوف ہے۔ نہ اس میں ٹھیکیداری ہے کہ پیر کی ایک توجہ سے مرید کی پوری اصلاح ہو جائے گی اور سلوک کی دولت بغیر مجاہدہ اور بدون اتباع سنت حاصل ہو جائے گی۔ نہ اس میں کشف والہام کا صحیح اترنا لازمی ہے اور نہ وجد وتواجد اور رقص و سرود کا نام تصوف ہے یہ سب چیزیں تصوف کا لازمہ بلکہ عین تصوف سمجھی جاتی ہیں۔ حالانکہ ان میں سے کسی ایک چیز پر تصوف اسلامی کا اطلاق نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ ساری خرافات اسلامی تصوف کی عین ضد ہیں۔

(۲) تصوف کے متعلق مختلف نظریات

منکرین تصوف

تصوف کا انکار مختلف بہانوں اور مختلف الزامات کی آڑ میں کیا جاتا ہے۔ ان میں قدر مشترک یہ ہے کہ تصوف بدعت ہے۔ بدعت کی بحث مناسب مقام پر آجائیگی اور یہ ثابت ہو جائے گا کہ تصوف بدعت ہے یا سنت اور روح اسلام ہے۔ یہاں ہم اصولی طور پر یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ منکرین تصوف کی حیثیت نہ تو مجتہد کی ہے کہ ان کا انکار کسی کے لئے حجت ہو اور نہ یہ علمائے حق اور صوفیہ محققین پر کسی طرح فوقیت رکھتے ہیں کہ ان کی رائے کا احترام کیا جائے بلکہ بقول مولانا احمد علی لاہوری یہ منکرین تصوف چور، ڈاکو اور راہزن ہیں جو دین کا ایک اہم جزو دین سے خارج کرنا چاہتے ہیں۔ امام حسن بصریؒ سے لے کر آج تک کروڑوں نفوس قدسیہ کو بدعتی کہنے کے بجائے یہ زیادہ قرین عقل وانصاف ہے کہ ان منکرین تصوف کو ہی بدعتی سمجھا جائے۔ ان کے انکار کی وجہ ان کی جہالت اور کم علمی ہے یہ کوئی نئی بات نہیں ایسے لوگ ہمیشہ ایسا کرتے آئے ہیں۔

كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ — بلکہ ایسی چیز کی تکذیب کرنے لگے جس کو اپنے احاطہ علمی میں نہیں لائے۔

اگر یہ لوگ ارشاد ربانی کو پیش نظر رکھتے کہ

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ'' — اور جس بات کی تحقیق نہ ہو اس پر عملدرآمد مت کیا کر۔

تو ممکن ہے انہیں انکار کی جرات نہ ہوتی۔

قائلین تصوف

قائلین تصوف کے پھر دو گروہ ہیں ایک قلیل جماعت اعتقادا تصوف کی قائل ہے اور عملاً بھی اس کی تصدیق کرتی ہے۔ درحقیقت یہی لوگ اہل حق ہیں اور قَلِيْلٌ '' مِنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ''۔ — میرے شکر گزار بندے تھوڑے ہیں۔

کے مصداق ہیں۔ ان کا وجود ہر زمانے میں رہا ہے اور نبوت کے اس شعبہ کی برکات انہیں کے وسیلے سے دنیا میں پھیلتی رہی ہیں۔

ایک جماعت ایسی ہے جو بظاہر تو تصوف کی قائل ہے مگر عملاً اس کی منکر ہے ان کے نزدیک تصوف صرف کتب تصوف کا مطالعہ کر لینے، اولیاء اللہ کی حکایات سن لینے سر دھنے اور جھومنے تک محدود ہے۔ یہ لوگ اول تو کسی عارف کامل حزکی و مصلح کی تلاش کی زحمت ہی گوارا نہیں کرتے جو عملاً سلوک سکھائے اور اتباع سنت پر زور دے۔ اور اگر کوئی ایسا شخص مل جائے جو تزکیہ باطن کا طریقہ سکھائے یا راہ سلوک طے کرائے تو اس پر یقین نہیں کرتے بلکہ اس کا تمسخر اڑایا جاتا ہے حالانکہ ان کی بے یقینی کی اصل وجہ ان کا فکری اور عملی جمود ہوتا ہے وہ چاہتے ہیں کہ محنت نہ کرنی پڑے۔ محض زبانی باتوں اور حکایتوں سے ہی سلوک طے ہو جائے یہ لوگ بھی در اصل تصوف اسلامی کے منکر ہیں۔ اس جماعت میں بعض اوقات اس نعرہ کی گونج بھی سنائی دیتی ہے کہ '' شریعت اور چیز ہے اور طریقت اور چیز ہے ''۔ یہ نعرہ کیا ہے کتاب و سنت سے آزادی اور اتباع سنت سے فرار کی ایک راہ نکال لی ہے۔ (۱)

(۱) انکار کرامات کے اعتبار سے لوگوں کی کئی قسمیں ہیں ایک تو وہ جو مطلقاً منکر ہیں یہ مشہور اہل مذہب اور پرہیزگاری سے منحرف ہیں۔ دوسرے وہ جو اگلے لوگوں کی کرامات کے قائل ہیں۔ مگر اپنے زمانے کے کرامات کے منکر ہیں یہ لوگ بقول سیدی ابوالحسن شاذلی، بنی اسرائیل کے مشابہ ہیں جنہوں نے حضرت موسیٰؑ کی اس وقت تصدیق کی جب ان کو نہیں دیکھا اور محمد ﷺ کی تکذیب کی اور اس کا باعث حسد و عداوت اور شقاوت کے سوا کچھ نہ تھا۔ تیسرے وہ ہیں جو اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ ان کے زمانے کے لوگوں میں بھی خدا کے اولیاء ہیں لیکن کسی شخص معین کی تصدیق نہیں کرتے۔ ایسے لوگ اولیاء اللہ کی رہنمائی سے محروم ہیں۔ (روض الریاحین۔ از امام یافعی بحوالہ الطبقات الکبری از علامہ عبدالوہاب شعرانی ترجمہ اردو ص ۳۹ مرتب)

(۳) تصوف کا ثبوت

حدیث جبرئیلؑ

کتب احادیث میں حدیث جبرئیلؑ کو اصول دین کے بیان میں بنیادی حیثیت حاصل ہے جس میں دین کو اسلام، ایمان اور احسان سے مرکب بیان فرمایا گیا ہے احسان کی وضاحت یوں بیان کی گئی ہے۔

قَـالَ اَخْـبِـرْنِـیْ عَـنِ الْاِحْسَـانِ . قَـالَ اَنْ تَعْبُدُ اللہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ قَـالَ" اِیْ یَا عُمَرُ اَتَـدْرِیْ مَـنِ السَّـائِلُ قُلْتُ اللہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ . قَـالَ" فَـاِنَّـہٗ جِبْرِیْلُ' اَتَـاکُمْ یُعَلِّمُکُمْ دِیْنَکُمْ (مشـکـوٰۃ، کتـاب الایمان)	''جبرئیلؑ نے کہا مجھے احسان کے متعلق بتایئے رسول خدا ﷺ نے فرمایا اللہ کی عبادت اس طرح کر گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ پس اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا ہے تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا۔ اے عمر! کیا تم جانتے ہو سائل کون تھا۔ میں نے عرض کیا۔ اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا۔ یہ جبرئیلؑ تھے تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔''

اس حدیث کی شرح میں شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ نے امام مالکؒ کا قول نقل فرمایا ہے۔

قَـالَ الْاِمَـامُ مَالِکٌ مَنْ تَصَوَّفَ وَلَـمْ یَتَفَـقَّـہْ فَقَدْ تَزَنْدَقَ وَمَنْ تَـفَـقَّہَ وَلَمْ یَتَصَوَّفْ فَقَدْ تَفَسَّقَ وَمَنْ جَمَعَ بَیْنَہُمَا فَقَدْ تَحَقَّقَ.	''امام مالک نے فرمایا جس نے فقہ کے بغیر تصوف حاصل کیا وہ زندیق ہوا۔ اور جس نے تصوف سیکھے بغیر فقہ کا علم حاصل کیا وہ فاسق ہوا۔ اور جس نے دونوں کو جمع کیا وہ محقق ہوا۔

بدآنکہ بنائے دین وکمال آن بر فقہ وکلام و تصوف است وایں حدیث شریف بیان ایں ہرسہ مقام کردہ اسلام اشارت بہ فقہ است کہ متضمن بیان اعمال و احکام شرعیہ است وایمان اشارت باعتقادات کہ مسائل اصول کلام اند و احسان اشارت بہ اصل تصوف است کہ عبارت از صدق توجہ الی اللہ است و جمیع معانی تصوف کہ مشائخ طریقت باں اشارت کردہ اند راجع بہمیں معنی است وتصوف وکلام لازم یکدیگر اند کہ ہیچ یکے بے دیگر تمام نہ پذیرد چراکہ کلام بے تصوف وتصوف بے فقہ صورت نہ بندد زیراکہ حکم الٰہی بے فقہ شناختہ نہ شود وفقہ بے تصوف تمام نشود زیراکہ عمل بے صدق توجہ تمام نہ پذیرد وہر دو بے ایمان صحیح مگر دو بر مثال روح وجسد کہ ہیچ کدام بے دیگر وجود نگیرد وکمال نہ پذیرد (اللمعات شرح مشکوٰۃ: ۳۵۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی۔)	خوب سمجھ لو کہ دین کی بنیاد اور اسکی تکمیل کا انحصار فقہ کلام اور تصوف پر ہے اور اس حدیث شریف میں ان تینوں کا بیان ہوا ہے۔ اسلام سے مراد فقہ ہے کیونکہ اس میں شریعت کے احکام اور اعمال کا بیان ہے اور ایمان سے مراد عقائد ہیں جو علم کلام کے مسائل ہیں اور احسان سے مراد اصل تصوف ہے جو صدق دل سے توجہ الی اللہ سے عبارت ہے مشائخ طریقت کے تمام ارشادات کا حاصل بھی احسان ہے تصوف اور کلام لازم ملزوم ہیں۔ کیونکہ تصوف بغیر کلام کے اور فقہ بغیر تصوف بے معنی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کے احکام فقہ کے بغیر معلوم نہیں ہوتے اور فقہ بغیر تصوف کے کامل نہیں ہوتی کیونکہ کوئی عمل بغیر اخلاص نیت کے مقبول نہیں اور یہ دونوں ایمان کے بغیر بیکار ہیں۔ ان کی مثال روح اور جسم کی ہے کہ ایک دوسرے کے بغیر نا تمام رہتے ہیں۔

فائدہ:۔ تصوف جزو دین ہے اور انتفائے جزو مستلزم ہے۔ انتفائے کل کو پس انکار تصوف مستلزم ہوگا انکار دین کو۔

عالم جب تک تصوف وسلوک سے بے بہرہ ہے نہ وارثِ رسول ﷺ ہے نہ نائب رسول ﷺ

ولاَ یَکُوْنُ الْخَلِیْفَۃُ اِلاَّ مَنْ جَمَعَ الْمَقَاصِدَ الثَّلاَثَۃِ الَّتِیْ ذَکَرْنَا ھَا وَحِفْظَ الْکِتَابَ وَالسُّنَّۃَ وَتَدَرَّبَ فِیْ قَوَانِیْنِ السُّلُوْکِ وَتَرْبِیَۃِ السَّالِکِیْنَ. (تفہیمات الٰہیہ: ۱۳)	خلیفہ رسول ﷺ صرف وہ شخص ہوگا جس نے دین کے تینوں شعبے جمع کئے ہوں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے اور کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ کو یاد کیا ہو اور قوانین علم سلوک اور تربیت سالکین میں کوشش کی ہو۔

فائدہ: (۱) اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ سے مراد وہ علماء ہیں جنہوں نے دین کے ان تینوں اجزاء کو جمع کیا ہو۔ کیونکہ فَاِنَّہٗ جِبْرِیْلُ' اَتَاکُمْ یُعَلِّمُکُمْ دِیْنَکُمْ سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس دین کی تعلیم کے لئے جبرئیلؑ کو بھیجا اور انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو پہنچایا۔ وہ تین اجزاء اسلام، ایمان اور احسان سے مرکب ہے جس میں سلوک جسے لفظِ احسان سے تعبیر کیا گیا ہے بھی شامل ہے۔

(۲) اگر یہ تسلیم کرلیں کہ سلوک بدعت ہے تو ماننا پڑے گا کہ دین مرکب بدعت سے ہے اور جب دین بدعت وغیر بدعت سے مرکب ہوا تو پورا دین بدعت ٹھہرا۔

بعثت انبیاء کا مقصد

انبیاء علیہم السلام تین اغراض کو پورا کرنے کے لئے مبعوث ہوتے رہے ہیں۔ اول تصحیح عقائد، دوم تصحیح اعمال، سوم تصحیح اخلاص۔

وَقَدْ تَكَفَّلَ بِفَنِّ الْأَوَّلِ أَهْلُ الْأُصُوْلِ مِنْ عُلَمَاءِ الْأُمَّةِ وَقَدْ تَكَفَّلَ بِفَنِّ الثَّانِيْ فُقَهَاءُ الْأُمَّةِ فَهَدَى اللّٰهُ بِهِمَا أَكْثَرِيْنَ وَقَدْ تَكَفَّلَ بِفَنِّ الثَّالِثِ الصُّوْفِيَّةُ رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ (تفهيمات الهيه ۱۳۰).

تصحیح عقائد کے فن کے کفیل علمائے اصول ہوتے ہیں اعمال کی تصحیح کے کفیل فقہائے امت ہوتے ہیں۔ اور فن خلوص و احسان کے کفیل صوفیہ کرام ہوتے ہیں۔

دین میں تصوف بمنزلہ روح فی الجسد ہے

وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ هٰذَا الثَّالِثُ أَدَقُّ الْمَقَاصِدِ الشَّرِيْعَةِ مَأْخَذًا وَأَعْمَقُهَا مَحْتِدًا وَهُوَ بِالنِّسْبَةِ إِلَى سَائِرِ الشَّرَائِعِ بِمَنْزِلَةِ الرُّوْحِ مِنَ الْجَسَدِ وَبِمَنْزِلَةِ الْمَعْنٰى مِنَ اللَّفْظِ (تفهيمات الهيه)

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ یہ تیسرا فن مقاصد شرعیہ کے مآخذ کے لحاظ سے بہت باریک اور گہرا ہے اور تمام شریعت کے لئے اس فن کی وہی حیثیت ہے جو جسم کے لئے روح کی ہے۔ اور لفظ کے لئے معنیٰ کی ہے۔

فائدہ:۔ یہ فن ثالث اخلاص اور احسان سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اخلاص و احسان ساری شریعت کی روح ہے جس طرح روح کے بغیر بدن بے کار ہے اسی طرح بدون اخلاص عقائد و اعمال بے کار ہیں۔

(۲) تصوف کے بغیر نہ شریعت زندہ رہ سکتی ہے نہ دین سلامت رہ سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے وضاحت فرمادی ہے۔

تصوف کا حصول فرضِ عین ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی سورہ التوبہ کی آیت مَا كَانَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ أَنْ يَنْفِرُوْا كَافَّةً کی تفسیر کے سلسلے میں تصوف کے مقام اور اہمیت کی وضاحت فرماتے ہیں۔

وَأَنَّ الْعِلْمَ الَّذِيْ يُسَمُّوْنَ الصُّوْفِيَّةُ الْكِرَامُ لَدُنِّيًا فَهُوَ فَرْضٌ" عَيْنٌ" لِأَنَّ ثَمَرَاتُهَا تَصْفِيَةُ الْقَلْبِ عَنْ إِشْتِغَالٍ بِغَيْرِ اللّٰهِ وَإِتِّصَافِهٖ بِدَوَامِ الْحُضُوْرِ وَتَزْكِيَةِ النَّفْسِ عَنْ رَذَائِلِ الْأَخْلَاقِ مِنَ الْعُجْبِ وَالتَّكَبُّرِ وَالْحَسَدِ وَحُبِّ الدُّنْيَا وَالْجَاهِ وَالْكَسْلِ فِي الطَّاعَاتِ وَإِيْثَارِ الشَّهَوَاتِ وَالرِّيَاءِ وَالسُّمْعَةِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ وَتَحْلِيَتِهَا بِكَرَامِ الْأَخْلَاقِ مِنَ التَّوْبَةِ وَالرِّضَاءِ بِالْقَضَاءِ وَالشُّكْرِ عَلَى النَّعْمَاءِ وَالصَّبْرِ عَلَى الْبَلَاءِ وَغَيْرَ ذٰلِكَ وَلَا شَكَّ إِنَّ هٰذِهِ الْأُمُوْرَ مُحَرَّمَاتٌ" عَلٰى كُلِّ مُؤْمِنٍ أَشَدُّ تَحْرِيْمًا مِنْ مَعَاصِ الْجَوَارِحِ وَأَهَمُّ إِفْتِرَاضًا مِنْ فَرَائِضِهَا مِنَ الصَّلٰوةِ وَالصَّوْمِ وَالزَّكٰوةِ وَشَيْءٍ مِنَ الْعِبَادَاتِ لَا سِيَّمَا بِشَيْءٍ مِنْهَا مَا لَمْ يَقْتَرِنْ بِالْإِخْلَاصِ وَالنِّيَّةِ. (تفسير مظهری ۴: ۳۲۴)

صوفیہ کرام جس علم کو لدنی کہتے ہیں اس کا حصول فرض عین ہے کیونکہ اس کا ثمرہ صفائی قلب ہے غیر اللہ کے شغل سے اور قلب کا مشغول ہونا ہے دوام حضور سے اور تزکیہ نفس ہے رذائل اخلاق سے جیسے عجب تکبر، حسد، حب دنیا، حب جاہ، عبادات میں سستی، شہوات نفسانی، ریا، سمعہ وغیرہ اور اسکا ثمرہ فضائل اخلاق سے متصف ہونا ہے جیسے توبہ من المعاصی رضا بالقضاء شکر نعمت اور مصیبت میں صبر وغیرہ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تمام امور مومن کیلئے اعضاء و جوارح کے گناہوں سے بھی زیادہ شدت سے حرام ہیں اور نماز، روزہ اور زکوۃ سے زیادہ اہم فرائض ہیں کیونکہ ہر وہ عبادت جس میں خلوص نیت نہ ہو بے فائدہ ہے اور خلوص ہی کا نام تصوف ہے

امام غزالیؒ کی رائے۔

وَكَذٰلِكَ يَفْتَرِضُ عَلَيْهِ عِلْمُ أَحْوَالِ الْقَلْبِ مِنَ التَّوَكُّلِ وَالْخَشْيَةِ وَالرِّضَاءِ (تعليم المتعلمين ۲۱)

"(جیسے باقی علوم فرض ہیں) اسی طرح علم سلوک بھی فرض ہے۔ جو علم احوال قلب ہے جیسے توکل، خشیت، رضا بالقضاء۔"

فائدہ:۔ امام غزالیؒ کی تحقیق یہ ہے کہ علم تصوف کا حصول فرض عین ہے۔ مولانا تھانویؒ نے بھی تعلیم تصوف کو فرضِ عین قرار دیا ہے۔ (التکشف عن مہمات التصوف: ۷)

علامہ شامی نے احوال قلب کی تفصیل بیان فرما کر یہ نتیجہ نکالا ہے کہ۔

فَيَلْزِمُهٗ أَنْ يَتَعَلَّمَ مِنْهَا مَا يَرٰى پس مومن کو لازم ہے کہ رذائل کے

نَفْسَهٗ مُحْتَاجاً اِلَيْهِ وَاِزَالَتِهَا دفعیہ کے لئے علم اتنا حاصل کرے
فَرْضٌ عَيْنٌ'' (شامی دور مختار جلد اول بحث علم القلب.) جتنا اپنے نفس کو اس کا محتاج سمجھے ان کا ازالہ فرضِ عین ہے۔

تصوف اصول دین سے ہے۔

تفسیر جمل میں ہے۔

وَالدِّيْنُ الَّذِيْ لَا يَقْبَلُ التَّغَيُّرَ هُوَ التَّوْحِيْدُ وَالْاِخْلَاصُ وَالْاِيْمَانُ بِمَا جَاءَتْ جَمِيْعُ الرُّسُلِ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ. (تفسیر جمل ۱: ۴۹۷)

دین وہ چیز ہے جو تغیر وتبدل کو قبول نہیں کرتا وہ توحید اور اخلاص ہے جسے تمام انبیاء لے کر آئے۔

فائدہ:۔ اس سے ثابت ہوا کہ تصوف اسلامی اصول دین سے ہے۔ اور یہ عبارت ہے خلوص واحسان سے اور بغیر خلوص نہ توحید مقبول ہے نہ ایمان وعمل۔

اہل السنّت والجماعت کا مدار شریعت وطریقت پر ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

''اہل سنت کا مدار شریعت اور طریقت پر ہے انہی دونوں باتوں کو موقع ریاست اور بزرگی کا کہتے ہیں'' (تحفہ اثنا عشریہ ۲: ۲۳۷)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ منکرین تصوف اہل سنت والجماعت میں داخل نہیں اہل سنت اور صوفیہ محققین نے تصوف اور عقیدہ تصوف کو کتاب وسنت سے وراثۃً پایا ہے اس میں سلف سے خلف تک یکسانی کے ساتھ متفق رہے ہیں۔ یہ صوفیاء کرام کا اجماعی مسلک ہے۔ ہاں وقتاً فوقتاً جو خرابیاں اس میں پیدا ہوتی رہیں محققین ان کی اصلاح کرتے رہے۔

تصوف تواتر سے ثابت ہے۔

تصوف وسلوک تواتر سے ثابت ہے اور اتنی بڑی جماعت کا تواتر ہے جو علم و عمل، زہد وتقویٰ اور خشیت میں اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ ایسی اور اتنی بڑی جماعت کا جھوٹ پر متفق ہونا عقلاً محال ہے۔ (اس اجمال کی تفصیل کے لئے کتاب ہذا کے بیسویں باب میں اعتراض، ع ۸ کے ذیل میں دیئے گئے مندرجات ملاحظہ فرمائیں۔)

حدیثِ احسان پر تفصیلی بحث

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ۱: ۵۹ قَالَ اَخْبِرْنِيْ عَنِ الْاِحْسَانِ.

اَلْمَعْهُوْدُ ذِهْنًا فِي الْاٰيَاتِ الْقُرْاٰنِيَّةِ مِنْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَقَالَ هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ. وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ وَالْاَظْهَرُ اِنَّ الْمُرَادَ بِهٖ فِي الْاٰيَاتِ مَا اشْتَمَلَ عَلَى الْاِيْمَانِ وَالْاِسْلَامِ وَغَيْرِهِمَا مِنَ الْاَعْمَالِ وَالْاَخْلَاقِ وَالْاَحْوَالِ.

الاحسان میں الف لام عہد ذہنی ہے جس میں اشارہ قرآنی آیات کی طرف ہے۔ جن میں لفظ احسان وارد ہوا ہے۔ اور ظاہر بات یہ ہے کہ مراد ان آیات سے وہ احسان ہے جو شامل ہے ایمان اور اسلام وغیرہ اعمال ظاہری، اخلاق اور احوال (صوفیہ) پر۔

اور فیض الباری ۱: ۱۳۹

اِنَّ الْاِحْسَانَ يَنْقَسِمُ اِلٰى حَالٍ وَعِلْمٍ. فَاِنَّ مُشَاهَدَةَ الْحَقِّ بِقَلْبِهٖ كَاَنَّهٗ يَرَاهُ حَالٌ لَهٗ وَصِفَتُهٗ قَائِمَةٌ بِهٖ وَلَيْسَتْ عِلْمًا.

احسان منقسم ہے حال صوفیہ اور علم پر۔ کیونکہ قلب سے حق کا مشاہدہ کرنا، گویا سالک نے آنکھوں سے دیکھا، یہ ایک حالت ہے جو اس کی صوفی سالک کی صفت قائمہ ہے اور ظاہر ہے کہ یہ حالت علم نہیں۔

فیض الباری کی عبارت سے ظاہر ہے کہ احسان یا تصوف وسلوک صرف علم کا نام نہیں۔ اس لئے اس علم کے پڑھ لینے سے آدمی عارف باللہ نہیں بن جائے گا۔ جیسے کسی شخص کو نماز، روزہ اور حج کے مسائل کا علم ہو تو محض علم ہونے سے وہ نہ نمازی بن گیا نہ صائم نہ حاجی۔ یہ تو اعمال ہیں جن کا تعلق محض علم سے نہیں بلکہ کرنے سے ہے۔ اسی طرح تصوف وسلوک حال اور کیفیات ہیں۔ جو شیخ کے سینے سے نکل کر سالک کے قلب کو منور کرتی ہیں۔ ان احوال اور کیفیات کے لئے واضع نے کوئی الفاظ وضع نہیں کئے کتب تصوف سے تصوف وسلوک کے متعلق علم کی حد تک رہنمائی مل سکتی ہے، لیکن وہ احوال وکیفیات جو اصل مطلوب ہیں وہ شیخ کامل کی توجہ کے بغیر ممکن نہیں۔ تحدیثِ نعمت کے طور پر میں یہ کہے دیتا ہوں کہ جسے اپنے رب سے رشتہ جوڑنے اور تعلق باللہ قائم کرنے کی طلب ہو وہ اس عاجز کے پاس آجائے ان شاء اللہ تعالیٰ اس نعمتِ غیر مترقبہ سے محروم نہیں رہے گا۔

تصوف وسلوک کا انکار علم یا استدلال پر مبنی نہیں ہے بلکہ جہالت، ضد یا عناد پر مبنی ہے، کیونکہ قرآن کریم کی بیسیوں آیات تصوف وسلوک کی اصل اور بنیاد ہیں۔ محدثین نے آیات احسان اس سلسلے میں بطور ثبوت پیش کی ہیں۔ ان کی تفصیل احادیث نبوی ﷺ اور اقوالِ مشائخ میں ملتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تصوف کے

کلیات کے علاوہ جزئیات تک نصوصِ قرآنی اور آثار سے موید ہیں، ہم بلا خوف تردید کہتے ہیں کہ صوفیہ کے مختلف طرق اور سلسلے جن میں اشغال واعمال اور ان کے نتائج وثمرات کا ذکر ہے، ان کے کلیات اور جزئیات تک کی تائید نصوص وآثار اور روایات سے ہوتی ہے جن کی تفصیل آگے آئے گی۔

اسلامی عقائد فقہی جزئیات، اعمال، اخلاق اور عبادات، اسلام کا قالب ہیں۔ مگر اس کا قلب اور روح اخلاص واحسان یعنی تصوف وسلوک ہے۔ مثلاً تمام فقہاء نے لکھا ہے کہ غیبت سے روزہ نہیں ٹوٹتا یعنی اس عبادت کا قالب مجروح نہیں ہوتا اور قانون اور ضابطے کی رو سے روزہ نہیں ٹوٹتا مگر صحیح حدیث میں موجود ہے کہ روزہ کی روح غیبت سے نکل جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جیسے جسد بے روح بیکار ہے اسی طرح جس روزہ سے روح نکل گئی اس کی حیثیت کیا رہ گئی؟ یہ حقیقت تصوف سے ہی حاصل ہوسکتی ہے۔ اس لئے مولوی علم ہے اور صوفی عمل ہے۔ مولوی قالب ہے، صوفی قلب ہے، مولوی جن اعمال کی جزا وسزا آخرت میں دیکھے گا، صوفی دنیوی زندگی میں برزخ کے حالات دیکھتا ہے، مولوی جو چیزیں خواب میں دیکھتا ہے صوفی عالم بیداری میں بذریعہ کشف دیکھتا ہے۔ اسی لئے صوفی کو ایک طرح کی ملائکہ سے مشابہت ہے، جیسا کہ مشکوٰۃ ص ۴۸۸

عَنْ جَابِرٍ فِيْ شَانِ اَهْلِ الْجَنَّةِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰه ﷺ يُلْهَمُوْنَ التَّسْبِيْحَ وَالتَّحْمِيْدَ كَمَا تُلْهَمُوْنَ النَّفَسَ

حضرت جابرؓ سے اہلِ جنت کے متعلق روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ان پر تسبیح وتہلیل الہام کی جائے گی، جیسے سانس لینا تمہاری فطرت میں رکھ دیا گیا ہے۔

صوفیہ کے ذکر پاس انفاس میں یہی حالت ہوتی ہے جو اہل جنت کی بیان ہوتی ہے۔ یہی حدیث سانس سے ذکر کرنے کی اصل اور اس کا ثبوت بھی ہے۔ حدیثِ جبریل میں حبس دم کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جبرئیلؑ نے مجھے اتنا بھینچا کہ بلغ منی الجهد حتى ظننت انه الموت یعنی مجھے اتنی تکلیف ہوئی کہ میں نے اسے موت خیال کیا۔ یہ کیفیت اس وقت ہوتی ہے جب سانس رک جائے دم گھٹنے لگے، یہی حبس دم کے وقت کیفیت ہوتی ہے اور جب انوار وتجلیات باری کی کثرت ہوتی ہے تو اس وقت ذاکر پر دباؤ پڑتا ہے اور سانس رکنے لگتی ہے۔

اور فیض الباری ۱: ۱۴۹، ۱۵۰۔ اذکار، اشغال، نسبت، سلاسل تصوف وغیرہ کا بیان۔

وَاعْلَمْ اَنَّ لَفْظَ الْاِحْسَانِ شَامِلٌ" لِجَمِيْعِ اَنْوَاعِ الْبِرِّ مِنَ الْاَذْكَارِ وَالْاَشْغَالِ وَغَيْرِهَا.

احسان کا لفظ تمام نیکیوں پر مشتمل ہے، خواہ اذکار ہوں یا اشغال صوفیہ، اذکار کا اطلاق اوراد مسنونہ پر ہوتا ہے۔

الْمَشَائِخُ مِنَ الضَّرُوْرِيَاتِ وَالْكَيْفِيَّاتِ يُقَالُ لَهَا الْاَشْغَالُ وَالنِّسْبَةُ فِيْ اِصْطِلَاحِهِمْ رَبْط" خَاص" سِوَى رَبْطِ الْخَالِقِيَّةِ وَالْمَخْلُوْقِيَّةِ فَمَنْ حَصَلَ لَهٗ رَبْط" سِوَى الرَّبْطِ الْعَامِ يُقَالُ لَهٗ صَاحِبُ النِّسْبَةِ وَالطُّرُقُ الْمَشْهُوْرَةُ فِي التَّصَوُّفِ اَرْبَعَةٌ" اَلسَّهْرَوَرْدِيَّةُ" وَالْقَادِرِيَّهُ وَالْچِشْتِيَّةُ وَالنَّقْشَبَنْدِيَّهُ وَالسِّلْسِلَةُ السُّهْرَوَرْدِيَّةُ قَدْ تَسَلْسَلَتْ فِيْ اَجْدَادِنَا مِنْ عَشَرَةٍ مُتَّصِلَةٍ ثُمَّ نُقِلَ اِلَيْنَا مِنَ الْاَوَامِرِ وَالنَّوَاهِيْ وَالْوَعْدِ الْوَعِيْدِ تُسَمّٰى شَرِيْعَةً وَالتَّخَلُّقُ بِهَا يُسَمّٰى طَرِيْقَةً وَحِيْنَئِذٍ تَنْصَبِغُ الْاَعْمَالُ بِصَبْغِ الْاِيْمَانِ كَمَا كَانَ فِي السَّلَفِ اَمَّا الْيَوْمُ عِلْم" بِلَا عَمَلٍ وَاِيْمَان" بِلَا تَصْدِيْقٍ مِنَ الْجَوَارِحِ رُبَّ تَالٍ الْقُرْاٰنَ وَالْقُرْاٰنُ يَلْعَنُهٗ" ثُمَّ الْفَوْزُ بِالْمَقْصَدِ الْاَسْنٰى وَالنَّيْلُ بِالْمَآرِبِ الْاَعْلٰى يُسَمّٰى حَقِيْقَةً" وَمِنْ هٰهُنَا ظَهَرَ اَنِ الشَّرِيْعَةَ وَالطَّرِيْقَةَ لَا تَتَغَايَرَانِ كَمَا زَعَمَ الْعَوَام

ہیں اور نسبت اصطلاح صوفیہ میں ایک خاص قسم کے ربط کو کہا جاتا ہے جو خالقیت اور مخلوقیت سے جدا ہے اور جسے یہ ربط خاص حاصل ہو جائے اس کو صاحب نسبت کہتے ہیں اور تصوف میں چار مشہور سلسلے ہیں۔ سہروردی قادری، چشتی اور نقشبندی، اور سلسلہ سہروردی ہمارے خاندان میں دس پشتوں سے متصل چلا آرہا ہے۔ پھر جو اوامر ونواہی وعدے اور وعید نقل ہو کر ہم تک پہنچے ہیں اسے شریعت کہتے ہیں۔ اور ان پر عمل پیرا ہونا اور اس رنگ میں رنگا جانا طریقت کہلاتا ہے۔ اس وقت تمام اعمال، ایمان کے رنگ میں رنگے جاتے ہیں۔ سلف صالحین کی یہی حالت تھی، مگر آج کل علم ہے عمل نہیں، ایمان ہے مگر اعضاء وجوارح سے اس کی تصدیق نہیں، بہت سے قرآن پڑھنے والے ایسے ہیں کہ قرآن ان پر لعنت کر رہا ہوتا ہے۔ پھر اعلیٰ مقصد کو حاصل کرنا، اعلیٰ نصب العین تک پہنچنا اصل کامیابی ہے۔ اس کا نام حقیقت ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ شریعت اور طریقت دو مختلف چیزیں نہیں جیسا کہ عوام میں مشہور ہے۔

الفاظ اور معنی کا تعلق واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ۱:۳۰۲

اِنِّیْ لَسْتُ مِمَّنْ يَاْخُذُوْنَ الدِّيْنَ مِنَ اَلْفَاظِ بَلْ اَوْلَى الْاَمْرِ عِنْدِيْ

میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو دین کو صرف الفاظ سے اخذ کرتے ہیں۔ بلکہ میرے نزدیک الفاظ کے حقیقی معنی امت کا توارث

تَوَارُثُ الْأُمَّةِ وَاِخْتِيَارُ الْأَئِمَّةِ فَإِنَّهُمْ هُدَاةُ الدِّيْنِ وَعَلَامَةٌ" وَلَمْ يَصِلِ الدِّيْنُ إِلَيْنَا إِلَّا مِنْهُمْ فَعَلَيْهِمُ الْاِعْتِمَادُ فِيْ هٰذَا الْبَابِ فَلَا نُسِيْءُ الظَّنَّ بِهِمْ.

اور وہ صورت جو ائمہ نے اختیار کی ہے۔ کیونکہ وہی دین کے ہادی اور نشان ہیں۔ ہمیں دین تو انہی کے ذریعے پہنچا، ہم اس بارے میں انہی پر اعتماد کرتے ہیں۔ ہم ان کے متعلق سوئے ظن سے بچتے ہیں۔

بلاشبہ دین متین الفاظ کی شکل میں نقل ہو کر ہم تک پہنچا، مگر ان الفاظ میں حقیقی معنی بتانے والی جماعت بھی ساتھ ساتھ نسلاً بعد نسل چلتی آئی۔ الفاظ دین کے معنی جو ان حضرات نے سمجھے اس کے مطابق عمل کر کے دکھاتے رہے۔ یہی تعامل اور توارث ہے جو دین کی روح ہے۔ اس پر حقیقی اعتماد ہی اصل دین ہے۔ اور یہی دین ایک طرف چار فقہی مذاہب میں اور دوسری طرف چار روحانی سلسلوں میں محفوظ ہو کر ہم تک پہنچا ہے اہل السنت والجماعت کا مدار ثبوت کے انہی دو پہلوؤں پر ہے۔

اگر الفاظ کو معانی پہنانے کے سلسلے میں آزادی ہو تو وہ دین نہیں بلکہ نفس پرستی ہوگی۔ اس لئے جہاں تک منقول دین کے الفاظ کے معانی سمجھنے کا تعلق ہے اس کا انحصار تعامل امت اور عرف پر ہوگا۔

جہاں تک علم و عمل کا تعلق ہے، ہمارے اندر بہت بڑا تضاد پایا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں علم کا بہت چرچا ہے مگر عمل کا فقدان ہے۔ اس علم کی حیثیت ایک بے پھل درخت سے زیادہ کچھ نہیں، جیسا کہ عارف جامی نے فرمایا:۔

چو کسب علم کردی در عمل کوش کہ علم بے عمل زہریست بے نوش

رہا ایمان و تصدیق کا سوال تو ایمان ایک دعویٰ ہے، کسی دعوے کے ثابت ہونے کا مدار اس کے حق میں صحیح شہادت کے ملنے پر ہے۔ اگر شہادت نہ ملے تو دعویٰ غلط اور مدعی جھوٹا ہے۔ اس لئے ایمان کے دعوے کے لئے اعضاء جوارح کی شہادت درکار ہے۔ اگر اعضاء و جوارح سے ایسے اعمال سرزد ہوتے ہیں جو اس دعوے کی تصدیق کریں تو دعوے ثابت، ورنہ دعوے غلط اور مدعی جھوٹا ہے بدقسمتی سے عام مسلمانوں میں یہی دورنگی پائی جاتی ہے۔

دین سے کیا مراد ہے:۔ عمدۃ القاری: ۱:۳۳۹ زیر حدیث

جَاءَ جِبْرَئِيْلُ يُعَلِّمُكُمْ دِيْنَكُمْ أَيْ يُعَلِّمُوْا الْعَقَائِدَ الدِّيْنِيَّةَ وَالْأَعْمَالَ الظَّاهِرَةَ وَالْأَعْمَالَ الْقَلْبِيَّةَ.

جبرئیل آئے کہ تمہیں دین سکھائیں۔ یعنی تاکہ تم جان لو کہ عقائد دینیہ کیا ہیں۔ اعمال ظاہری اور اعمال قلبی کون کون سے ہیں۔

اور تحفۃ القاری ۱:۱۲۱

دَلَّ الْحَدِيْثُ عَلٰى أَنَّ عُلُوْمَ الدِّيْنِ ثَلَاثَةٌ" اَلْأَوَّلُ الْعَقَائِدُ وَهُوَ عِلْمُ الْكَلَامِ

حدیث جبرئیلؑ تین علوم پر دلالت کرتی ہے۔ اول عقائد۔ یہ علم کلام ہے۔ دوسرا حلال و حرام اور احکام کی معرفت، یہ فقہ ہے۔ تیسرا مکاشفات اور مراقبات کا علم ہے۔ یہ علم تصوف

رَكْعَاتٍ اَلْأُوْلٰى رَكْعَةُ الْإِيْمَانِ وَالثَّانِيَةُ رَكْعَةُ الْإِسْلَامِ وَالثَّالِثَةُ رَكْعَةُ الْإِحْسَانِ وَهِيَ الَّتِيْ تُوْتِرُ مَا قَدْ صَلّٰى وَلَا يَصِحُّ الْاِقْتِصَارُ عَلٰى رَكْعَةِ الْإِحْسَانِ فَقَطْ مَا لَمْ يَنْضَمَّ إِلَيْهَا شَفْعُ الْإِيْمَانِ وَالْإِسْلَامِ وَقَالَ الْقُرْطُبِيُّ هٰذَا الْحَدِيْثُ يَصِحُّ أَنْ يُقَالَ لَهٗ أُمُّ السُّنَّةِ وَقَالَ قَاضِيْ عِيَاضٌ اِشْتَمَلَ هٰذَا الْحَدِيْثُ عَلٰى جَمِيْعِ وَظَائِفِ الْعِبَادَاتِ الظَّاهِرِيَّةِ وَالْبَاطِنِيَّةِ وَمِنْ أَعْمَالِ الْجَوَارِحِ وَمِنْ أَخْلَاصِ السَّرَائِرِ قَالَ عَلَّامَةُ الزَّمَانِ الشَّيْخُ مَحْمُوْدُ الْحَسَنِ الدِّيْوبَنْدِيْ قُدِّسَ سِرُّهٗ أَنَّ مَقْصُوْدَ الْمُؤَلِّفِ بِهٰذَا التَّرْجَمَةِ أَنَّ الْأُصُوْلَ وَالْفُرُوْعَ وَالْأَعْمَالَ وَالْإِيْمَانُ وَالْإِسْلَامُ وَالْإِحْسَانُ وَالْإِخْلَاصُ وَالْأَخْلَاقُ كُلُّهَا مِنْ هُوَ الْإِحْسَانِ وَأَشَارَ هٰذَا الْبَابَ إِلٰى أَنَّ مَنْ ذَاقَ حَلَاوَةَ الْإِيْمَانِ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْإِسْلَامِ وَخَالَطَ بَشَاشَةَ الْقَلْبِ خَلْطاً رَابِطًا اِتِّحَادِيًّا فَيَجُوْزُ أَنْ يُقَالَ فِيْ حَقِّهٖ أَنَّهٗ مَحْفُوْظٌ" مِنَ الْاِرْتِدَادِ وَأَمَّا لَيْسَ كَذٰلِكَ فَلَا يَجُوْزُ لَهٗ الْوُثُوْقُ عَلٰى إِيْمَانِهٖ

گا۔ فقط ایک رکعت احسان پر اختصار کرنا درست نہ ہوگا جب تک ایمان اور اسلام کی دو رکعتیں ساتھ نہ ملائی جائیں۔ علامہ قرطبی نے فرمایا حدیث جبرئیل کے متعلق یہ کہنا صحیح ہے کہ یہ سنت کی اصل اور بنیاد ہے۔ قاضی عیاض نے کہا کہ حدیث جبرئیل تمام وظائف عبادات ظاہری اور باطنی اور اعمال، جوارح اور دل کے اخلاص سب پر مشتمل ہے۔ اور شیخ الہند نے فرمایا کہ اس ترجمے سے امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ اصول و فروع اعمال، ایمان، اسلام، احسان، اخلاص، اخلاق سب دین کے اجزاء ہیں اور ہرقل روم والی حدیث میں بشاشۃ الایمان سے مراد بھی احسان ہے اور اس سلسلے میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جس نے ایمان کی حلاوت چکھ لی، اس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے کھول دیا، اور ایمان کی لذت دل کی

گہرائیوں میں پیوست ہو چکی اس کے متعلق یہ کہنا درست ہے کہ وہ مرتد نہیں ہوگا، اور جس میں یہ حقیقت نہیں پائی جاتی، اس کے متعلق وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ ایمان پر قائم رہے گا۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات میں لکھا ہے کہ مراقبہ فنا فی اللہ اور بقا باللہ جب سالک کو راسخ ہو جائے تو وہ یقیناً ایمان پر مرتا ہے۔ حدیث میں لفظِ بشاشت آیا ہے۔ امام صاحب نے اسی سے راسخ کی قید لگائی ہے۔

علامہ قسطلانی نے اس حدیث کو از قبیل جوامع الکلم قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

هٰذَا الْحَدِيْثُ مِنْ جَوَامِعِ الْكَلِمِ ﷺ أَىْ تَعْبُدُ رَبَّكَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ الخ........ اَلْاَوَّلُ إِشَارَةٌ" إِلٰى مَقَامِ الْمُشَاهَدَةِ وَالْمُكَاشَفَةِ وَالثَّانِىْ نُزُوْلٌ مِنْ مَقَامِ الْمُشَاهَدَةِ وَالْمُكَاشَفَةِ إِلَى الْمُرَاقَبَةِ.

پہلی صورت اشارہ ہے۔ مقام مشاہدہ اور مکاشفہ کی طرف دوسری صورت اشارہ مقام مراقبہ کی طرف ہے۔

گویا سالک کی دو حالتوں کی طرف اشارہ ہے۔ بعض صوفیاء کو کشف ہو جاتا ہے۔ وہ دل کی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں تجلیات باری تعالیٰ، ملائکہ اور ارواح وغیرہ کا۔ بعض کو کشف نہیں ہوتا وہ مشاہدہ نہیں کر سکتے مگر اس کے باوجود ان میں مراتب کا فرق نہیں ہوگا۔

حدیثِ جبریلؑ کی تاریخی حیثیت اس حدیث کی اہمیت میں اور بھی اضافہ کرتی ہے۔ جبرئیلؑ کا انسانی صورت میں آکر یہ کلام کرنا اس زمانے کا واقعہ ہے جب حضور اکرم ﷺ حجۃ الوداع سے واپس آ چکے تھے، گویا حضور ﷺ کی عمر کے آخری حصے میں یہ واقعہ پیش آیا۔ اس وقت دینِ اسلام کی تکمیل ہو چکی تھی۔ احکام نازل ہو چکے تھے۔ گویا ایک ہی مجلس میں دین کا خلاصہ جبرئیلؑ کی زبانی سنوا کر حضور ﷺ کی زبان سے یہ کہلوا دیا کہ اَتَاكُمْ لِيُعَلِّمَكُمْ دِيْنَكُمْ. گویا حدیثِ جبرئیلؑ کا مقصد بِتَقْرِيْرِ جُمُوْعِ أُمُوْرِ الدِّيْنِ مُتَفَرِّقَةً" فِىْ مَجْلِسٍ وَّاحِدٍ لِتَنْضِيْطِهٖ. یعنی مجلس واحد میں احکام دین کو منضبط اور پختہ کرنے کے لئے دین کا خلاصہ حضور ﷺ کے سامنے پیش کر دیا کہ دین مرکب ہے تین امور سے جیسے مغرب کی نماز میں تین رکعتیں ہوتی ہیں۔ اگر کسی شخص نے دو رکعتیں پڑھ لیں مگر تیسری چھوڑ دی تو اس کی نماز نہ ہوگی۔ اسی طرح جب تصوف کو چھوڑ دیا تو دین کا تیسرا حصہ چھوڑ دیا۔

ظاہر ہے کہ تکمیل دین نہیں ہوئی۔ جہاں تک تصوف کا تعلق ہے لوگ دو قسم کے پائے جاتے ہیں۔ اول وہ جو تارک تصوف ہیں ان کی حیثیت ایسی ہے جیسے کوئی تارک صلوٰۃ ہو، ایسے شخص کو فاسق کہتے ہیں، مگر جو منکرِ تصوف ہو اس نے تو دین کے تہائی حصے کا انکار کر دیا۔ اور انکار جزو مستلزم ہے انکار کل کو، تو ایسے شخص کے متعلق اس کے بغیر کیا کہا جا سکتا ہے اللہ اسے ہدایت دے۔

شرح عقیدۃ السفارینی ۱:۴۳۰ میں اس حدیث کے متعلق لکھا ہے۔

وَحَاصِلُ ذٰلِكَ أَنَّ الدِّيْنَ وَأَهْلَهٗ' كَمَا أَخْبَرَ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ ﷺ وَإِمَامُ الْمُرْسَلِيْنَ ﷺ ثَلَاثُ طَبَقَاتٍ" أَوَّلُهَا اَلْإِسْلَامُ وَأَوْسَطُهَا اَلْإِيْمَانُ وَأَعْلَاهَا اَلْإِحْسَانُ فَمَنْ وَصَلَ إِلَى الْعُلْيَا فَقَدْ وَصَلَ إِلَى الَّتِىْ تَلِيْهَا فَالْمُحْسِنُ مُؤْمِنٌ" وَالْمُؤْمِنُ مُسْلِمٌ" هٰكَذَا جَاءَ الْقُرْآنُ فَجَعَلَ الْأُمَّةَ عَلٰى هٰذِهِ الْأَصْنَافِ الثَّلَاثَةِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ" لِنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ" وَمِنْهُمْ سَابِقٌ" بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ فَالْمُسْلِمُ الَّذِىْ لَمْ يَقُمْ بِوَاجِبِ الْإِيْمَانِ هُوَ الظَّالِمُ لِنَفْسِهٖ وَالْمُقْتَصِدُ الَّذِىْ أَدَّى الْوَاجِبَ وَتَرَكَ الْمُحَرَّمَ هُوَ الْمُؤْمِنُ الْمُطْلَقُ وَالسَّابِقُ بِالْخَيْرَاتِ هُوَ الْمُحْسِنُ الَّذِىْ عَبَدَ اللّٰهَ كَأَنَّهٗ' يَرَاهُ' فَإِنْ لَمْ يَكُنْ يَرَاهُ فَإِنَّهٗ' يَرَاهُ

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ دین اور اہل دین کے تین طبقے ہیں جیسا کہ خاتم النبیین ﷺ اور امام المرسلین ﷺ نے خبر دی ہے۔ پہلا طبقہ لفظ اسلام سے دوسرا ایمان سے اور تیسرا احسان سے ظاہر ہے۔ پس جو شخص درجہ اعلیٰ پر پہنچا وہ انتہائی بلندی کو پہنچ گیا۔ پس محسن، مومن ہے اور مومن مسلم ہے اسی طرح قرآن مجید میں آ چکا ہے۔ اللہ نے امت کو تین قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ پھر وارث کر دیا ہم نے کتاب کا ان لوگوں کو جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں انتخاب کر لیا ہے ان میں سے کچھ وہ ہیں جو اپنے نفس کے حق میں ظالم ہیں کچھ وہ ہیں جو میانہ روی اختیار کرتے ہیں، کچھ وہ جو اللہ کی مدد سے نیکیوں کی طرف سبقت کرنیوالے ہیں، اور یہ اللہ کا بہت بڑا فضل ہے مسلم وہ جو واجباتِ ایمان کو قائم نہ کرے وہی اپنے نفس کے حق میں ظالم ہے اور مقتصد وہ ہے جس نے واجبات کو ادا کیا اور محرمات سے پرہیز کیا یہ مطلق مومن ہے اور سابق بالخیرات وہ محسن ہے جس نے اللہ کی عبادت کی گویا کہ وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے اور اگر وہ اللہ کو نہیں دیکھ رہا تو اللہ تو اسے دیکھ رہا ہے۔

قربِ نوافل

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ مَاتَقَرَّبَ اِلَی عَبْدِی بِمِثْلِ مَا افْتَرَضْتُ عَلَیْهِ ثُمَّ لَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اَحَبَّهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ کُنْتُ سَمْعَهٗ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَ بَصَرُهٗ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ..... الخ ...

حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، میرا بندہ فرائض کی پابندی سے جو قرب حاصل کرتا ہے اس جیسا اور کوئی قرب نہیں، پھر میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرنے میں کوشاں رہتا ہے۔ حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو جب میں اسے پسند کر لیتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے

اس حدیث کا ترجمہ گزشتہ صفحے پر لکھا جا چکا ہے۔ اس کی تشریح فیض الباری میں حضرت انور شاہ صاحبؒ نے یہ فرمائی ہے۔

ومر علیه الذهبی فی المیزان وقال لولا هیبة الجامع لقلت فیه سبحان الله قلت اذا صح الحدیث فلیضعه علی الراس والعین واذا تعالیٰ شیئی منه من الفهم فلیکله الیٰ اصحابه ولیس سبیله ان یجرح فیه اما علماء الشریعة فقالوا معناه ان جوارح العبد تصیر تابعة للمرضاة الالهیة حتی لا تتحرک الا علی ما یرضی به وبه فاذا کانت عنایته سمعه وبصره وجوارحه کلها هو الله تعالیٰ سبحانه فحینئذ صح ان یقال انه لا یسمع الا له ولا یتکلم الا له فکان الله صار سمعه وبصره قلت وهذا اعدولا عن حق الالفاظ لان قوله کنت سمعه بصیغة المتکلم یدل علی انه لم یبق من

میزان الاعتدال میں جب امام ذہبی اس حدیث پر پہنچے تو کہا کہ اگر صحیح بخاری کی ہیبت میرے دل پر نہ ہوتی تو اس حدیث کے متعلق میں یوں کہتا۔ شیخ انور فرماتے ہیں کہ سبحان اللہ! امام ذہبی نے علم منطق نہ پڑھا تھا، میں کہتا ہوں جب حدیث صحیح ہے تو چاہئے کہ بسروچشم قبول کی جائے جب کوئی مسئلہ کسی کے فہم سے بالاتر ہو تو اس علم کے جاننے والوں کے سپرد کر دینا چاہئے۔ یہ نہیں کہ اس مسئلہ پر خود ہی جرح شروع کر دے۔ بہرحال علمائے ظواہر نے اس حدیث کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ بندہ کے اعضاء جوارح اللہ کی رضا کے تابع ہو جاتے ہیں، ان سے وہی حرکت ہوتی ہے جو اللہ کو پسند ہو، اور اس کے تمام اعضاء کی انتہا اور غایت ذات باری تعالیٰ ہو تو یہ کہنا درست ہوگا کہ وہ بندہ سنتا ہے

جل مجده ولکن الله تعالیٰ سبحانه لما تجلی فیها قال یا موسی انی انا الله الخ....... قال فانظر فیه انه کیف سمع صوتا من النار انی انا الله فهو نار ثم صح قوله انی انا الله ایضا فالمتکلم فی المرئی کان هو الشجرة ثم اسند تکلمها الی الله تعالیٰ و ذالک لان الرب جل مجده لما تجلی فیها صارت الواسطة لمعرفته ایاه هما الشجرة فاخذ المتجلی فیه حکم المتجلی بنفسه الیٰ ان قال وانما تجلی ربه فی النار لحاجة موسیٰؑ الیها ثم قال فان فهمت معنی التجلی کما حقه وبلغت مبلغه فدع الامثال والصور المنصوبة وارق الی ربک حنیفا فانه اذا اصح للشجرة ان ینادی فیها بانی انا الله فما بال المتقرب بالنوافل ان لا یکون الله سمعه وبصره ویده ورجله کیف وان ادم الذی خلق علی صورت الرحمن لیهادون من شجرة موسیٰؑ وقال المحشی وعلیک ان تتامل تلک المباحث بعین التحقیق فانها لا تنحل بالعموم الظاهرة فقط مالم

اللہ کہتے ہیں یعنی خواہشات کو دواعی سے وہ شخص نکل جاتا ہے اور اس میں صرف اللہ کا تصرف رہ جاتا ہے۔ جیسے قرآن مجید میں موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں موجود ہے کہ جب آپ آگ کے پاس پہنچے تو اس کے اندر سے آواز آئی، برکت والی ہے وہ ذات جو آگ کے اندر ہے مگر سامنے آگ ہی تھی، جب اللہ تعالیٰ کی تجلی اس آگ سے ظاہر ہوئی تو آواز آئی ''میں اللہ ہوں'' تو اس میں غور کرو کہ حضرت موسیٰؑ نے کس طرح آگ میں سے کلام باری تعالیٰ سنی، کلام کرنے والا بظاہر وہ درخت ہے۔ پھر کلام کی نسبت اللہ تعالیٰ کیطرف کر دیگئی کیونکہ رب العلمین کے نور کی تجلی درخت میں ظاہر ہوئی تو وہ درخت معرفت الٰہی کا واسطہ بن گیا۔ تو متجلی فیہ (درخت) متجلی بنفسہ (رب العلمین) کے حکم میں آ گیا بات یہ تھی نور کا ظہور آگ میں ہوا،

کیونکہ حضرت موسیٰ کو اس وقت آگ کی ضرورت تھی پھر فرمایا کہ اگر تم نے تجلی کے حقیقی معنی سمجھ لئے تو مثالوں اور صورتوں سے آگے بڑھ اور ترقی کر کے قرب الٰہی حاصل کر، کیونکہ جب

ترجع الیٰ من شجرة موسیٰ؟ وقال المحشی وعلیک ان تتامل تلک المباحث بعین التحقیق فانها لا تنحل بالعموم الظاهرة فقط مالم ترجع الیٰ کتب الصوفیة فان لکل فن رجالا فلا تعدها.

ایک درخت کے متعلق درست ہے کہ اس میں آواز آئے، میں اللہ ہوں تو اللہ مقرب بندہ کے لئے کیوں درست نہ ہو کہ رب العٰلمین اس کے کان، آنکھ وغیرہ بن جائے جب بندہ صورت رحمٰن پر پیدا ہوا ہے تو اسے شجر موسیٰ سے کم تو خیال نہ کرنا چاہئے۔ ان بحثوں پر پوری تحقیق سے غور کرنا چاہئے۔ یہ عقدے صرف علوم ظاہری سے نہیں کھل سکیں گے، جب تک علوم صوفیہ کی طرف رجوع نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ ہر مردے وہر کارے، یہ کام صوفیہ ہی کا ہے،

اس بحث سے ایک عقدہ یہ کھلا کہ کلام الٰہی قدیم اور تجلی ذات باری قدیم، مگر حادث درخت میں ظاہر ہوئی اور سنائی دی۔ اسی طرح قرآن کریم کلام قدیم ہے۔ غیر مخلوق ہے مگر اس کا ظہور حادث مخلوق کی زبان سے ہوتا ہے۔ اسی طرح کلام باری تعالیٰ بطور کشف والہام ایک صوفی عارف کی زبان پر ظاہر ہونا بعید نہیں۔ جبھی تو عارف رومی نے فرمایا۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود | گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

حدیث کی شرح کی ابتدا میں جو شیخ انور نے سبحان اللہ کہہ کر بات ابہام میں رکھدی اس کی تفصیل میزان الاعتدال ۱:۳۰۱ پر یوں ملتی ہے۔

ولو لاهيبة الجامع الصحيح لعددته في منكرات خالد بن مخلد

اگر صحیح بخاری کی ہیبت میرے دل پر طاری نہ ہوتی تو میں اس حدیث کو خالد بن مخلد کی منکرات میں شمار کرتا

حافظ العصر علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں اس قول کو بڑی خوبی سے رد کیا ہے اور شیخ انور نے بات فیصلہ کن کہہ دی کہ ہر فن کی بات صاحب فن کے سپرد کرنی چاہئے۔ وہی اس پر فیصلہ کن رائے دینے کا اہل ہوتا ہے۔ آدمی کو جس فن سے واقفیت نہ ہو اپنا بھرم رکھنے کے لئے خواہ مخواہ اس پر جرح نہ شروع کردے۔

قرب فرائض اور قرب نوافل میں فرق۔

فیض الباری ۴: ۴۲۷

وههنا بحث للصوفية في فضل القرب بالنوافل

یہاں قرب فرائض اور قرب نوافل کے سلسلے میں صوفیوں کے لئے بحث ہے۔

والقرب بالفرائض فقالوا ان العبد في القرب الاول يصير جارحته لله جل مجده والله سبحانه نفسه يكون جارحة لعبده في القرب الثاني

صوفیہ نے فرمایا کہ قرب فرائض میں بندہ اعضائے خدا تعالیٰ بنتا ہے اور قرب نوافل میں خدا تعالیٰ اعضائے بندہ بن جاتا ہے۔

جب بندہ اپنے رب کا قرب اس درجہ کا حاصل کرلیتا ہے تو رب کی طرف سے یہ اعلان کوئی انوکھا نہیں معلوم ہوتا۔

من عادى لي وليا.........الخ

وان قال من عادى لي ولم يقل وليا لي تضخيما لشان العداوة لان في الاول ايذانا بان عداوة ولي كانها عداوة الله تعالىٰ بخلاف الثاني

حضور اکرم ﷺ نے عادى لي وليا فرمایا ولیا لی نہیں فرمایا اس سے دشمنی کی شان ظاہر کرنا مقصود تھا۔ کیونکہ پہلی صورت میں حقیقتاً دشمنی خدا سے ہے ولی سے نہیں۔ دوسری صورت میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔

علامہ سیوطی نے اس حدیث کی تفصیل کی غرض سے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے القول الجلی فی حدیث الولی۔ یہ رسالہ ہمارے کتب خانے میں موجود ہے۔ اور الحاوی للفتاوی میں علامہ نے اس حدیث کو مختلف الفاظ کے ساتھ مختلف راویوں سے نقل کیا ہے مثلاً:۔

(۱). عن انس بن مالک عن النبي ﷺ عن جبرائيل عن الله يقول عز و جل من اهان لي وليا فقد بارزني بالمحاربة واني لا غضب لا وليائي كما يغضب الليث المرد و ما تقرب الي عبدي .... الخ

(۲). عن عائشة رضي الله عنها قالت قال رسول الله ﷺ من اذى لي وليا فقد استحل محاربتي وما تقرب الي عبدي بمثل الفرائض.

(۳). عن ميمونة ام المومنين ان رسول الله ﷺ قال قال الله عز و جل من اذى لي وليا فقد استحل محاربتي و ما تقرب الي عبدي بمثل اداء الفرائض.... الخ

(۴). عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ يقول الله تعالىٰ من عادى لي وليا فقد نا صبني بالمحاربة .... الخ

(۵). عن ابي امامة عن رسول الله ﷺ قال ان الله تعالىٰ يقول من اهان لي وليا فقد بارزني بالعداوة ابن ادم لم تدرك ما عندي الا باداء ما افترضت عليک ولا يزال

عبدی یتحبب الیّ بالنوافل حتیٰ احبه فاکون سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصر به ولسانه الذی ینطق به وقلبه الذی یعقل به فاذا دعانی احبته وان سألنی اعطیته وان استنصرنی نصرته

ان احادیث سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ حضور اکرم ﷺ نے امت کو تعلیم فرمائی ہے کہ اولیاء اللہ سے محبت پیدا کریں اور ان سے دشمنی رکھنے کی جرات نہ کریں۔ چنانچہ آخری حدیث کے متعلق ابن جوزی لکھتے ہیں:۔

فائدته تفهيمنا لتحقق المحبة للولی

ولی اللہ کی محبت اپنے دل میں ثابت کرنے کے لئے ہمیں سمجھایا گیا ہے، پھر حدیث میں حضور ﷺ کی یہ دعا ملتی ہے، اسالک حبک وحب من یحبک یعنی اے خدا میں تجھ سے تیری محبت کا سوال کرتا ہوں اور اس کی محبت کا جو تجھے دوست رکھتا ہے، علامہ شوکانی نے تحفۃ الذاکرین میں صفحہ نمبر ۳۳۱ پر اس حدیث کی شرح میں فرمایا۔

وقد ورد فی السنة ذکر الاسباب التی یتسبب بها العباد الی محبة الله سبحانه وسأله حب من یحبه فانه لا یحب الله عز و جل المخلص من عباده فهم طاعة من الطاعات وقربة من القرب.

اور حدیث میں ان اسباب کا ذکر ہے جن کو خدا کے بندے محبت الٰہی کا ذریعہ بناتے ہیں اور حضور اکرم ﷺ نے ان لوگوں کی محبت کا سوال کیا، جو اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں اور یہ ایک حقیقت ہے، کہ صرف مخلص بندے ہی خدا سے محبت رکھتے ہیں، پس ان کی محبت اطاعتوں میں ایک اطاعت ہے اور قرب الٰہی کی ایک صورت ہے۔

ان روایات میں دو امور کی تلقین اور تاکید کی گئی ہے، ایک کا تعلق پرہیز یا اجتناب سے ہے، اور وہ ہے اولیاء اللہ کی دشمنی۔ اس سے اتنا ڈرایا گیا ہے کہ اولیاء اللہ کی دشمنی حقیقت میں اللہ سے دشمنی ہے۔ دوسرے کا تعلق ایک کام کرنے کی تاکید سے ہے اور وہ ہے اولیاء اللہ سے محبت کرنا، اور اسے طاعت اور ذریعہ قرب قرار دیا گیا ہے۔ وجہ ظاہر ہے کہ اللہ والوں سے محبت اس لئے کی جاتی ہے کہ وہ اللہ سے محبت کا سلیقہ سکھاتے ہیں۔ ان حضرات کے پاس ایک ہی مجرب نسخہ ہے کہ وہ بندے کو اللہ کا ذکر کرنے کا سلیقہ سکھاتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ان کی صحبت میں رہ کر جب ذکر کیا جاتا ہے تو لازماً اللہ کی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ بخاری اور مسلم میں اس اجتماعی ذکر کے فوائد اور نتائج کی نشاندہی کی گئی ہے۔

لا یقعد قوم یذکرون الله الا حفتهم الملائکة و غشیتهم الرحمة ونزلت علیهم السکینة وذکرهم الله فیمن عنده. هم القوم لا یشقی جلیسهم.

جب کچھ لوگ مل کر ذکر کے لئے بیٹھتے ہیں تو ملائکہ انہیں ڈھانپ لیتے ہیں اور رحمت ان پر چھا جاتی ہے۔ اور ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ملائکہ میں ان کا ذکر کرتا ہے۔ وہ ایسی جماعت ہے کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بد بخت نہیں رہ سکتا۔

اس حدیثِ صحیح سے ذکرِ الٰہی اور اولیاء اللہ کی صحبت کا اثر واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ان کی صرف صحبت سے ہی اتنا فائدہ ہوتا ہے کہ انسان بد بخت ہو کر نہیں مرتا۔

فیض الباری شرح بخاری میں حضرت انور شاہ صاحبؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔

الا حفتهم الملائکة باجنحتهم وفی الحدیث انهم یحیطون بهم کالهالة بالقمر علی شاکلة الدائرة واعلم ان ذکر الله یحدث دائرة حول الذاکر کما انک تقذف حجرا فی الماء فتر الامواج تتلاطم من حوله تمتد بقدر قوة الرامی وضعفها فکما ان الماء یتحرک مدی الحرکة وکذالک حال الاشیاء التی تشملها دائرة الذکر فانها تصیر ذاکرة ونقل عن الشعرانی انه جلس مرة یذکر الله فرای ما من شیء حوله الا جعل یذکر الله حتیٰ ولم یبق شیء الا کان یساعده فی الذکر وهو معنی قول النبی ﷺ هو القوم لا یشقیٰ

ملائکہ اپنے پروں سے ان پر سایہ کر لیتے ہیں، اور حدیث میں ہے کہ ملائکہ ان کا یوں احاطہ کر لیتے ہیں، جیسے چاند کے گرد ہالہ، اور جان لو کہ اللہ کا ذکر، ذاکرین کے گرد دائرہ کی طرح پھیل جاتا ہے، جیسے تو پانی میں پتھر پھینکے، تو دیکھتا ہے کہ لہریں اردگرد موجیں مارنے لگتی ہیں، اور لہروں کا پھیلاؤ پتھر پھینکنے والے کی قوت کے تناسب ہوگا جس طرح پتھر پھینکنے سے پانی متحرک ہوتا ہے تو وہ حرکت پانی دور تک پہنچ جاتی ہے اسی طرح جو چیزیں دائرہ ذکر میں آتی ہیں وہ سب متاثر ہوتی ہیں اور ذاکر بن جاتی ہیں، امام شعرانی سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ ایک

صبح ہوئی تو دیکھا کہ ان کے ذکر کا اثر پوری زمین میں پھیل چکا ہے اور ہر چیز ذکر میں ان کی موافقت کر رہی ہے۔ حضور ﷺ کے فرمان کہ یہ وہ جماعت ہے کہ جس میں

جليسهم فانه بجلوسه بين الذاكرين صار مشمولا بالذكر والذاكرين فكان حمهم والسر فيه ان ذكر الله حياة فلا يبلغ شيئا الا يحدث فيه حياة وحينئذ تتسع دائرة الذكر بقدر اتساع صوت الذاكر حتىٰ تصير الاشياء كلها حول الذاكر احياء ذاكرين وان كنت قد ذقت حلاوة ما القينا عليك تنبهت مع تسبيح الجبال والطير مع داود عليه السلام لم يكن يذكر ويسبح ربه كما اخبر به القرآن الا جعل ما حوله من الجبال والطير يسبح معه لدخوله فى حلقة ذكره واذ كان نبيا من الانبياء عليهم السلام كان ذكره ايضا بقدر مرتبته فكانت الا شيئا تتاثر منه مالا تتاثر بذكر احد.

بیٹھنے والا بد بخت نہیں رہ سکتا کا مطلب بھی ہے۔ کیونکہ ذاکرین میں بیٹھنا ان میں شامل ہو جاتا ہے اس میں راز یہ ہے کہ اللہ کا ذکر زندگی ہے۔ جس چیز تک یہ پہنچتا ہے اسے زندہ کر دیتا ہے، اور ذاکر کی آواز کے مطابق یہ دائرہ وسیع ہوتا رہتا ہے حتیٰ کہ سارا ماحول زندہ ہو جاتا اور ذاکر بن جاتا ہے اگر تجھے اس حقیقت کا احساس ہو جائے تو داؤد علیہ السلام کے ساتھ جبال و طیور کی تسبیح کا راز معلوم ہو جائے کہ آپ ﷺ جب ذکر کرتے تو ماحول ذاکر بن جاتا، جیسا کہ قرآن حکیم بتاتا ہے کیونکہ یہ چیزیں ان کے حلقہ ذکر میں داخل ہو جاتی تھیں، اور چونکہ آپ نبی تھے، اس لئے ان کے ذکر کی قوت بھی ان کے منصب کے مناسب تھی۔ تمام اشیاء ان کے ذکر سے متاثر ہوتی تھیں، جو دوسروں کی شان سے بلند ہے۔

شجر و حجر اور جبال و طیور کے ذکر کرنے کا ثبوت واضح طور پر حدیث میں موجود ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ باب الحج، ترمذی باب الحج اور بخاری شریف باب الاذان میں ہے۔

عن سهل بن سعد مرفوعا ما من مسلم يلبى الا لبى عن يمينه وشماله من حجر او شجر او مدر حتى تنقطع الارض من ههنا وههنا وفى البخارى عن ابى سعيد الخدرى فى الاذان ايضا قال قال رسول الله لا يسمع مدى صوت المؤذن جن والانس ولا شيء الا شهد له يوم القيامة.

حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو مسلمان تلبیہ کرتا ہے تو اس کے دائیں بائیں کے تمام پتھر درخت، ڈھیلے تک تلبیہ کہتے ہیں۔ حتیٰ کہ مشرق سے مغرب تک تمام تلبیہ کہتے ہیں، اور بخاری میں اذان کے سلسلے میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جنوں اور انسانوں اور دوسری مخلوق میں سے جو بھی اذان کی آواز سنتا ہے، وہ موذن کے حق میں قیامت کے دن گواہی دے گا۔

شرح حدیث سے واضح ہوا کہ شیخ کی توجہ کے اثرات سارے ماحول میں پھیل جاتے ہیں، حلقہ ذکر کے دوران شاگردوں کا شیخ کے قریب یا دور بیٹھنے میں کوئی فرق نہیں پڑتا، جیسا کہ آپ نے دیکھ لیا کہ ذاکر جب ذکر میں بیٹھتا ہے تو اثر ذکر سے سارا ماحول زندہ ہو جاتا ہے اور تمام چیزیں ذاکر بن جاتی ہیں۔

اس حدیث سے ضمناً ایک اور فائدہ بھی اٹھاتے جائیں جو لوگ سماع موتی کے منکر ہیں وہ ذرا آنکھیں کھولیں اور اس پر غور کریں کہ جب مٹی شجر حجر غرض تمام چیزیں تلبیہ اور اذان کی آواز سنتی ہیں تو وفات کے بعد آدمی کے ریزہ ریزہ اور مٹی ہو جانے سے کیا فرق پڑتا ہے، جب مٹی سنتی ہے تو جس آدمی کا جسم مٹی ہو گیا وہ کیوں نہ سنے گا؟ ہاں اس میں اختلاف ہے کہ جب میت کے اجزاء بکھر گئے، مٹی میں مل گئے یا پانی میں گھل گئے یا ہوا میں اڑ گئے تو اس وقت اجزاء نے جو صورت اختیار کی، اسی کی خصوصیت کے مطابق ذکر و تسبیح کرے گا، یا میت کے اجزا کی ہی مناسبت سے ذکر کرے گا، اس اختلاف کے باوجود اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جب مٹی، پتھر، شجر، حجر میں فہم و ادراک موجود ہے تو میت مٹی بن کر بھی شعور و ادراک اور فہم سے محروم نہیں رہ سکتا، ورنہ غیر ذی شعور اور غیر ذی فہم سے ذکر و تسبیح کرنے کا تصور ہی نہیں ہو سکتا۔

گزشتہ صفحات میں جو روایات اور ان کی شرح بیان ہوتی ہے اس سے مندرجہ ذیل باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

(۱) اولیاء اللہ کی محبت، اللہ تعالیٰ کی محبت کا ایک مجرب ذریعہ ہے۔

(۲) اولیاء اللہ کے پاس کامیاب نسخہ ذکر الٰہی کی تلقین اور اس کا سلیقہ سکھانا ہے۔

(۳) ذکر الٰہی کی کثرت اور اولیاء اللہ کی صحبت سے انسان کے دل میں اللہ کی محبت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ کبھی بد بخت ہو کے نہیں مرتا۔

(۴) اولیاء اللہ سے دشمنی خدا سے دشمنی ہے، حضرت تھانویؒ نے ایک روز فرمایا تھا۔ ’’اولیاء اللہ سے دشمنی کفر تو نہیں مگر توہین کرنے والے مرتے کفر پر ہی ہیں۔

(۵) فرائض راس المال ہیں، ترقی ہمیشہ نوافل سے ہوتی ہے۔ مگر جس کے فرائض پورے نہیں اس کے نوافل کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

(۶) ان احادیث سے فنا فی اللہ اور بقا باللہ کا ثبوت بھی ملتا ہے۔

(۷) منکرین کشف والہام کو سوچنا چاہیئے کہ کیا امت محمدیہ شجر موسوی سے بھی گئی گزری ہے؟

(۸) اس حدیث سے اجتماعی حلقہ ذکر کا ثبوت بھی مل گیا۔

(۹) ذاکرین صوفیہ محل نزول انوار و تجلیات باری ہے۔

****

(۴) مبحثِ قلب

موضوع تصوف اصلاح باطن ہے، اور اس کا مدار اصلاح قلب پر ہے، اس لئے اب ہم اس موضوع پر ذرا تفصیل سے گفتگو کریں گے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ فِی الْجَسَدِ لَمُضْغَةً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اَلَا وَهِیَ الْقَلْبُ

''حضور ﷺ نے فرمایا جسم انسانی میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ اگر وہ ٹھیک ہو گیا تو سارا جسم درست ہوگیا، اور اگر وہ بگڑا تو سارا جسم بگڑا، سنو! وہ قلب ہے۔''

اس حدیث میں بیان تو مضغہ لحم صنوبری کا ہوا ہے، مگر حکم اس لطیفہ کا ہے، جس کو اس مضغہ سے گہرا تعلق اور اتصال ہے، اسی وجہ سے بیان مضغہ کا کر دیا گیا۔ حدیث میں درستی قلب کو درستی بدن کا سبب بتایا گیا ہے اور یہ درستی قلب بغیر فناء بقاء محال ہے۔ (ان اصطلاحات کی تشریح مقامات سلوک کے باب میں ملاحظہ ہو۔ ۱۲) اس درجہ میں سالک فنائیت قلبی کے بعد واصل باللہ ہوتا ہے، اس سے پہلے ایمان کے متزلزل ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ صوفیاء کرام میں مشہور مقولہ ہے:

''اَلْفَانِیْ لَا يُرَدُّ وَالْوَاصِلُ لَا يَرْجِعُ''

اس کی تصدیق بخاری کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں ابو سفیان اور ہرقل روم کا مکالمہ درج ہے۔

وَسَاَلْتُكَ هَلْ يَرْتَدُّ اَحَدٌ'' مِّنْهُمْ عَنْ دِيْنِهٖ بَعْدَ اَنْ يَّدْخُلَ فِيْهِ سُخْطَةً فَزَعَمْتَ لَا. وَكَذٰلِكَ الْاِيْمَانُ اِذَا خَالَطَهٗ بَشَاشَةُ الْقَلْبِ

میں نے تجھ سے سوال کیا تھا کہ کیا لوگ اس کا دین قبول کر لینے کے بعد اسے برا سمجھ کر ترک بھی کر دیتے ہیں، تو تم نے جواب دیا کہ ''نہیں'' اور ایمان کی بھی یہی حالت ہے جب اس کی تازگی قلب میں جم جاتی ہے (تو پھر دور نہیں ہوتی)

فنا فی اللہ، بقا باللہ کے مقامات پر فائز ہونے کے بعد ایمان دل میں جم جاتا ہے اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے ایک اور صورت میں بیان فرمایا ہے:۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ (الحجرات)

لیکن اللہ تعالیٰ نے تم کو ایمان کی محبت دی اور اس کو تمہارے دلوں میں مرغوب کر دیا۔

اس کی تفصیل یہ ہے۔ اصل مکلف قلب ہے، مخاطب قلب ہے، عالم متکلم، فاہم قلب ہے سمع و بصر رکھنے والا قلب ہے، ماخوذ قلب ہے، باقی بدن سے اس کا تعلق صرف تدبر و تصرف کا ہے، آنکھیں اور کان قلب کے جاسوس ہیں، زبان قلب کی ترجمان ہے، اصل انسان اور بدن کا بادشاہ قلب ہے۔

اصل مکلف قلب ہے

تکلیف مشروط ہے عقل اور فہم سے اور ان دونوں کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔

كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى حَاكِيًا عَنْ اَهْلِ النَّارِ. وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِیْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ. مَعْلُوْمَةٌ اَنَّ الْعَقْلَ فِی الْقَلْبِ وَلِاَنَّ التَّكْلِيْفَ مَشْرُوْطٌ'' بِالْعَقْلِ وَالْفَهْمِ وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا. وَقَرَنَ تَعَالٰى بِذِكْرِ السَّمْعِ وَالْبَصَرِ لِاَنَّهُمَا الْاٰلَتَانِ لِلْقَلْبِ فِیْ تَادِيَةِ صُوَرِ الْمَحْسُوْسَاتِ وَالْمَسْمُوْعَاتِ. (تفسیر کبیر: ۳۹۰)

اللہ تعالیٰ نے دوزخیوں کا قول نقل فرمایا کہ کہیں گے کہ اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو دوزخ میں نہ ہوتے۔ معلوم ہوا کہ عقل قلب میں ہے اور مدار تکلیف کا عقل اور فہم پر ہے اور فرمایا، کان، آنکھ اور دل، ہر شخص سے ان سب کی پوچھ ہوگی اور سمع و بصر کو قلب سے جوڑ دیا ہے کہ یہ دونوں دیکھی اور سنی ہوئی چیزوں کو پہنچانے کے لئے آلہ کا حکم رکھتے ہیں۔

عقل کا مقام قلب ہے

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَا (الحج) '' ان کے دل ہوتے کہ ان سے سمجھنے لگتے

محل تقویٰ قلب ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى (الحجرات) وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالیٰ نے تقوے کے لئے خالص کر دیا ہے۔

مخاطب اور محل وحی قلب ہے

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ. (الشعراء)

اور یہ قرآن رب العالمین کا بھیجا ہوا ہے، اس کو امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے آپ کے قلب پر تا کہ آپ منجملہ ڈرانے والوں کے ہوں۔

فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ وَثَبَتَ اَنَّ الْقَلْبَ هُوَ الْمُخَاطِبُ فِی

اس قرآن کو آپ کے قلب پر اتارا۔ پس ثابت ہوا کہ حقیقت میں مخاطب

الْحَقِیْقَۃِ لِاَنَّہٗ مَوْضِعُ التَّمْیِیْزِ وَالْاِخْتِیَارِ وَاَمَّا سَائِرُ الْاَعْضَاءِ مُسَخَّرَۃٌ لَہٗ.
قلب ہے، کیونکہ یہی مقام تمیز و اختیار کا ہے، اور باقی اعضاء اس کے ماتحت ہیں۔

اِنَّ فِیْ ذَالِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ" (ق)
تحقیق اس میں اس شخص کے لئے بڑی نصیحت ہے جس کے پاس قلب ہو۔

جزا و سزا کا تعلق اعمال قلب سے ہے۔

وَلٰکِنْ یُؤَاخِذُکُمْ بِمَا کَسَبَتْ قُلُوْبُکُمْ (البقرہ)
لیکن مواخذہ فرمائیں گے اس چیز پر جو تمہارے دلوں نے کمائی ہے۔

علم و فہم کی ضد کی نسبت قلب کی طرف ہے۔

(۱) خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ. (بقرہ) اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔

(۲) وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ" (بقرہ) اور انہوں نے کہا کہ ہمارے قلوب محفوظ ہیں۔

(۳) بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ (التطفیف) بلکہ ان کے دلوں پر زنگ بیٹھ گیا ہے۔

(۴) لَہُمْ قُلُوْبٌ" لَا یَفْقَہُوْنَ بِہَا (الاعراف) ان کے دل ایسے ہیں جن سے سمجھتے نہیں۔

وَثَبَتَ اَنَّ مَوْضِعَ الْجَہْلِ وَالْغَفْلَۃِ ھُوَ الْقَلْبُ
اور ثابت ہو گیا کہ جہالت اور غفلت کا محل قلب ہے۔

فائدہ۔ ان آیات قرآنی سے ثابت ہوا کہ امین وحی و نبوت، امین اسرار الٰہی اور شریعت اور خزانہ اسرار غیبیہ قلب ہے۔ یہ وہ خزانہ ہے جس پر عقل کا راہزن ڈاکہ نہیں ڈال سکتا، قلب ہی تجلیات باری، ولایت اولیاء اللہ اور کشف و الہام کا خزانہ ہے۔

ہر انسان کے سینے میں ایک ہی دل ہے، اور وہی محل تجلیات باری کے لئے مخصوص ہے، اس لئے باری تعالیٰ اس میں غیر کا قبضہ پسند نہیں فرماتا، جب قلب تجلیات باری کا مسکن بن جاتا ہے تو تمام رذائل ذلیل ہو کر چلے جاتے ہیں۔
اِنَّ الْمُلُوْکَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَۃً اَفْسَدُوْھَا وَجَعَلُوْا اَعِزَّۃَ اَھْلِھَا اَذِلَّۃً.

چنانچہ جب قلب کی پورے طور پر اصلاح ہو جاتی ہے تو غیر اللہ کا اس میں گزر نہیں ہوتا اور ولی اللہ کہہ اٹھتا ہے "اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ۔ معاصی کی وجہ سے قلب اندھا اور بہرہ ہو جاتا ہے مگر معالج روحانی کے علاج سے یہ امراض دور ہو جاتے ہیں، وہ قلب سقیم، قلب سلیم بن جاتا ہے، اور اخروی فلاح کیلئے راس المال بن جاتا ہے۔

یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ" وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ.
اس روز نہ مال کام آئے گا نہ اولاد، ہاں مگر اللہ کے پاس جو شخص پاک دل لے کر آئے (اس کیلئے مفید ثابت ہوگا)

قلب سلیم

قلب کے سلیم ہونے کیلئے دو شرائط ہیں، اول: صحت از امراض۔ قرآن مجید نے قلب کے امراض کفر، شرک، شک اور خواہشات نفسانی کے اتباع کو قرار دیا ہے، ان امراض سے صحت حاصل کرنیکا واحد ذریعہ یہ ہے کہ کسی معالج روحانی سے علاج کرایا جائے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ قلب کو غذائے صالح بہم پہنچائی جائے، جس طرح غذائے صالحہ سے جسم انسانی صحت مند اور قوی ہو جاتا ہے، اسی طرح قلب کی صحت اور قوت کے لئے بھی غذائے صالح درکار ہے، مگر قلب کی غذا جسم کی غذا سے مختلف ہے، قلب کے لئے غذائے صالح کی نشان دہی یوں کی گئی ہے:۔ قال اللہ تعالیٰ:
اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ سنو ذکر الٰہی سے ہی قلوب مطمئن ہوتے ہیں۔

علاج قلب اور غذائے قلب، عارفین کاملین کے بغیر کہیں سے نہیں ملتی۔

****

(۵) بحثِ روح

پہلے یہ جان لینا چاہیے کہ یہاں روح کی تعریف بالوجہ ہوگی نہ کہ بالکنہ۔ کیونکہ روح کی حقیقت کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا. تعریف روح میں اختلاف ہے، اہل السنّت والجماعت کے مذہب کے مطابق اس کی تعریف یہ ہے:

روح کی تعریف:

وَدَلَّ عَلَیْہِ الْکِتَابُ وَالسُّنَّۃُ وَاِجْمَاعُ الصَّحَابَۃِ وَاَدِلَّۃُ الْعَقْلِ اِنَّھَا جِسْمٌ "مُخَالِفٌ" بِالْمَاھِیَّۃِ لِھٰذَا الْجِسْمِ الْمَحْسُوْسِ وَھُوَ جِسْمٌ "نُوْرَانِیٌّ" عُلْوِیٌّ خَفِیْفٌ" حَیٌّ" مُتَحَرِّکٌ" یَنْفُذُ فِیْ جَوْھَرِ الْاَعْضَاءِ وَیَسْرِیْ فِیْھَا سَرَیَانَ الْمَاءِ فِی الْوَرْدِ وَسَرَیَانَ الدُّھْنِ فِی الزَّیْتُوْنِ وَالنَّارِ فِی الْفَحْمِ (کتاب الروح. ابن قیم: ۲۲۰)

کتاب وسنت، اجماع صحابہؓ اور عقلی دلائل دال ہیں کہ روح ایک جسم ہے، جو اپنی ماہیت کے لحاظ سے اس محسوس جسم عنصری کے مخالف ہے وہ جسم نورانی علوی ہلکا، زندہ اور متحرک ہے جو تمام اعضاء بدن میں نفوذ کر جاتا ہے۔ بدن میں اس کا سریان ایسا ہے، جیسے گلاب کے پھول میں پانی، زیتون میں روغن اور کوئلہ میں آگ کا سریان ہوتا ہے۔

روح جسم لطیف ہے۔

روح کا جسم لطیف ہونا اور اس جسم عنصری کا مخالف ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے:

فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ. (الحجر) پس جب میں بدن آدم کو پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی روح پھونکوں۔

پس معلوم ہوا کہ تسویہء بدن کے بعد نفخ روح ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ بدن اور روح دو مختلف چیزیں ہیں۔ پھر یہ کہ بدن میں روح کا نفخ کیا اور نفخ جسم کا ہوتا ہے۔ اس سے روح کا جسم لطیف ہونا ثابت ہوا جیسا کہ ایک اور آیت ثُمَّ اَنْشَاْنٰہُ خَلْقًا اٰخَرَ میں اس پر مزید روشنی ڈالی گئی ہے کہ پہلے جسم انسانی وجود میں آیا۔ جس کی تفصیل منی، خون، گوشت، ہڈی اور ہڈی پر گوشت چڑھانے کے مدارج سے کی۔ اس کے بعد ایک دوسری طرح کی مخلوق بنادیا۔ یعنی اس میں روح پھونکی اور وہ تمام اجزائے بدن میں سریان کرگئی، اس سے روح کا جسم سے الگ ایک مستقل حقیقت ہونا ثابت ہوا اور یہ کہ وہ ایک جسم لطیف رکھتی ہے، جو اس جسم کثیف میں سرایت کئے ہوئے ہے۔

روح جوہر فرد نہیں۔

حدیث میں موت کے وقت روح کی کیفیت یوں بیان ہوئی کہ فَتَفَرَّقَ فِیْ جَسَدِہٖ کہ میت کے بدن میں متفرق ہوجاتی ہے۔ اس سے روح کا جوہر فرد ہونا باطل ہوا۔ بہر حال روح کوئی جسم لطیف ہے مگر اس کی حقیقت سوال کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے نہیں بتائی حالانکہ ملائکہ جنوں اور انسانوں کی پیدائش بغیر پوچھے بتادی اور روح کے متعلق سوال کرنے پر بھی صرف اتنا بتایا کہ:

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ. کہہ دو کہ روح تو میرے رب کے امر سے ہے

اگر اس کی پیدائش کسی مادہ مثلاً پانی، ہوا، آگ، مٹی یا نور سے ہوتی تو اس کا ذکر کیا جاتا معلوم ہوا کہ یہ نور سے بھی زیادہ لطیف ہے۔

کَمَا قَالَ سُھَیْلِیٌّ وَالْاَرْوَاحُ خُلِقَتْ بِمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَھُوَ النَّفْخُ الْمُتَقَدِّمُ الْمُضَافُ اِلَی الْمَلَکِ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ مِنْ نُوْرٍ کَمَا جَاءَ فِیْ حَدِیْثِ الْمُسْلِمِ فَھُوَ (اَیْ رُوْحٌ") اَیْضًا جِسْمٌ" وَلٰکِنَّہٗ مِنْ جِنْسِ الرِّیْحِ وَلِذٰلِکَ مُسَمّٰی رُوْحًا مِنْ لَفْظِ الرِّیْحِ وَنَفْخُ الْمَلِکِ فِیْ مَعْنَی الرِّیْحِ غَیْرَ اَنَّہٗ ضُمَّ اَوَّلُہٗ وَھِیَ مِنْ ذَوَاتِ الْوَاوِ لِھٰذَا تَجْمَعُ عَلَی الْاَرْوَاحِ اَیْ ضُمَّ اَوَّلُہٗ لِاَنَّہٗ نُوْرَانِیٌّ" وَالرِّیْحُ ھُوَ الْمُتَحَرِّکُ (روض الانف ۱: ۱۹۸)

ابوالقاسم سہیلی نے کہا کہ روح کی پیدائش اس چیز سے ہے جو اللہ نے فرمائی ہے اور وہ نفخ ہے جو مضاف فرشتہ کی طرف ہے اور فرشتوں کی پیدائش نور سے ہے، جیسا کہ حدیث مسلم میں ہے، اور وہ روح بھی جسم ہے مگر ریح یعنی ہوا کی جنس سے ہے اس وجہ سے اس کو روح سے موسوم کرتے ہیں جو ریح سے مشتق ہے۔ نفخ ملک ریح کے معنی میں ہے سوائے اس کے کہ اس کا اول مضموم ہے اور لفظ روح صاحب "واؤ" ہے، اس وجہ سے اس کی جمع ارواح آتی ہے۔ روح کی "ر" پر ضمہ ہے کہ وہ جسم نورانی ہے اور ہوا تو جسم متحرک ہے

فائدہ: معلوم ہوا کہ ملائکہ کے نفخ سے روح کی پیدائش ہوئی اور ملائکہ نور سے ہیں۔ اس لئے روح ملائکہ سے زیادہ لطیف ہوئی جیسے انسان جسم عنصری ہے، انسان کا سانس اس کے جسم سے زیادہ لطیف ہے۔ اسی طرح ملائکہ کا سانس ان کے جسم سے زیادہ لطیف ہوا۔

روح لامکانی ہے۔

امام رازی نے روح کی تعریف میں جو بیان فرمایا ہے وہی اہل حق کا مذہب

فَاعْلَمْ اَنَّ الْقَائِلِیْنَ فِیْ اَثْبَاتِ النَّفْسِ فَرِیْقَانِ اَلْاَوَّلُ مِنْھُمْ وَھُمُ الْمُحَقِّقُوْنَ مِنْھُمْ مَنْ قَالَ الْاِنْسَانُ غَیْرُ مَوْجُوْدٍ فِیْ دَاخِلِ الْعَالَمِ وَلَا فِیْ خَارِجِہٖ وَغَیْرُ مُتَّصِلٍ وَلَا مُنْفَصِلٍ عَنْہُ لٰکِنَّہٗ بِالْبَدَنِ تَعَلُّقِ التَّدْبِیْرِ وَالتَّصَرُّفِ. (تفسیر کبیر: ۵: ۴۴ و تاسیس التقدیس)

خوب جان لیں کہ روح کے اثبات کے قائلین کے دو فریق ہیں۔ اول جو محققین ہیں، ان میں سے بعض کا قول ہے کہ روح نہ عالم میں داخل ہے نہ خارج، نہ داخل میں متصل ہے نہ خارج میں، نہ متصل ہے نہ اس سے متصل لیکن انسانی بدن سے اس کا تعلق تدبیر و تصرف کا ہے۔

معلوم ہوا کہ روح ایک جوہر مجرد ہے، بہت لطیف ہے، لامکانی ہے (لامکانی روح کے لئے مجازاً بولا گیا ہے) اس کے لئے مکان نہیں۔ مکان مادیات کے لئے ہوتا ہے، نہ مجردات کے لئے، یہ بدن سے پہلے بھی موجود تھا اور اس کے بعد بھی موجود رہتا ہے، سنتا ہے، دیکھتا ہے، کلام کرتا ہے، اس کی لامکانی کیفیت حدیث میں لفظ "عماء" سے بیان کی گئی ہے، جب رسول کریم ﷺ سے سوال کیا گیا این کان ربنا تو آپ ﷺ نے فرمایا فی عماء مکان ذات باری کے لئے حقی ہے

سوال: متکلمین کے نزدیک "تجرد" اخص صفات باری تعالیٰ سے ہے، اگر یہ صفت روح کے لئے تسلیم کرلی جائے تو شرک فی الذات لازم آئے گا۔

الجواب: اخص صفات باری تعالیٰ سے وجوب اور قدم مطلق ہے، نہ وہ تجرد جو مسبوق بالعدم ہو اور ممکن اور حادث بھی ہو۔ امام رازیؒ نے خوب جواب دیا ہے۔

وَاعْلَمْ اَنَّ الْجَمَاعَةَ مِنَ الْجُهَّالِ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُ لَمَّا كَانَ الرُّوْحُ مَوْجُوْدًا لَيْسَ بِمُتَحَيِّزٍ وَجَبَ اَنْ يَكُوْنَ مِثْلاً لِلّٰهِ وَ ذٰلِكَ جَهْلٌ فَاحِشٌ وَّ غَلَطٌ قَبِيْحٌ وَ تَحْقِيْقُهُ مَا ذَكَرْنَا اَنَّ الْمُسَاوَاةَ فِي اَنَّهُ لَيْسَ بِمُتَحَيِّزٍ وَلَا حَالٍّ فِي الْمُتَحَيِّزِ مُسَاوَاةٌ فِي صِفَةٍ سَلْبِيَّةٍ لَا تُوْجِبُ الْمُمَاثَلَةَ
(تفسیر کبیر ۵: ۴۴۵)

خوب جان لیں کہ جہاں کی ایک جماعت گمان کرتی ہے کہ جب روح موجود ہے کسی چیز میں متحیز نہیں ہے، اور نہ متحیز میں حال ہے تو اس سے لازم آئے گا کہ خدا کی مثیل ہو۔ یہ کہنا صریح جہالت اور بدترین غلطی ہے۔ حقیقت یہ ہے جو ہم نے بیان کی ہے کہ وہ ''غیر متحیز اور نہ متحیز میں حال ہے''۔ یہ اوصاف سلبیہ میں مساوات ہے جس سے مماثلت لازم نہیں آتی

فائدہ:

(۱) ثابت ہوا کہ باری تعالیٰ کے اوصاف سلبیہ اور اضافیہ میں غیر کا شریک ہونا شرک نہ ہوگا۔

(۲) لامکان کی حقیقت سمجھنے کے لئے عقل اندھی ہے، حدیث کا لفظ ''عماء'' اس پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ لفظ ''عماء'' عدم بینائی پر بولا جاتا ہے۔

ارشاد ربانی ہے ''اَلرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ''۔ یعنی روح عالم امر کی چیز ہے۔ جب عقل انسانی عالم امر کی حقیقت کا ادراک کرنے سے قاصر ہے تو عالم امر کی چیزوں کا ادراک کیونکر کرسکتی ہے اس لئے علوم عقلی یا علوم ظاہری سے روح کی معرفت بالکل محال ہے۔ درحقیقت روح کی معرفت کا تعلق دلائل ذوقیہ، نور بصیرت یعنی کشف سے ہے اور جب دلائل ظاہریہ، ذوق اور کشف کی تائید کردیں تو نور علیٰ نور ہے۔

جہاں تک ذوق اور کشف کا تعلق ہے اس بارے میں صرف محققین اصحاب کشف اور ارباب ذوق کا فیصلہ ہی حجت قرار دیا جاسکتا ہے اور دیا جانا چاہیے۔ اور محققین صوفیہ کاملین اصحاب کشف کا فیصلہ یہ ہے کہ روح مادی، نورانی اور لطیف چیز ہے اور جہاں ہم نے یہ کہا ہے کہ جو ہر مجرد ہے اس میں جوہر سے مراد یہ ہے کہ عرض نہیں اور مجرد سے مراد یہ ہے کہ کثیف نہیں۔ بلکہ جسم لطیف نورانی ہے اور اس کی شکل اس جسم کی شکل کے عین مطابق ہوتی ہے جس بدن کا وہ روح ہے۔ قد و قامت اور ہیئت میں ہو بہو اس جسم کے مطابق ہوتی ہے اور جمہور علمائے اسلام بھی اسی کی تائید کرتے ہیں جیسا کہ حضرت انور شاہ صاحب نے ترمذی کی شرح ''عرف شذی'' کے ص ۱۰ پر فرمایا:

واما الروح فعند اهل الاسلام جسم لطيف على شكل كل ذي ذالك الروح واحتجوا على هذا اي على جسمية الروح بما ورد في الاحاديث كما في حديث براء ابن عاذب فينتزعها كما ينزع السفود من الصوف المبلول الى ان قال واحاديث اخر دالة على جسميه الروح ..... فانا نتمسك بنصوص الشريعة من القران والحديث.......

اور جہاں تک روح کا تعلق ہے اہل اسلام کے نزدیک وہ ایک لطیف جسم ہے اور اسی بدن کی شکل پر ہوتا ہے جس میں وہ ہو۔ روح کی اس جسمیت پر احادیث سے استدلال کیا گیا ہے جیسا کہ حدیث براء بن عاذب میں وارد ہے فرشتہ روح کو بدن سے یوں کھینچ لیتا ہے جیسا کہ سیخ گیلی اون سے کھینچی جاتی ہے۔ دوسری حدیثیں جسمیت روح پر دلالت کرتی ہیں۔ پس ہم تو شریعت کی نصوص یعنی قرآن و حدیث سے تمسک کرتے ہیں۔

والمتقدمون من علماء الاسلام يريدون بالتجرد وعدم الكثافة يظهر ذالك من تفسير الاخلاص للحافظ ابن تيميه. ثم اختلف بصوفية بعد اتفاقهم على مادية الروح.

اور متقدمین علماء اسلام نے تجرد سے مراد عدم کثافت لی ہے۔ یہ حقیقت امام ابن تیمیہ کی تفسیر سورۃ اخلاص سے ظاہر ہے۔ روح کے مادہ ہونے پر متفق ہونے کے بعد صوفیہ نے کچھ اختلاف کیا ہے۔

پھر رسالہ '' روح وما هيتها'' علامہ سیوطی ص ۶۷

قال الامام مالك وهو من المحققين قال الروح هي صورة نورانية على شاكلة الجسم تماما.

امام مالک جو محققین میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ روح نورانی جسم ہے جو مکمل طور پر اس بدن کی شکل پر ہوتا ہے جس میں وہ ہے۔

اور روح المعانی ۲۴: ۵۳

واعلم اولا ان المسلمين اختلفوا في ان الانسان ماهو؟ فقيل هو هذا الهيكل المحسوس مع اجزاء سارية فيه سريان ماء الورد في الورد والنار في الفحم وهي جسم لطيف نوراني مخالف بالحقيقة والماهية للاجسام التي منها التلف هذا الهيكل وان كان اسريانه فيه بشبهة صورة ولا نعلم حقيقة هذا الجسم وهو الروح المشار اليها بقوله تعالىٰ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ عند معظم السلف الصالح وبينه وبين البدن علاقة.

پہلے یہ سمجھو کہ مسلمانوں نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ انسان کیا چیز ہے۔ کہا گیا ہے کہ وہ ایک شکل محسوس ہے جس میں اجزا اس طرح ساری ہیں جیسے پھول میں نمی اور انگارے میں آگ اور یہ جسم لطیف نورانی ہے جو حقیقت اور ماہیت میں ان اجسام سے مختلف ہے جن سے یہ شکل محسوس مرکب ہے۔ یہ روح اس بدن میں جاری وساری ہے اور شکل وصورت میں اس کے مشابہ ہے اور اس جسم یعنی روح کی حقیقت ہم نہیں جانتے جس کی طرف قول باری تعالیٰ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ قل الروح من امر ربي اور یہ بات سلف صالحین کے نزدیک مسلم ہے روح اور بدن کے درمیان تعلق ہے

وهذا الجسم المعبر عنه بالروح على ماقال الامام القرطبي في التذكرة مما له اول ولمس له اخر

اور یہ جسم جسے روح سے تعبیر کیا گیا ہے جیسا کہ امام قرطبی نے تذکرہ میں فرمایا ہے اس کیلئے ابتدا ہے مگر اس کیلئے انتہا نہیں یعنی اس کیلئے فنا نہیں اگرچہ بدن سے جدا ہو جائے

بمعنى انه لا يفنىٰ وان اوراس ضمن میں ذکر کیا ہے کہ جو شخص یہ کہے
فارق البدن المحسوس کہ روح فانی ہے وہ ملحد ہے۔

وذكر فيها ان من قال انه
يفنىٰ فهو ملحد

ثابت ہوا کہ محققین سلف صالحین اور محققین صوفیہ کا یہی مذہب ہے۔

دوسرا قول جو مردود ہے اس کی تفصیل یہ ہے۔

حضرت انور شاہ صاحب نے عرف شذی ص ۱۱-۱۰ پر نقل کیا ہے۔ جس قول کے قائلین اصل میں فلاسفہ ہیں اور جن صوفیہ یا علماء نے اس قول کو نقل کیا ہے وہ محض فلاسفہ سے متاثر اور مرعوب ہو کر کیا ہے۔

قال جهلاء الفلاسفة ان جاہل فلاسفہ کہتے ہیں کہ روح مجرد ہے۔
الروح مجرد

او رروح المعانی ۲۳:۵۳ اور عرف شذی ص ۱۱

وذهب الى تجرد الروح القاضى زاده والحليمى والغزالى والراغب وابو زيد الدبوسى من الحنفية ومعمر من قدماء المعتزلة وجمهور متاخرى الامامية وكثير من الصوفية. وعندهم الروح جوهر مجرد وليست داخلة فى البدن ولا خارجة عنه فنسبتها اليه كنسبت الله تعالىٰ الى العالم وهى بعد حدوثها الزمانى عندهم لا تفنىٰ.
ايضاً ورد هذا المذهب ابن القيم فى كتاب الروح مالا مزيد عليه.

اور تجرد روح کا قول قاضی زادہ علامہ حلیمی، امام غزالی اور امام راغب اور ابو زید دبوسی حنفی اور قدیم معتزلہ سے معمر اور تمام متاخرین شیعہ کا ہے اور بہت سے صوفیہ کا قول بھی ہے۔ ان کے نزدیک روح جوہر مجرد ہے نہ بدن میں داخل ہے نہ بدن سے خارج ہے اور اس کا تعلق بدن سے ایسا ہے جیسا اللہ کا تعلق جہان سے ہے۔ اسکے نزدیک روح کیلئے حدوث زمانی ہے اور روح فانی نہیں ہے اور ابن قیم نے اس مذہب کو کتاب الروح میں ان دلائل سے رد کیا ہے کہ مزید تردید کی حاجت نہیں چھوڑی۔

اس اقتباس سے معلوم ہوا کہ روح کے متعلق اس دوسرے مذہب میں شافعی، حنفی، معتزلہ اور امامیہ کے افراد شامل ہیں جو سارے کے سارے فلاسفہ سے مرعوب ہو کر اس رو میں بہہ گئے ہیں اور قول اول جو بیان ہو چکا اس میں جمہور علماء اسلام اور محققین صوفیہ کا ایک عظیم گروہ شامل ہے۔ بالخصوص عظیم سلف صالحین نے یہی ~~مذہب اختیار کیا ہے کہ روح جسم مادی ہے، لطیف ہے، نورانی ہے۔ جس بدن میں~~ وہ ہے اسی کی شکل پر ہے۔ بدن سے جدا ہونے کے بعد اس کے لئے جسم مثالی کی ضرورت نہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ سب سے پہلے یہ معلوم کر لینا چاہیے کہ حیات کسے کہتے ہیں؟ حیات نام ہے حس حرکت، دیکھنا، سننا، بولنا، قوئی ظاہری و باطنی کا موجود ہونا۔ روح دنیا میں بدن کو زندگی بخشتا ہے۔ دنیا میں مادی چیزوں کو سنانے میں مادی آلات کا محتاج ہے نہ کہ اپنی حیات میں مادی بدن کا محتاج ہے بلکہ روح بدن کو حیات بخشتا ہے۔ برزخ میں جا کر روح مادی دنیا کو اپنی آواز نہیں سنا سکتا۔ اسی لئے مادی آنکھیں اسے نہیں دیکھ سکتیں، مادی کان اسکی بات نہیں سن سکتے حالانکہ وہ خود بولتا ہے، سنتا ہے، اس کے سارے اعضاء ذاتی ہیں جیسا کہ ثابت ہو چکا ہے کہ روح اپنے بدن کی شکل پر ہوتا ہے۔ روح خود جسم لطیف، اس کے کان لطیف، اسکی آواز لطیف، اس کو تمام لطیف چیزیں دیکھ لیتی ہیں، اس کی آواز سن لیتی ہیں جیسا کہ ملائکہ قلوب انبیاء، قلوب اولیاء، لطیف چیزوں کو دیکھنے یا سننے سنانے میں کسی غیر جسم کے آلات کا محتاج نہیں ہوتا کہ برزخ میں اس کے لئے جسم مثالی تسلیم کیا جائے۔ اگر لطیف چیزوں کو دیکھنے یا سننے سنانے میں جسم مثالی کا محتاج مانا جائے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ روح حیات بخش نہیں بلکہ روح کو جسم مثالی حیات بخشتا ہے اور روح کے کوئی ذاتی آلات نہیں وہ ایک پتھر ہے (العیاذ باللہ) جسم مثالی کا تسلیم کرنا خلاف قرآن، خلاف حدیث اور خلاف سلف صالحین ہے اور جو شخص جسم مثالی کا قائل ہوا ہے اس نے سخت ٹھوکر کھائی ہے اللہ اسکو ہدایت دے۔

روح عالم امر سے ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ روح کی پیدائش کس چیز سے ہوئی؟ امام رازیؒ فرماتے ہیں:۔

اَلرُّوْحُ عِنْدَ اِلٰهِ الْعَرْشِ مَبْدَاُه' وَتُرْبَةُ الْاَرْضِ اَصْلُ الْجِسْمِ وَالْبَدَنِ قَدْ اَلَّفَ مَلِكُ الْمَنَّانُ بَيْنَهُمَا لِيَصْلُحَا بِقُبُوْلِ الْاَمْرِ وَالْمِحَنِ.
فَالرُّوْحُ فِى غُرْبَةٍ وَالْجِسْمُ فِى وَطَنٍ. فَاعْرِفْ زِمَامَ الْغَرِيْبِ النَّازِحِ الْوَطَنِ.

روح کی ابتدا صاحب عرش سے ہے (من امر ربي) اور بدن انسانی کی اصل مٹی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں میں الفت ڈال دی۔ تاکہ ان میں اوامر اور محنتیں قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ پس روح مسافر ہے اور بدن اپنے وطن میں ہے۔ پس غریب الوطن مسافر کی ذمہ داری کا خیال رکھو۔

عالم امر کیا ہے؟

حضرت امام غزالیؒ نے عالم امر اور عالم خلق پر بحث کی ہے، اور یہ بتایا ہے کہ ان دونوں کے درمیان عرش بطور برزخ حائل ہے۔

وَعَالَمُ الْاَمْرِ عِبَارَةٌ" مِنَ الْمَوْجُوْدَاتِ الْخَارِجِيَّةِ مِنَ الْحِسِّ وَالْخَيَالِ وَالْجِهَةِ وَالْمَكَانِ وَهُوَ مَالَا يَدْخُلُ تَحْتَ الْمَسَاحَةِ وَالتَّقْدِيْرِ لِانْتِفَاءِ الْكَمِيَّةِ عَنْه' (تفسير كبير، رساله روح)

عالم امر عبارت ہے۔ موجودات سے جو حس، خیال، جہت، مکان اور چیز سے خارج ہے، عالم امر انتفائے کمیت کی وجہ سے مساحت و تقدیر کے تحت نہیں آسکتا۔

کون سی چیزیں عالم امر سے ہیں۔

صاحب تفسیر مظہری نے اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ کی تفسیر میں اس کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔

"قَالَتِ الصُّوْفِيَّةُ الْمُرَادُ بِالْخَلْقِ وَالْاَمْرِ. عَالَمُ الْخَلْقِ يَعْنِىْ جِسْمَانِيَّةُ الْعَرْشِ وَمَا تَحْتَه' وَمَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَاُصُوْلُهَا الْاَرْبَعَةُ الْعَنَاصِرُ. اَلنَّارُ وَالْمَاءُ وَالْهَوَاءُ وَالتُّرَابُ وَمَا يَتَوَلَّدُ مِنْهَا مِنَ النُّفُوْسِ الْحَيْوَانِيَّةِ وَالنَّبَاتِيَّةِ وَالْمَعْدَنِيَّةِ وَهِىَ اَجْسَامٌ" لَطِيْفَةٌ" سَارِيَةٌ" فِىْ اَجْسَامٍ كَثِيْفَةٍ. وَعَالَمُ الْاَمْرِ يَعْنِىْ اَلْمُجَرَّدَاتِ عَنِ الْقَلْبِ وَالرُّوْحِ وَالْخَفِىِّ وَالْاَخْفَا اَلَّتِىْ هِىَ فَوْقَ الْعَرْشِ سَارِيَةٌ" فِى النُّفُوْسِ الْاِنْسَانِيَّةِ وَالْمَلَكِيَّةِ وَالشَّيْطَانِيَّةِ سَرَيَانَ الشَّمْسِ فِى الْمِرْاٰةِ سُمِّيَتْ بِعَالَمِ الْاَمْرِ لِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى خَلَقَهَا بِلَا مَادَّةٍ بِاَمْرِهٖ كُنْ فَيَكُوْنَ. قَالَ الْبَغَوِىُّ قَالَ سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ فَرَّقَ" بَيْنَ

صوفیہ کرام نے کہا کہ مراد عالم خلق اور عالم امر سے یہ ہے کہ عالم خلق میں عرش اور جو ما تحت عرش ہے اور جو چیز آسمان اور زمین اور ان کے مابین ہے، شامل ہے، اور اس کے اصول عناصر اربعہ آگ، پانی، ہوا اور مٹی اور جو چیزیں ان سے پیدا ہوتی ہیں۔ یعنی نفوس حیوانی، نباتاتی اور معدنی ہیں، اور یہ اجسام لطیفہ ان اجسام کثیفہ میں ساری ہیں، سب عالم خلق سے ہیں۔ اور عالم امر سے مراد مجردات ہیں، یعنی (لطائف خمسہ) قلب، روح، سری، خفی اور اخفاء، یہ فوق العرش ہیں، اور یہ نفوس انسانیہ ملکیہ اور شیطانیہ میں یوں ساری ہیں جیسے سورج کی شعاعیں آئینہ میں ساری ہوتی ہیں۔ لطائف کو عالم امر اس لئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کسی مادہ سے نہیں، بلکہ اپنے امر کن سے پیدا کیا، اور بغویؒ فرماتے ہیں کہ سفیان بن عینیہ نے فرمایا کہ عالم امر اور عالم خلق دو مختلف چیزیں ہیں۔ جس نے ان دونوں کو ایک سمجھا اس نے کفر کیا۔

الْـخَلْقِ وَالْاَمْرِ فَمَنْ جَمَعَ بَيْنَهُمَـا فَقَدْ كَفَرَ. (تفسیر مظہری ۱۴ : ۲۰۷)

فائدہ: معلوم ہوا کہ روح اور دیگر لطائف عالم امر کی مخلوق ہیں جو بغیر مادہ کے پیدا کئے گئے۔ عالم امر کو عالم حیرت اور لامکان بھی کہتے ہیں۔

روح کی شکل وصورت

جسم انسانی ایک ٹھوس مادی شکل رکھتا ہے۔ اس کی وضع قطع قد وقامت اور اس کے اعضاء ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ کیا روح انسانی کی بھی کوئی شکل و صورت ہے یا بس جوہر لطیف ہے، یہ سوال ذہن میں پیدا ہونا قدرتی بات ہے، اس کے متعلق بخاری شریف میں ایک بحث کی گئی ہے:۔

وللروح صورة لطيفة على صورة الجسم لها عينان واذنان ويدان ورجلان فی داخل الجسم يقال ہل كل جزء منه عضو نظيره' فی البدن وقد ابهم الله تعالیٰ امر الروح وترک تفصيله

جسم کی شکل کے مطابق روح کی بھی لطیف صورت ہے۔ روح کی بھی دو آنکھیں ہیں، کان ہیں، ہاتھ اور پاؤں ہیں۔ بلکہ روح کے ہر عضو کی نظیر بدنِ انسانی میں موجود ہے اور روح کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے مبہم رکھا اور اس کی تفصیل چھوڑ دی ہے۔

تحفۃ القاری شرح صحیح البخاری ۲:۴۴

اس سے معلوم ہوا کہ روح کی شکل بعینہٖ وہی ہوتی ہے جو بدن کی شکل ہے جس میں وہ روح داخل کی گئی ہے۔

عالمِ برزخ قیامت صغریٰ ہے جہاں روح زندہ رہتی ہے اور عالمِ آخرت قیامتِ کبریٰ ہے جس کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

إِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ یقیناً آخرت کا گھر ہی تو زندگی ہے۔

اور ظاہر ہے کہ دنیا کی زندگی کے مقابلے میں اکمل زندگی ہے۔ دنیا اور اس کی ہر شے کے لئے موت اور فنا ہے مگر آخرت کی زندگی ابدی ہے۔ اس لئے دار آخرت کی ہر شے کیا جزو کیا کل موت سے پاک ہے جب روح کے لئے جزا وسزا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ زندہ ہے۔ کیونکہ مردہ اور معدوم کے لئے جزا وسزا نہیں ہے، اس لئے روح سنتی ہے، دیکھتی ہے، بولتی ہے بلکہ اس کی ساری قوتیں اور تمام صلاحیتیں اسی جگہ کامل درجے پر معرضِ اظہار میں آتی ہیں۔

روح کو بدن میں جب داخل کیا جاتا ہے تو بدن کی خصوصیات سامنے آتی ہیں مثلاً بچپن، جوانی، بڑھاپا اور بچپن میں ذہن، عقل، فہم اور ادراک وغیرہ کا ناقص ہونا، پھر رفتہ رفتہ عمر کے ساتھ ترقی کرنا وغیرہ، یہ بدن کی خصوصیات ہیں ورنہ روح تو اپنی پیدائش کے وقت سے ہی عاقل بالغ اور ذی فہم ہے اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو ''اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ'' کے جواب میں ''بَلٰى'' کیوں کہتی۔ سوال سننا سمجھنا اور جواب دینا روح کے پیدائشی عاقل بالغ ہونے کی دلیل ہے۔

جب روح کو کسی بدن کے ساتھ متعلق کر دیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ اس کا تعلق استقرائی ہوتا ہے۔ پھر اسے بدن کے اعضاء دے جاتے ہیں، اس بدن میں کچھ قوتیں اور آلات ودیعت کر دیے گئے ہیں جن میں بعض حسی اور بعض معنوی قوتیں ہیں، یہاں رہ کر روح ان ہی قوائے بدن کے ذریعے علم حاصل کرتی ہے۔ حسی قوتیں پیدائش کے وقت کمزور ہوتی ہیں اور چونکہ روح کو یہاں جسم کے تابع بنایا گیا ہے اس لئے جسم کی ترقی کے ساتھ ساتھ ان قوتوں میں ترقی محسوس ہوتی ہے۔ اگر یہاں روح کو بدن کے تابع نہ بنایا جاتا تو پیدا ہوتے ہی ہر شخص مکلف ہوتا، کیونکہ روح تو پیدائش سے ہی عاقل بالغ ہے۔ مگر بدن سے وابستگی کی وجہ سے مکلف ہونے کے لئے عمر کی ایک حد مقرر کر دی گئی ہے جسے سن بلوغت کہتے ہیں۔ انسان دنیا سے رخصت ہوا، روح کی جسم سے مفارقت ہوئی تو روح بالذات مکلف ہوگی۔ یہاں سے بعض لوگوں نے ایک بڑی ٹھوکر کھائی ہے کہ برزخ میں روح کیلئے جسم مثالی ثابت کرنے کی کوشش کی جس کا مطلب یہ ہے کہ روح کسی وقت بھی بدن کے بغیر مکلف نہیں، یہ عقیدہ باطل ہے۔ اہل السنت والجماعۃ کا اجماعی عقیدہ یہ ہے کہ برزخ میں روح بالذات مکلف ہے اور بدن تابع روح کے ہوتا ہے اور اس بدن خاکی کو روح ہی حیات بخشتی ہے۔ اس سلسلے میں شاہ عبدالعزیزؒ نے فرمایا ہے:۔

محرک تن روح است، ومحرک روح نور ومحرک نور، ذات۔ عزیزمن ایں مقام راکما ینبغی دانستن کمال محال است وشب و روز بذکر وفکر وسیرو طیران مقامات ماندن بجز طالب صادق وتوجہ مرشدِ کامل حصول انجا نمی تواند شد

بدن کو حرکت دینے والا روح ہے اور روح کو حرکت اور زندگی نور سے ملتی ہے اور نور کو حیات اور حرکت دینے والا ذات باری تعالیٰ ہے۔ میرے عزیز اس مقام کو کما حقہٗ سمجھنا محال ہے۔ رات دن ذکر و فکر، سیر ملکوتی اور عالمِ بالا میں پرواز سوائے طالب صادق اور بغیر مرشدِ کامل کی توجہ کے ممکن نہیں۔

****

(۶) بحثِ نفس

وجہ تسمیہ

نفس کا لفظ یا تو نفاست سے ہے، تو بوجہ شرافت و لطافت کے نفس کہا جاتا ہے یا تنفس سے ہے تو بوجہ سانس کی آمد و شد کے نفس کہا جاتا ہے۔ اگر آنے جانے کی صفت کی وجہ سے نفس سے مراد روح لی جائے تو یہ اس لئے درست ہے کہ نیند کے وقت روح خارج ہو جاتی ہے پھر لوٹ آتی ہے۔

نفس اور روح ایک حقیقت کے دو نام ہیں۔

اَلنَّفْسُ وَالرُّوْحُ اِسْمَیْنِ لِمَعْنًی وَاحِدٍ — نفس اور روح ایک حقیقت کے دو نام ہیں۔

اس کی دلیل حدیث لیلۃ التعریس ہے:۔

قَالَ بِلَال'' اَخَذَ بِنَفْسِی الَّذِیْ اَخَذَ بِنَفْسِکَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ اللّٰہَ قَبَضَ اَرْوَاحَنَا. — میری روح کو اسی ذات نے پکڑا جس نے آپ کی روح کو پکڑا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہمارے ارواح کو قبض کر لیا تھا۔

فائدہ:۔ ایک ہی چیز کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نفس سے تعبیر فرماتے ہیں اور رسول اکرم ﷺ روح سے۔ تو اس کی تطبیق یوں ہوتی ہے کہ روح اور نفس کو ایک ہی مانا جائے۔

قرآن کریم نے بھی روح پر لفظِ نفس کا اطلاق فرمایا ہے:۔

قَالَ تَعَالٰی اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا وَقَوْلِہٖ تَعَالٰی اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَکُمْ — اللہ تعالیٰ ہی قبض کرتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت اپنی جانیں نکالو۔

فائدہ:۔ ان دونوں آیتوں میں ذکر نفس کا ہے اور مراد روح ہے، جمہور علماء بھی نفس اور روح کے اتحاد کے قائل ہیں۔

اِنَّ النَّفْسَ وَالرُّوْحَ مُسَمَّا ھُمَا وَاحِد'' وَھُمُ الْجَمْھُوْرُ (کتاب الروح. ابن قیم) ص ۲۶۳) — نفس اور روح کا مصداق واحد ہے اور جمہور اس کے قائل ہیں۔

نفس اور روح میں فرق

علامہ ابو القاسم سہیلی نے روض الانف میں بحث کی ہے کہ روح اور نفس شے واحد ہے۔ تغائر بوجہ اوصاف کے ہے باعتبار اولیت کے تو روح ہے، جب فرشتہ ماں کے پیٹ میں پھونکتا ہے روح ہے۔ جب پیدا ہوتا ہے اور کسب اخلاق و اوصاف حمیدہ یا ذمیمہ کرتا ہے، اور بدن سے عشق و محبت پیدا کر لیتا ہے اور مصالح بدن میں مشغول ہو جاتا ہے تو اس پر لفظ نفس بولا جاتا ہے، قبل از اکتساب اوصاف روح پر لفظ نفس کا بولنا ٹھیک نہیں، جب یہ اوصاف سے متصف ہو جاتا ہے تو اس میں صفت غفلت اور شہوت پیدا ہو جاتی ہے تو اس پر لفظ نفس کا اطلاق ہوتا ہے کیونکہ نفس کا فعل بھی غفلت اور شہوت ہے۔

سکون کیا ہے۔

نفس کی صفتِ غفلت اور شہوت کو مجاہدہ اور ریاضت سے کم کیا جا سکتا ہے۔ ان رذائل کو قلت طعام، قلت کلام، تخلیہ اور تقویٰ سے کم کیا جا سکتا ہے۔ ان رذائل کی کمی کا نام اصطلاح صوفیہ میں سکون ہے۔ سکون کے تین مدارج ہیں۔ اول: سکون تام و کامل یہ درجہ اطمینان نفس کا ہے، اس درجہ میں نفس کو مطمئنہ کہتے ہیں۔ دوم: سکون غیر تام و غیر کامل، یہ نفس لوامہ ہوا۔ سوام: عدم سکون (مطلقاً) یہ نفس امارہ ہوا۔

مسمّٰی واحد کے مختلف اسماء۔

اگر ذات واحد کو مختلف الفاظ سے بیان کر دیا جائے اور ان الفاظ کا مرجع واحد ہو تو کوئی تضاد لازم نہیں آئے گا۔ جیسے آدم علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق قرآن مجید میں مختلف الفاظ آئے ہیں۔

قَالَ تَعَالٰی مَرَّۃً. خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ. — اسے مٹی سے پیدا کیا۔

خَلَقَ مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ.	بدبودار کیچڑ سے پیدا کیا۔
مِنْ طِیْنٍ لَّازِبٍ.	چکنی مٹی سے پیدا کیا۔
مِنْ صَلْصَالٍ کَالْفَخَّارِ.	بجنے والی مٹی سے پیدا کیا۔

پس روح اور نفس شے واحد کے دو نام ہیں۔ فرق باعتبار صفات کے ہے۔

اَلْفَرْقُ بَیْنَ النَّفْسِ وَالرُّوْحِ فَرْق'' بِالصِّفَاتِ لَا فَرْق'' بِالذَّاتِ. (کتاب الروح. ابن قیم: ۲۶۳) — نفس اور روح کے درمیان فرق باعتبار صفات کے ہے نہ کہ باعتبار ذات کے۔

(۷) لطائف اور شیخ کامل

صوفیاء کرام فن طریقت وعلم حقیقت وتصوف کے احکام باطنیہ میں مجتہد ہیں وہ حضرات احکام ظنیہ باطنیہ کا اسی طرح استخراج کرتے ہیں جیسے فقہا مجتہدین بغیر نصوص صریحہ کے بعض احتمالات کی بناء پر محض اپنے ذوق سے احکام ظنیہ ظاہرہ کا استنباط کرتے ہیں۔ صوفیاء کرام میں فقہاء مجتہدین کے مقابلے میں ایک قوت زائد ہوتی ہے کہ وہ صاحب کشف والہام ہوتے ہیں۔ فقہا محض ذاتی رائے سے مسائل کا استخراج کرتے ہیں اور یہ لوگ الہام وکشف کی روشنی میں۔ اور کشف والہام اعلام واطلاع من اللہ ہوتی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اعلام من اللہ محض ذاتی رائے سے افضل ہے۔ جس طرح قیاس ورائے کی صحت کا معیار یہ ہے کہ کتاب وسنت کے خلاف نہ ہو، اسی طرح کشف والہام کی صحت کا معیار بھی کتاب وسنت کی موافقت ہے، بہر حال اس کی فوقیت مسلم ہے:۔

إِنَّمَا الْإِلْهَامُ نُوْرٌ" يَخْتَصُّ بِهِ اللّٰهُ تَعَالٰى مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ. (فتح الباری مع بخاری ۱۲: ۳۱۵)

الہام ایک نور ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اس کے ساتھ مختص کر دیتا ہے۔

میں ذاتی طور پر فقہائے مجتہدین کے اجتہاد کو صوفیہ کے کشف والہام پر مقدم سمجھتا ہوں، اس کی دلیل صوفیاء کا تعامل ہے۔ تمام صوفیاء محققین مجتہدین کے مقلد رہے ہیں۔ پس فقیہ کے اجتہاد کا مقدم ہونا ثابت ہوگیا۔

لطائف پانچ ہیں۔

اس اصولی تمہید کے بعد اب یہ سمجھ لیں کہ صوفیاء کرام بدن انسانی کو دس اجزاء سے مرکب مانتے ہیں، عناصر اربعہ اور نفس مادی اور پانچ لطائف جن کا ذکر پہلے ہو چکا غیر مادی بلکہ مجرد ہیں۔

بعض کے نزدیک گیارہ ہیں۔ یعنی پانچ مادی، پانچ مجرد۔ اور ایک سلطان الاذکار بعض فرماتے ہیں کہ دس لطائف ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ لطائف تو مجرد اور لطیف چیزوں کا نام ہے، پھر دس لطائف کیوں کر ہوئے، البتہ تغلیباً انہیں لطائف سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جیسے لطائف خمسہ کے علاوہ نفس بھی تغلیباً لطائف میں شمار کیا جاتا ہے اور سلطان الاذکار لطیفہ نہیں بلکہ ایک طریقہ ذکر ہے جس میں یہ تصور کیا جاتا ہے کہ سارے بدن سے بلکہ ہر بن مو سے ذکر جاری ہے، بہر حال لطائف پانچ ہی ہیں، باقی تغلیباً ان میں شامل کئے جاتے ہیں۔

لطائف کے بارے میں اختلاف

بعض صوفیاء لطائف کے تغائر کے قائل ہیں، اور یہ تغائر حقیقی ہے۔ بعض محققین اتحاد لطائف کے قائل ہیں، اور اصل حقیقی لطیفہ صرف قلب کو بتاتے ہیں اور اسی کو اوصاف متعددہ سے موصوف مانتے ہیں، جیسے زید متعدد اوصاف سے موصوف ہو، مثلاً عالم، قاری، کاتب، واعظ وغیرہ تو اس تعدد اوصاف کی وجہ سے زید میں تعدد پیدا نہ ہوگا۔ تو گویا دیگر لطائف کا محل ومصداق وموصوف بھی قلب ہے۔ رہی یہ بات کہ ہر لطیفہ کے آثار والوان انوار جدا ہوتے ہیں، اور یہ کہ ہر لطیفہ کا فعل جدا ہے مثلاً قلب کا فعل ذکر ہے، روح کا حضور سرّی کا مکاشفہ خفی کا شہود ومشاہدہ اور اخفا کا معائنہ اور فناء الفناء۔ تو یہ دراصل تعدد اوصاف کی وجہ سے افعال میں تعدد پیدا ہوا۔ ورنہ اصل حقیقی لطیفہ صرف قلب ہے، اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ اصل لطیفہ صرف قلب ہے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ صوفیاء کرام ذکر کی تعلیم میں مختلف مقام اور محال کی طرف خیال کرنے کی ہدایت کیوں فرماتے ہیں، حالانکہ صوفیاء کا یہ طریقہ ذکر متواتر چلا آرہا ہے اور اسے کشف کی تائید بھی حاصل ہے، اس لئے تغایر کو ہی تسلیم کرنا پڑتا ہے جس طرح ذکر قلبی میں قلب ہی پر توجہ مرکوز رہتی ہے، کیونکہ وہ تجلیات باری کا محل ہے مگر جس طرح لطیفہ ربانی قلب کو قلب صنوبری سے تعلق ہے، اسی طرح دیگر لطائف کو بھی خواہ مجازاً سہی ان محال و مقام سے تعلق ہے۔ محال و مقام کی تخصیص کی تائید حدیث ابی محذورہ سے ہوتی ہے۔

ثُمَّ وَضَعَ يَدَهٗ عَلٰى نَاصِيَةِ أَبِي مَحْذُوْرَةَ ثُمَّ أَمَرَّ عَلٰى وَجْهِهٖ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَفِيْ نُسْخَةٍ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ عَلٰى كَبِدِهٖ ثُمَّ بَلَغَتْ يَدُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ سُرَّةَ أَبِي مَحْذُوْرَةَ ثُمَّ قَالَ ﷺ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ وَعَلَيْكَ. (ابن ماجه. باب ترجيع الاذان)

پھر رسول اکرم ﷺ نے ابو محذورہ کے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔ پھر آپ ﷺ اپنے ہاتھ کو اس کے چہرے پر لے گئے۔ پھر سینے پر۔ (اور ایک نسخہ میں ہے کہ) اس کے جگر پر لے گئے پھر آپ ﷺ کا ہاتھ ان کی ناف تک پہنچا۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے دعا دی کہ اللہ تجھے برکت دے۔

فائدہ:۔ حضور اکرم ﷺ نے خواہ اتفاق سے ہاتھ پھیرا، خواہ کسی غرض سے مانا جائے، ان مقامات کا متبرک ہونا ثابت ہوگیا۔ فَهُوَ الْمَقْصُوْدُ

قائلین اتحاد کہتے ہیں کہ حدیث شریف میں صرف ذکر قلبی ملتا ہے، باقی لطائف کا ذکر نہیں ہے، چنانچہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض لطائف کا ذکر کیا ہے اور ان میں اتحاد ثابت کیا ہے اور بتایا ہے کہ روح، قلب، عقل اور نفس ایک ہی چیز ہے۔ تغایر اعتباری ہے اور اتحاد ذاتی۔ (احیاء العلوم ۳: ۴)

وجہ اختلاف

چونکہ لطائف میں سخت اتصال ہے، اس لئے ذکر قلب سے باقی لطائف میں بھی آثار انوار، الوان وانفعال سرایت کر جاتے ہیں جیسے متعاکس آئینوں میں شعاع آفتاب۔ جو آئینہ سورج کے مقابل ہو۔ اس کے مقابل دوسرا تیسرا آئینہ رکھ دیں تو شعاع آفتاب کا عکس سب میں ظاہر ہوگا۔

عدم تغایر کی دلیل کشف صحیح بھی ہے۔ چنانچہ جب سالک کے لطائف منور ہو جاتے ہیں تو منازل سلوک شروع ہوتے ہیں اور ان منازل کا تعلق زمین وآسمان سے نہیں بلکہ عرش اول سے شروع ہوتے ہیں تو ان منازل میں سالک کو اپنی روح پرواز کرتی نظر آتی ہے، مگر دیگر لطائف نظر نہیں آتے۔ اگر سالک کو اپنی روح پرواز کرتی نظر نہ آئے، تو اسے کیسے معلوم ہوسکتا ہے کہ وہ منازل سلوک طے کرتا جا رہا ہے۔ رہا یہ سوال کہ اتنی دور تک روح نظر کیسے آتی ہے تو اس کا تعلق عقلی موشگافیوں سے نہیں، بلکہ اس راہ میں چلنے اور شیخ کامل کی صحبت اختیار کرنے سے ہے۔

میں دعویٰ تو نہیں کرتا مگر بطور تشکر اور تحدیث نعمت اتنا واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اگر کسی میں طلب صادق ہو، نکتہ چینی اور امتحان مقصود نہ ہو، اور اس کے علاوہ کوئی اور غرض فاسد نہ رکھتا ہو تو صرف چھ ماہ کیلئے اس ناچیز کے پاس آجائے، (۱) اس پر چند پابندیاں عائد کی جائیں گی مثلاً صالح اور پاک غذا اور وہ بھی مقدار میں کم دی جائے گی، قلتِ کلام کا عادی بنایا جائے گا، نیند کم کرنی ہوگی۔ خلوت میں رکھا جائے گا۔ ذکر واذکار میں مشغول رکھا جائیگا دو وقت توجہ دی جائے گی، پھر انشاء اللہ تعالیٰ وہ دیکھ لے گا کہ روح کیسے پرواز کرتی ہے، اور دوران پرواز کیسے نظر آتی ہے۔ یہ چھ ماہ کا عرصہ رسول اکرم ﷺ کے عرصہ کی مقدار پر ہے، اور کثرت ذکر ارشاد ربانی کی تعمیل کے طور پر کرایا جائے گا کہ:۔

(۱) استاذ مکرم نے روح میں پروازی قوت پیدا کرنے اور اس کا مشاہدہ کرنے کے لئے چھ ماہ کا عرصہ مقرر کیا ہے مگر اس کے ساتھ شرط یہ لگائی ہے کہ اگر کوئی "طلب صادق" لے کر آئے پھر اس کوشش کے نتیجہ کو اپنے اختیار کے تحت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا پھر انشاء اللہ تعالیٰ وہ دیکھ لے گا ...... اور یہ کوئی انوکھی بات نہیں۔ ہر تجربہ کار معلم اور ماہر فن اپنے تجربہ اور مہارت فن کی بناء پر ایسا اندازہ کرسکتا ہے، اور یہ ایک امر واقعہ ہے مگر جس طرح ظاہری علوم وفنون میں عزم اور استعداد کے اختلاف کی بناء پر مختلف لوگ مختلف عرصے میں علم وفن سیکھتے ہیں، اسی طرح تصوف وسلوک میں بھی شیخ کامل کی تربیت سے عزم واستعداد کے اختلاف (باقی صفحہ 51)

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ.

اور خلوت وقلت کلام کی پابندیاں أَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ أَيَّامٍ إِلَّا رَمْزًا کے مطابق تربیت سالک کے لئے ضروری ہیں۔

عزیز من! طلب صادق کا فقدان ہے، عوام کا تو ذکر ہی کیا، علماء بھی اس کی ضرورت کے احساس سے محروم ہیں، الا ماشاء اللہ، علماء کا کہنا یہ ہے کہ ظاہر شریعت

پر عمل کر لینا کافی ہے میں کہتا ہوں کہ تزکیہ باطن کے بغیر شریعت پر کما حقہ عمل ہو ہی نہیں سکتا لا الٰہ الا اللہ پڑھنے سے الٰہ ظاہری کی نفی تو ہو گئی، مگر جب تک تزکیہ نفس نہ ہوگا الٰہ باطنیہ کی نفی نہ ہو سکے گی۔

علمائے ظواہر حلال و حرام بیان کر سکتے ہیں، مگر حلال و حرام میں تمیز نہیں کر سکتے، کیونکہ اس کا انحصار نور بصیرت پر ہے اور وہ ناپید ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سمجھنے کیلئے انسان کو تین قوتیں عطا فرمائی ہیں۔ وہم، عقل اور نور بصیرت۔ عقل کے مقابلے میں وہم ہیچ ہے اور نور بصیرت کے مقابلے میں عقل کوئی چیز نہیں۔ عالم ظاہر بین نور بصیرت سے محروم ہے۔ یہ دولت انبیاء علیہم السلام کے ہاں سے ان کے صحیح ورثاء علمائے ربانیین اور صوفیائے کرام کو ملی ہے۔

دوستو! یہ دولت تصوف کے ادارے قائم کرنے سے نہیں ملتی، نہ تصوف کے جرائد جاری کرنے سے ہاتھ آتی ہے، نہ تصوف کی کتابوں کے مطالعہ سے حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ القائی اور انعکاسی چیز ہے، جو القاء اور صحبت شیخ سے حاصل ہوتی ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ 50) کی وجہ سے مختلف سالک مختلف مدتوں میں گوہر مراد پاتے ہیں، حضرت استاد مکرم کے شاگردوں میں سے ہم نے ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جو دو دن اور ایک ہفتے کے اندر اللہ کے فضل سے اس قابل ہو گئے کہ ان کی روح میں قوت پرواز پیدا ہو گئی اور اپنی روحانی پرواز کو مشاہدہ کرنے لگے۔ ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ اور یہ کوئی نئی بات نہیں۔

(۱) مولانا تھانوی نے "الامداد" میں بیان کیا ہے کہ مولانا غلام رسول کانپوری رسول نما کے لقب سے مشہور تھے، کیونکہ آپ کی کرامت تھی کہ ہر شخص کو بیداری میں رسول کریم ﷺ کی زیارت کرا دیا کرتے تھے۔

(۲) امام یافعی نے کفایۃ المعتقد ص ۵۳ پر فرمایا ہے کہ "مناقب شیخ عبدالقادر جیلانیؒ میں درج ہے۔ ایک شاگرد کی روایت ہے کہ رات آپ نکلے میں پیچھے ہو لیا۔ شہر کے دروازے خود بخود کھلتے گئے اور بند ہوتے گئے ایک مقام پر پہنچے، ایک میت کو پیش کیا گیا، پھر ایک آدمی لایا گیا، اس سے شہادتین کا اقرار کرایا گیا پھر فرمایا کہ مرنے والے کی جگہ یہ ہوگا۔ پھر واپس آ گئے۔ دوسرے دن میں نے پوچھا تو آپ نے فرمایا "ہم نہاوند گئے تھے ساتواں ابدال فوت ہو گیا تھا، نیا آدمی قسطنطنیہ کا عیسائی تھا، اس کو مسلمان کیا اور اسے ساتواں ابدال مقرر کیا" یہ واقعہ الحاوی للفتاوی میں علامہ سیوطیؒ نے اور النجم الدال میں اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ (باقی صفحہ 52)

شیخ کامل کی پہچان

(۱) عالم ربانی ہو۔ کیونکہ جاہل کی بیعت ہی سرے سے حرام ہے۔

(اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَاءُ. قال الشیخ شہاب الدین فی ہذہ الآیۃ تعریضا الیٰ انہ من لا خشیۃ لہ فہو لیس بعالم)

(۲) صحیح العقیدہ۔ کیونکہ فساد عقیدہ اور تصوف و سلوک کا آپس میں کوئی رشتہ ہی نہیں۔

(۳) متبع سنت رسول ﷺ ہو، کیونکہ سارے کمالات حضور اکرم ﷺ کے اتباع سے حاصل ہوتے ہیں۔

(۴) شرک و بدعت کے قریب بھی نہ جائے۔ کیونکہ شرک ظلم عظیم ہے اور بدعت ضلالت گمراہی ہے۔

(۵) دنیادار نہ ہو، کیونکہ ایک دل میں دو محبتیں جمع نہیں ہو سکتیں۔ (وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَہٗ عَنْ ذِکْرِنَا وَاتَّبَعَ ھَوٰہُ). اس شخص کا اتباع نہ کر، جس کا دل ذکر الٰہی سے غافل ہو اور خواہشات نفس کا تابع ہو۔

(۶) علم تصوف و سلوک میں کامل ہو، کیونکہ جس راہ سے واقف نہ ہو اس پر گامزن کیسے ہو سکتا ہے۔

(۷) شاگردوں کی تربیت باطنی کے فن سے واقف ہو، اور کسی ماہر فن سے تربیت پائی ہو۔

(۸) حضور نبی اکرم ﷺ سے روحانی تعلق قائم کر دے جو بندے اور خدا کے درمیان واحد واسطہ ہیں۔ (۲)

(بقیہ صفحہ 51) نے الامداد میں شائع کیا تھا۔ دیکھئے ایک آدمی اللہ کے فضل اور شیخ کامل کے فیض نظر سے ایک دن میں کفر سے نکل کر اسلام کے دائرہ میں آیا اور سلوک میں ترقی کر کے اسی روز ابدال کے منصب پر فائز ہو گیا۔ مَا یَفْتَحِ اللّٰہُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَۃٍ فَلَا مُمْسِکَ لَھَا

فوائد الفواد ص ۱۷۲ پر ایک واقعہ درج ہے کہ:۔

"بعد ازاں در بزرگی شیخ بہاء الدین ذکریا سخن در پیوست فرمود کہ در ملتان روز آں نعمت یافت کہ یاران دیگر بسالہا نیافتہ بودند تا چنانکہ بعضی یاران قدیم مزاج تغیر کردند کہ ما چندیں سال خدمت کردیم مارا چنیں نعمت نرسید و ہندوستانی بیامد و در اندک مدتی یافت وقت فرود ایں خبر بسمع شیخ رسید ایشاں را جواب فرمود کہ شما ہیزم تر آوردہ بودید و در ہیزم تر کے باید کہ آتش گیرد اما ذکریا ہیزم خشک آوردہ بود بیک دم در گرفت" دیکھئے طلب صادق اور استعداد لے کر آنیوالے طالب کو شیخ کامل کے فیض سے اللہ تعالیٰ نے سترہ روز میں کامل بنا دیا۔ (باقی صفحہ 53)

اس ناچیز کا طریقہ یہی ہے کہ اولاً اپنے ہاتھ پہ بیعت طریقت کبھی نہیں لی صرف تعلیم دیتا ہوں، اور ابتدائی منازل طے کرا کے دربار نبوی ﷺ میں پیش کر دیتا ہوں، جو تمام جہاں کے پیر ہیں۔ صرف زبانی جمع خرچ کافی نہیں کہ پیر صاحب فرما دیں کہ لو تمہیں دربار نبوی ﷺ میں پہنچا دیا۔ بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ سالک خود مشاہدہ کرے کہ منازل سلوک طے کر رہا ہے اور دربار نبوی ﷺ میں پہنچ کر حضور اکرم ﷺ کے دست مقدس پہ بیعت کر رہا ہے، اگر کوئی مدعی دربار نبوی ﷺ تک رسائی نہیں رکھتا، پھر بیعت لیتا ہے تو وہ دھوکہ باز ہے، ماخوذ ہوگا۔ پس کامل و ناقص کی یہی پہچان ہے خوب سمجھ لو۔

بعض سادہ لوح دریافت کرتے ہیں کہ اگر پیر فوت ہو جائے تو کیا دوسری جگہ بیعت جائز ہے؟ خدا کے بندو! پہلے اتنا تو غور کرو کہ بیعت بجائے خود مقصد نہیں، بلکہ ایک مقصد کے حصول کے لئے ایک ذریعہ ہے، مقصد ہے اللہ کی رضا حاصل کرنا اور بیعت ذریعہ ہے تاکہ ایک کامل کی شاگردی اختیار کر کے یکسو ہو کر تعلیم حاصل کرتا رہے اور ترقی کرتا چلا جائے۔ اگر پیر کے فوت ہو جانے پر آدمی کوئی دوسرا استاد تلاش نہ کرے گا تو ظاہر ہے کہ اول تو اپنا نقصان کرے گا اور اس سے بڑا نقصان یہ ہے کہ اس کے پیش نظر رضائے الٰہی کا حصول نہیں بلکہ شخصیت پرستی کا شکار ہے۔ پھر یہ سوچو کہ حضور اکرم ﷺ کے بعد کیا صحابہ کرامؓ نے خلفائے راشدین کی بیعت نہیں کی تھی؟

پھر یہ سوال کیوں پیدا ہوا کہ پیر کے فوت ہو جانے کے بعد دوسری جگہ بیعت جائز ہے یا نہیں؟

تصوف اور تزکیہ باطن میں شیخ اور سالک کا تعلق بڑا نازک ہے، ظاہری علوم میں معاملہ اور قسم کا ہے، استاد سے نفرت اور اس کی مخالفت کے باوجود آدمی ظاہری علم حاصل کر سکتا ہے، مگر اس راہ میں شیخ کامل میسر آجائے تو اس کی مخالفت مانع فیض ہی نہیں بلکہ حرام ہے۔ شیخ کامل کی مخالفت دراصل تزکیہ باطن اور رضائے الٰہی کے حصول سے نافرور میدہ ہونے کی دلیل ہے۔

(بقیہ صفحہ 52) حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔ اگر کوئی سچا طالب چالیس روز متواتر تمام شرائط کے ساتھ اتباع نبوی ﷺ پر عمل کرے، انشاء اللہ اس پر مکاشفات کے دروازے کھل جائیں گے، سب سے پہلے انوار روحانی اور کواکب روحانی دیکھنے میں آئیں گے، پھر فرشتوں کا مشاہدہ ہوگا، پھر صفات کا مشاہدہ ہوگا۔ ان کے واسطے سے سالک پر بعض حقائق کھلنے لگیں گے۔ یہ تمام ذکر ہی کا ثمرہ ہے" (امداد السلوک ص ۳۱)

اور مولانا لاہوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔ "اے نوجوان! یا تو مان جا کہ حضور ﷺ کا فرمان ٹھیک ہے کہ قبر جہنم کا گڑھا ہے، یا بہشت کا باغ ہوتی ہے، یا چودہ سال کے اخراجات میرے پاس جمع کرا دے، اے نوجوان تو نے چودہ سال باپ کی کمائی کھا کر بی۔ اے کی ڈگری پائی۔ ادھر بھی ایسا کرنا پڑے گا۔ ہم تمہیں بھیک مانگ کر مفت کیوں کھلائیں۔ پہلے تمہیں فیس (باقی صفحہ 54)

ضرورت شیخ

ضرورت شیخ کے سلسلے میں ایک سوال بعض ذہنوں میں ابھرتا ہے کہ جب کتب تصوف میں ہر قسم کے اذکار اور وظائف اور ان کے پڑھنے کے طریقے درج ہیں تو ان پر عمل کر کے انسان کامل بن سکتا ہے۔ پھر شیخ کی کیا ضرورت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ طب کی کتابوں میں ہر قسم کی نسخہ جات، طریق علاج، وزن، ادویہ اور طریق استعمال موجود ہے۔ پھر کسی ماہر طبیب اور ڈاکٹر کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا کسی معقول آدمی کے ذہن میں یہ سوال بھی ابھرتا ہے؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں آخر اس کی وجہ؟ وجہ صرف یہی ہے کہ جان عزیز ہے اور احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ طب کی کتابوں اور اپنے علم پر بھروسہ نہ کیا جائے، بلکہ اچھی طرح چھان بین کر کے کسی ماہر طبیب کو تلاش کیا جائے۔ اور اسی سے علاج کرایا جائے۔ اسی طرح اگر ایمان عزیز ہو، اور اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنا مقصود ہو تو معقولیت کا تقاضا یہی ہے کہ آدمی کسی معالج روحانی کو تلاش کرے، کیونکہ روحانی طبیب کے بغیر روحانی صحت اور تزکیہ باطن اور تعلق مع اللہ پیدا ہونا محال ہے۔

(بقیہ صفحہ 53) فیس کریں گے کہ نور فطرت بجھ تو نہیں گیا۔ بعض اوقات نور فطرت بجھ بھی جاتا ہے، اس کا ذکر قرآن مجید میں آتا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ اگر نور فطرت بجھ نہیں گیا اور تو مسخ نہیں ہو گیا تو پھر تمہیں کسی کامل کے پاس لے جائیں گے اور ان سے عرض کریں گے کہ حضرت! یہ نوجوان باطن کا اندھا ہے، اس کی تربیت فرما دیجئے، وہ تربیت فرمائیں گے، جس دن تمہاری روحانی تکمیل ہو جائے گی۔ اور کامل تمہیں کاملا کا سرٹیفکیٹ عطا فرمائے گا تو پھر میانی صاحب میں جا کر دس یا بارہ قبریں پھر جانا تو ایک منٹ سے پہلے پہلے تمہیں معلوم ہو جائیگا کہ اس کی قبر دوزخ ہے اور اس کی بہشت ہے۔ مجلس ذکر حصہ دوم ص ۹۰۔۹۱۔ دیکھ لیجئے، صوفیاء کرام مکاشفات کیلئے مدت بھی مقرر کرتے آئے ہیں اور طلب صادق، استعداد اور شیخ کے کمال میں اختلاف کی وجہ سے طالبین کی تکمیل کیلئے کہیں ایک لحظہ کہیں ایک روز کہیں ۱۷ روز کہیں ۴۰ روز اور کہیں ۱۲ سال کا عرصہ رکھا گیا ہے۔)

***** (شیخ کامل کی پہچان میں خصوصیت ۶، ۷، ۸ سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں شیخ کامل سے مراد صرف وہ رہبر ہے جو تصوف وسلوک کے راستہ پر چلا ہوا اہل ہو، اور سلوک کی منازل طے کرانے کی اہلیت رکھتا ہو اور تصوف وسلوک کی منازل طے کرنے کے لئے مراقبہ فنافی الرسول بنیادی حیثیت رکھتا ہے جو شیخ اتنا نہیں کر سکتا وہ یقیناً شیخ طریقت کے اعتبار سے ناقص ہے جیسا (الابریز ص ۱۳۴) ایک بار آپ نے فرمایا کہ جب تک سید الوجود ﷺ کی معرفت حاصل نہ ہو، اس وقت تک اللہ کی معرفت حاصل نہیں ہو سکتی۔ حضرت شاہ رفیع الدینؒ نے رسالہ بیعت میں اس کی تصریح فرمائی ہے، وھو ھذا۔ (باقی صفحہ 55)

(۸) منازل سلوک

سلوک کے ابتدائی منازل

جب سالک کے لطائف منور ہو جائیں اور اس میں مزید استعداد پیدا ہو جائے تو شیخ کامل اسے سلوک کی منازل اس ترتیب سے طے کراتا ہے۔ اول استغراق اور رابطہ کرایا جاتا ہے، پھر مراقبات ثلاثہ، پھر دوائر ثلاثہ، پھر مراقبہ اسم الظاہر والباطن، پھر سیر کعبہ، سیر صلوٰۃ اور سیر قرآن اور اس کے بعد فنا فی الرسول کی منزل آتی ہے۔

(بقیہ صفحہ 54) "بیعت کہ پیش صوفیہ معتبر و مقبول است چہار قسم یافتہ می شود و ہر قسم را شروط علیحدہ است و ثمرات دیگر۔ (۱) بیعت وسیلت۔ (۲) بیعت شریعت۔ (۳) بیعت طریقت۔ (۴) بیعت حقیقت سوائے ایں آنچہ برائے تحصیل مال و جاہ، یا برائے تحصیل حاجات دنیوی از مرشد باشد فی الحقیقت اعتبارے ندارد" (ص ۳) (۲) بیعت شریعت: ضرورت مردے کہ با وجود علم و تقویٰ دو صفت داشتہ باشد۔ یکے عدم مساہلت و مداہنت در مقام امر بالمعروف و نہی عن المنکر، دوم شناختن آنچہ بحال طالب افضل و اسہل است، ثمرہ آں رسیدن است بہ نجات کلی درعقبیٰ .... الخ

(۳) بیعت طریقت: پس شیخش آنکہ مرد خوش ہمت ہرگاہ فضائل و مناقب اولیاء و تصرفات عجیبہ ایشاں مثل حصول مراد مردم و قوت ہمت و تصرف بر دلہا و کشف احوال موتی و کشف مستقبلات حوادث و ملاقات ارواح طیبہ و قائع ہمی شنود و شوق تحصیل آں در دل او غالب می شود از قبیل حارف است کہ ہم صنعتے بغیر مزاولت و اخذ آں از ماہرن آں فن بکمال نمی رسد۔ پس چیزے کہ ماخذ آں در دست ہیچ کس دیدہ نمی شود از فکر ناقص خود چہ گونہ آں کمال را تحصیل تواں کرد۔ پس کسے را کہ دریں اشتغال و اعمال مہارت کلی داشتہ باشد و خود مصدر ایں آثار باشد و ایں امور مراد را اسہل الحصول باشد استاذ خود ساختہ حق متابعت آنہا ادا نماید و بمقصود خود رسد۔ و ثمرہ آن مصفا ساختن وجہ روح است از کدورت جسمانی۔ و منور و مکمل ساختن آں با نوار روحانی و اسماء ربانی و مبداء فیض الٰہی گشتن برائے بندگان الٰہی و حل مشکلات آنہا تا بہ طفیل آں در جناب الٰہی بحکم الخلق عیال اللہ فاحبھم الی اللہ انفعھم لعیالہ۔ مستحق فضیلت محبوبیت مشرف گشتن و با زمرہ اولیاء و صلحاء شریک فضائل شدن و مناسبت مقاتی با ایشان پیدا کردن" ص ۶۔ ۷۔

(۴) بیعت حقیقت: شرط ایں فنائے وجود و قطع تعلقات کونی و حظوظ نفسانی و بے تعلقی از مال و جاہ و علاقہ داران و ثمرہ آں موجود بودن بنور تجلیات الٰہی و فنا گشتن حجب وجود ظلمانی است" ص ۸۔

معلوم ہوا کہ بیعت طریقت و حقیقت کے لئے شروط اور ہیں اور بیعت شریعت کے لئے اور

استغراق کی حقیقت

استغراق ایک کیفیت ہے، اس کی صحیح حقیقت تو مستغرق کو ہی معلوم ہوتی ہے، مگر اتنا بیان کیا جا سکتا ہے کہ اس میں جسم کی مادی آنکھیں محو خواب ہوتی ہیں مگر قلب بیدار ہوتا ہے، آدمی باتیں سنتا ہے، وضو ٹوٹ جائے تو معلوم ہو جاتا ہے، جس طرح بیداری میں معلوم ہوتا ہے۔ البتہ انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کے استغراق میں بڑا فرق ہے، انبیاء کا استغراق تام ہوتا ہے، ناقض وضو نہیں ہوتا اور اولیاء کا استغراق تام نہیں ہوتا، اس لئے ناقض وضو ہوتا ہے کیونکہ اس میں نیند مل جاتی ہے،

(بقیہ صفحہ 55) جو شخص ان شروط پر پورا نہیں اترتا وہ طریقت و حقیقت کی بیعت لینے کے قابل نہیں اس میدان میں وہ ناقص ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں۔ "اے راہ آخرت کے مسافر، تو ہر وقت رہبر کے ساتھ رہ یہاں تک کہ وہ تجھ کو پڑاؤ پر پہنچا دے۔ راستہ بھر اس کا خادم بنا رہ، اس کے ساتھ حسن ادب کا برتاؤ رکھ اور اس کی راہ سے باہر مت ہو کہ وہ تجھے واقف کار بنا دے گا اور خدا کے قریب پہنچا دے گا۔ اس کے بعد تیری شرافت، صداقت دیکھ لینے کی وجہ سے تجھ کو راستہ میں نیابت عطا کرے گا، یعنی تجھ کو قافلہ میں سردار اور اہل قافلہ کا سلطان بنا دے گا، پس تو قائم رہے گا۔ یہاں تک کہ تجھ کو تیرے نبی ﷺ کے پاس لائے گا اور تجھ کو آپ ﷺ کے حوالے کر دے گا۔ پھر آپ ﷺ کی آنکھیں تجھ سے ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ تجھ کو نائب بنا دیں گے، قلوب کیفیات اور حق پر۔ پس تو حق تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان سفیر اور نبی ﷺ کا حاضر باش اور خدمت گار بن جائے گا کہ کبھی مخلوق کی طرف آئے گا اور کبھی خالق کی طرف۔ یہ چیز بناوٹ اور ہوس سے حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ اس سے ہوتی ہے جو سینوں میں جگہ پایا کرتی ہے، اور عمل اس کی تصدیق کیا کرتا ہے"۔ (الفتح الربانی مجلس ۵۰)

پھر فرماتے ہیں:۔ "مشائخ دو قسم کے ہیں، ایک مشائخ شریعت، ایک مشائخ معرفت۔ شیخ شریعت تجھ کو مخلوق کے دروازے پر لے جائے گا اور شیخ طریقت تجھ کو قرب خداوندی کا راستہ بتائے گا۔" (ایضاً مجلس ۴۴)

اور مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔ "شیخ کے لئے مقامات منازل تکوینات تجلیات اور فوائد وضو کا سمجھنا اور مشاہدات و معائنات سے گزر کر مرتبہ فناء الفنا اور بقاء البقاء تک پہنچنا اور عظمت و کبریا اور وحدانیت و فردیت کی معرفت بھی ضروری ہے تاکہ سالکین کی تربیت اور طالبین کی رہنمائی کر سکے اور پیر بننے کے قابل ہو جائے" (امداد السلوک ص ۲۷۔

اور حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔ "اور یاد رکھو۔ فقیر فنا فی اللہ صاحب حضور ہوتا ہے، وحدانیت الٰہی میں فرق کرنا اور مجلس محمدی ﷺ میں پہنچانا اس کے لئے کچھ مشکل نہیں، بلکہ آسان ہے اور صرف ذکر و فکر اور زہد و تقویٰ سے یہ بات حاصل ہونا دشوار ہے، کیونکہ مرشد کامل و مکمل طالب اللہ کا ہاتھ پکڑ کر منزل مقصود کو پہنچا سکتا ہے۔ جس شخص کو یہ قدرت نہ ہو (باقی صفحہ 57)

علامہ شامیؒ نے اس پر بحث کی ہے:

نوم الانبیاء غیر ناقض لاجماع علیٰ انّہ ﷺ فِیْ نَوَاقِضِ الْوُضُوْءِ کَالْاُمَّۃِ اِلَّا مَا صَحَّ مِنْ اِسْتِثْنَاءِ الْقَوْمِ اَنَّ عَیْنَیَّ تَنَامَانِ وَلَا یَنَامُ قَلْبِیْ. (در مختار ۱:۱۰۵) (الحدیث)	کہ انبیاء کی نیند ناقض وضو نہیں ہوتی اور اجماع امت اس پر ہے کہ نبی اکرم ﷺ نواقض وضو میں امت کے ساتھ شریک ہیں، مگر ان کی نیند نواقض سے مستثنیٰ ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ میری آنکھیں سو جاتی ہیں مگر میرا دل نہیں سوتا۔

انبیاءؑ کی نیند ناقض وضو نہیں

محدثین و فقہا کا اس بارے میں اتفاق ہے کہ نوم انبیاءؑ ناقض وضو نہیں، چنانچہ قاضی عیاض نے شفاء میں ص ۲۸۱ پر اور بحر الرائق ص ۳۹ پر اس پر بحث کی ہے۔

فان النوم مضطجعا ناقض الا فی حق ﷺ صرح فی قنیۃ بانہ ﷺ من خصوصیاتہ وھذا ھو المشہور فی کتب المحدثین والفقہاء	نبی کریم ﷺ کے علاوہ سب کے لئے لیٹ کر سو جانا ناقض وضو ہے۔ صاحب فتاویٰ قنیہ نے اس کی تصریح کی ہے کہ نیند سے وضو کا نہ ٹوٹنا حضور ﷺ کی خصوصیات سے ہے اور محدثین اور فقہا کا مشہور مذہب یہی ہے۔

اور فتاویٰ قنیہ ۱:۵ پر ہے:۔ الخ

وفی مشکل الاثار وشرح السنۃ ان نوم الانبیاء لیس بحدث وروی محمد عن ابی حنیفۃ انہ نام ﷺ علی جنبہ وصلی بغیر وضوء قال تنام عیناء ولا ینام قلبی وھو من خصائصہ ﷺ	امام طحاوی کی مشکل الاثار اور بغوی کی شرح السنۃ میں ہے کہ انبیاء کا سو جانا ناقض وضو نہیں ہے۔ اور امام محمدؒ نے امام ابو حنیفہ سے روایت کیا کہ حضور ﷺ پہلو کے بل سو گئے۔ اور اٹھ کو وضو کے بغیر نماز پڑھی اور فرمایا میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا قلب نہیں سوتا، اور یہ بات حضور ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے۔

(بقیہ صفحہ 56) اسے کامل مکمل کہنا غلط ہے۔ بلکہ وہ راہزن ہے (عین الفقر ص ۲) اور امام ربانی فرماتے ہیں:۔ علم بہ تفصیل احوال و مقامات و معرفت بہ حقیقت مشاہدات و تجلیات و حصول کشف و الہامات و ظہور تعبیرات و واقعات از لوازم ایں عالی مقام است وجود و نہا فرطا القتاد (مکتوبات دفتر اول حصہ چہارم ص ۲۲۱) اس تفصیل کے بعد یہ خلش باقی نہیں رہنی چاہئے کہ شیخ کامل کے لئے جو شرائط حضرت استاد مکرم نے بیان فرمائی ہیں (بقیہ صفحہ 58)

ور کتاب الاثار امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ص ۹۴۔

عن حماد عن ابراهيم قال توضا رسول الله ﷺ فخرج الى المسجد فوجد المؤذن قد اذن فوضع جنبه فنام حتى عرف منه النوم وكانت له نوقعه تعرف كان ينفخ اذا قام ثم قام فصلى بغير وضو قال ابراهيم ان النبى ﷺ ليس كغيره قال محمد و بقول ابراهيم فاخذ بلغنا ان النبى ﷺ قال ان عينىّ تناماں ولا ينام قلبى فالنبى ﷺ فى هذا ليس كغيره فاما سواه فمن وضع جنبه فنام فقد وجب عليه الوضوء وهو قول ابى حنيفه رحمه الله.

حماد بیان کرتے ہیں ابراہیم سے کہ وہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے وضو کیا پھر مسجد میں گئے دیکھا کہ موذن اذان کہہ چکا ہے آپ پہلو کے بل لیٹ گئے اور سو گئے اور آپ کا سو جانا معلوم ہو گیا، آپ کے سو جانے کی علامت یہ تھی کہ آپ خراٹے بھرتے تھے جب آپ جاگے تو اٹھ کر وضو کئے بغیر نماز پڑھی، ابراہیم کہتے ہیں کہ حضور ﷺ دوسرے لوگوں کی طرح نہیں ہیں۔ امام محمدؒ کہتے ہیں کہ ہمارا مذہب وہی ہے جو ابراہیم نے بیان کیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری آنکھیں سوتی ہیں میرا دل نہیں سوتا پس حضور ﷺ اس نیند اور وضو کے معاملے میں دوسرے لوگوں کی طرح نہیں ہیں۔ دوسروں میں جو پہلو کے بل سو جائے اس کے لئے وضو کرنا واجب ہے۔ امام ابو حنیفہ کا قول بھی ہے اور یہی ان کا مذہب ہے۔

ان اقتباسات سے معلوم ہوا کہ محدثین فقہا اور بالخصوص امام ابو حنیفہؒ کا مذہب یہی ہے کہ نیند سے نبی ﷺ کا وضو نہیں ٹوٹتا۔

''شیخ القرآن'' نے اپنی تفسیر جواہر القرآن جلد اول ص ۱۲۳، ۱۲۴ پر اس عنوان کے تحت تفصیل دے کر لکھا ہے کہ ''محدثین کرام کا مسلک یہ ہے کہ وہ ناقض وضو نہیں۔'' یہاں تک تو درست فرمایا، لیکن آگے ص ۱۲۵ پر فرماتے ہیں کہ یہ کوئی قانون نہیں، چنانچہ لیلۃ التعریس میں حضور ﷺ سو گئے تھے''۔ یعنی شیخ القرآن کے اجتہاد نے محدثین کرام کے مسلمہ مذہب کو باطل قرار دیا، گویا شیخ القرآن کا مذہب یہ ہے ''کہ مستند ہے میرا فرمایا ہوا۔''

وہ کوئی نبی ہیں، ہاں یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ صوفیائے کرام جن حضرات کو خلیفہ مجاز بنا دیتے ہیں ان سب میں تو یہ شرائط نہیں پائی جاتی ہیں، پھر ایسا کیوں کیا جاتا ہے؟ تو اس کی حقیقت یہ ہے۔ یہ اہل اللہ صوفیاء کرام بعض اوقات صرف علماء ظاہر کو بھی خلیفہ مجاز بنا دیتے ہیں۔ وہ بیعت شریعت و بیعت وسیاست کے لئے ہوتا ہے۔ بیعت طریقت کے اعتبار سے وہ واقعی ناقص ہوتے ہیں، اگر کوئی ایسا خلیفہ مجاز سادگی سے اپنے نام کے ساتھ شیخ طریقت لکھنا شروع کر دے تو اس سے حقیقت نہیں بدلتی۔ (مرتب ((

اپنے اس قول کی تائید میں فرمایا کہ شیخ (مولانا حسین علی) کا فرمان ہے کہ اس حدیث کے راویوں میں اختلاف ہے۔

راویوں میں اختلاف کا مطلب کیا ہے؟ کیا کسی راوی نے یہ بیان کی ہے کہ نوم انبیاء ناقض وضو ہے؟ اگر ایسا ہے تو وہ حدیث پیش کریں۔

اصول یہ ہے کہ جب راویوں کے الفاظ میں اختلاف آ جائے تو قدر مشترک نکالا جائے گا تو روایات کا قدر مشترک یہ ہے کہ نوم انبیاء غیر ناقض ہے۔ خواہ کوئی راوی بعد عشاء کہے، خواہ وقت سحر کہے، یا بعد وتر کے بیان کرے، یا فجر کی سنتوں کے بعد کہے، یہ بات تو سب نے کہی کہ نوم انبیاء ناقض وضو نہیں۔ پھر راویوں کے اختلاف نے آپ کے قول کو کیا تقویت دی؟

جب آپ تسلیم کر چکے ہیں کہ محدثین کا مذہب یہی ہے کہ نوم انبیاء غیر ناقض ہے، پھر آپ کے قول سے جمہور محدثین کے اجماعی مذہب کو کیونکر ترک کر دیا جائے؟ رہا لیلۃ التعریس کا حوالہ تو تمام محدثین فقہا اس کا جواب دے چکے ہیں کہ آفتاب مدرک قلب نہیں بلکہ مدرکات چشم سے ہے، یعنی آفتاب کا ادراک قلب کا کام نہیں، بلکہ آنکھ کا کام ہے۔ قلب تو لطیف چیزوں کو دیکھ سکتا ہے، پھر ہو سکتا ہے کہ نیند استغراق تام ہو توجہ الی باری تعالیٰ ہو اور شمس سے غفلت ہو۔ مختصر یہ کہ شیخ القرآن کا مذہب حدیث وفقہ کے خلاف ہے۔ محدثین کے مخالف ہے۔ امام حماد ابراہیم، امام محمد اور امام ابو حنیفہ کے خلاف ہے پھر لطف یہ کہ آپ حنفی بھی ہیں اور شیخ القرآن بھی ہیں۔ اور باہمت اور جرات مند ایسے کہ قول رسول ﷺ کو ٹھکرا دیں۔ محدثین اور فقہاء کے اجماعی فیصلہ کو ٹھکرا دیں اور ان کی توحید پر اور حنفیت پر کوئی حرف نہ آئے۔

ترجمان القرآن اور حبر الامت حضرت عبداللہ بن عباس کا مذہب ابو داؤد۔ ۱: ۲۷۔ اور اس کی شرح بذل المجہود ۱: ۱۲۵ میں بیان ہوا ہے۔

قال ابن عباسؓ كان النبى ﷺ محفوظا من ان يخرج منه حدث ولم يشعر به عن عائشةؓ تنام عيناه ولا ينام قلبه اى هذا من خصائص الانبياء عليهم الصلوٰة والسلام و قلب المصطفىٰ فانه اكرام له لئلا يخلو وقته من معارف الالهية والمصالحة الدينيه.

حضور اکرم ﷺ اس امر سے محفوظ تھے کہ آپ کے اندر سے ریح خارج ہو اور آپ کو معلوم نہ ہو سکے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کی آنکھیں سو جاتی تھیں اور قلب پر نیند یا غفلت نہ آتی تھی اور نیند میں وضو نہیں ٹوٹتا تھا۔ یہ بات انبیاء کی خصوصیات سے ہے اور حضور ﷺ کے قلب کی خصوصیات سے ہے، تاکہ حضور ﷺ کے قلب پر کوئی ایسا وقت نہ گزرے کہ معارف الٰہیہ اور مصالح دینیہ کے حصول سے غافل ہو۔

اس روایت سے حضرت عبداللہ ابن عباس کا مذہب واضح ہے کہ نوم انبیاء ناقض وضو نہیں۔ رہا لیلۃ التعریس کا سوال تو اس کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ:۔

وقيل انه كان فى وقت ينام قلبه وفى وقت لا ينام فصادفت الوادى نومه والصواب الاول

کہا گیا ہے کہ کسی وقت حضور ﷺ کا قلب غافل ہو جاتا اور کسی وقت غافل نہیں ہوتا۔ اس وادی میں نیند آ گئی اور صحیح بات ہی ہے (انبیاء کے قلب پر غفلت نہیں آتی)

اصل بات تو وہی کہ والصواب الاول یعنی بات صحیح یہی ہے کہ انبیاء کے قلب پر غفلت نہیں آتی۔ مگر پہلی بات بھی آخر کہی تو گئی ہے، مگر دیکھنا یہ ہے کہ ''قیل'' کا قائل کون ہے، اگر قائل کا پتہ ہی نہیں تو اس کی بات کو حجت قرار دینا کون سی دانش مندی ہے۔

حدیث تنام عيناى ولا ينام قلبى بخاری ۱: ۲۲ پر اور ص ۹۷ پر اور ص ۱۱۹ پر اور ص ۲۵۴ پر بھی موجود ہے، اسی طرح مسلم شریف میں بھی موجود ہے، اور خصائص کبریٰ ۱: ۷۰۲ پر متعدد احادیث مذکور ہیں:۔

(۱) اخرج الشيخان عن عائشةؓ قالت قال النبى ﷺ تنام عينى ولا ينام قلبى.

(۲) اخرج ابو نعيم عن ابى هريرة قال قال رسول الله ﷺ تنام عينى ولا ينام قلبى.

(۳) واخرج الشيخان عن انس ابن مالك قال قال رسول الله ﷺ الانبياء ينام اعينهم ولا تنام قلوبهم.

(۴) واخرج ابن سعد عن عطاء عن النبى ﷺ قال انا معشر الانبياء وينام اعينهم تنام اعيننا ولا تنام قلوبنا

(۵) وعن الحسن مرفوعا تنام عيناى ولا ينام قلبى

(۶) واخرج ابو نعيم عن جابر ابن عبدالله ان النبى ﷺ كان تنام عيناه ولا ينام قلبه

(۷) واخرج ابو نعيم عن ابن عباس الخ الى ان قال ان هذا النبى تنام عيناه ولا ينام قلبه.

(۸) واخرج الحاكم وصححه عن انس قال كان النبى ﷺ تنام عيناه ولا ينام قلبه.

جمہور اہل اسلام کا عقیدہ یہی ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی آنکھوں پر نیند طاری ہوتی ہے، مگر ان کے قلب پر غفلت طاری نہیں ہوتی۔ یہی عقیدہ حضور ﷺ نے تمام صحابہ کو سکھایا، جیسا کہ حضرت عائشہؓ، ابن عباس، انس بن مالک، ابو ہریرہ اور امام حسن بصری، امام بخاری، امام مسلم، محدث حاکم، محدث ابو نعیم اور ابو داؤد اور امام نووی، امام سیوطی، قاضی عیاض عطا خراسانی، اور امام محمد اور امام ابو حنیفہ کا مذہب یہی ہے۔ اس کے علاوہ بحر الرائق فتاویٰ شامی اور فتاویٰ قنیہ میں یہی عقیدہ ہے اور ملا علی قاری کا یہی عقیدہ ہے اور سابقہ امتوں کا بھی یہی عقیدہ چلا آیا ہے جیسا کہ خصائص کبریٰ ۱: ۷۹ پر تفصیل موجود ہے۔

اس عظیم جماعت کے مقابلے میں ''شیخ القرآن'' کا مذہب ہے جو جمہور کے مخالف ہے۔ اور اس کی بناء یا تو شیخ القرآن کی ذاتی رائے پر ہے یا ''قیل'' پر

ہے۔ جس کا قائل نہ تو روایت میں بیان ہوا ہے نہ شیخ القرآن نے نشاندہی فرمائی اور اس نامعلوم شخص کی بات پر اپنے مذہب کی بنیاد رکھی۔

نوم انبیاء وحی ہے۔

قَالَ تَعَالیٰ. قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُکَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی قَالَ یٰاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ (الصّٰفّٰت)

حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ برخوردار میں خواب دیکھتا ہوں کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں، سو تم بھی سوچ لو، تمہاری کیا رائے ہے۔ وہ بولے ابا جان! آپ کو جو حکم ہوا ہے آپ کیجئے۔

کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا نَامَ لَمْ یُوْقَظْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھُوَ یَسْتَیْقِظُ لَاَنَّا لَا نَدْرِیْ مَا یَحْدُثُ لَہٗ فِیْ نَوْمِہٖ (فتح الباری ۱: ۳۰۶)

نبی کریم ﷺ جب نیند میں ہوتے تو آپ کو جگایا نہیں جاتا تھا، جب تک خود بیدار نہیں ہوتے، کیونکہ ہم نہیں جانتے تھے کہ نیند میں آپ پر کیا کچھ نازل ہو رہا ہے؟

ابن کثیر اور بخاری میں ہے کہ:

قَالَ ابْنُ اَبِیْ عُمَیْرٍ رُؤْیَا الْاَنْبِیَاءِ وَحْیٌ''.

ابن ابی عمیر جلیل القدر تابعی فرماتے ہیں کہ انبیاء کا خواب وحی ہوتا ہے۔

علامہ سہیلی لکھتے ہیں کہ:

حَتّٰی اَتَوْہُ لَیْلَۃً'' اُخْرٰی فِیْمَا یَرٰی قَلْبُہٗ وَتَنَامُ عَیْنُہٗ وَلَا یَنَامُ قَلْبُہٗ وَکَذَالِکَ الْاَنْبِیَاءُ تَنَامُ اَعْیُنُھُمْ وَلَا تَنَامُ قُلُوْبُھُمْ. (روض الانف ۱: ۳۴۳)

ملائکہ کرام رسول اکرم ﷺ کے پاس رات کو سوتے میں آئے، اس حالت میں کہ حضور ﷺ کا قلب بیدار تھا، اور آنکھیں سو رہی تھیں اور دل نہیں سو رہا تھا۔ اسی طرح انبیاء کی آنکھیں سو رہی ہوتی ہیں اور قلب بیدار رہتا ہے۔

اور فتح الباری میں ہے کہ:

قَالَ الْخَطَابِیْ وَاِنَّمَا مُنِعَ قَلْبُہٗ مِنَ النَّوْمِ لِیَعِیَ الْوَحْیَ الَّذِیْ یَاْتِیْہِ فِی الْمَنَامِ. (فتح الباری ۱: ۳۰۷)

خطابی فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے قلب کو نیند سے روکا گیا ہے، تاکہ اس وحی کو یاد رکھیں جو نیند میں نازل ہوتی ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ بَیْنَمَا اَنَا نَائِمٌ'' رَاَیْتُ فِیْ یَدِیْ سَوَارَیْنِ مِنْ ذَھَبٍ فَاَھَمَّنِیْ شَاْنُھُمَا فَاُوْحِیَ فِی الْمَنَامِ اَنْ اَنْفُخْھُمَا. (فتح الباری ۲: ۳۰۸)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں سو رہا تھا، میں نے دیکھا کہ میرے ہاتھ میں سونے کے کنگن ہیں۔ مجھے ان کی وجہ سے رنج ہوا، پس میری طرف وحی کی گئی کہ انہیں پھونک دے۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رُؤْیَا الْاَنْبِیَاءِ وَحْیٌ''. (ابن کثیر ۳: ۳۶۸)

ابن عباس نے فرمایا کہ انبیاء کا خواب وحی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء کی طرف خواب اور بیداری میں وحی آتی ہے۔

اِنَّ الْوَحْیَ یَاْتِی الْاَنْبِیَاءَ مِنَ اللّٰہِ اَیْقَاظًا وَمَنَامًا. (ابن کثیر ۳: ۲۳)

فائدہ: نص قرآن سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا یہ عقیدہ ثابت ہوا کہ انبیاء کا خواب وحی ہوتا ہے۔ حدیث و آثار سے صحابہ کا بھی عقیدہ ثابت ہوتا ہے، تابعین کا بھی یہی عقیدہ تھا، فقہائے امت کا بھی عقیدہ تھا، جیسا کہ شامی میں آ چکا ہے، بلکہ ساری امت کا یہی عقیدہ ہے جیسا روض الانف کی عبارت میں لفظ ''کذالک'' سے متبادر ہوتا ہے۔

سوال: لیلۃ التعریس میں حضور ﷺ کی نماز فوت ہوگئی، اگر نوم انبیاء میں قلوب غافل نہ ہوتے تو وقت نماز اور وقت طلوع شمس معلوم کر لیتے۔

الجواب: (۱) آفتاب چشم ظاہری کے مدرکات سے ہے، تعطل چشم سے اس کے مدرکات میں بھی تعطل آ گیا۔ آفتاب قلب کے مدرکات سے نہیں، یہ سوال ہی جاہلانہ ہے۔

(۲)۔ استغراق میں قلب ماسوائے اللہ سے منقطع ہو جاتا ہے اور انوار و تجلیات میں مستغرق ہو جاتا ہے۔

سوال: حدیث لیلۃ التعریس میں نبی کریم ﷺ اور صحابہؓ کی غفلت کا سبب نیند ہی بیان کیا گیا ہے۔ استغراق نہیں اور استغراق کا ذکر حدیث میں نہیں ہے۔

الجواب: اثر سے موثر پر استدلال غلط ہے۔ نماز سے غفلت ایک اثر ہے، مگر ممکن ہے کہ رسول اکرم ﷺ کا موثر غفلت استغراق ہو جس کا قرینہ دوسری حدیثیں ہیں اور صحابہؓ کا سبب موثر نیند ہو۔

سوال: اگر قلب کی غفلت تسلیم نہ کی جائے تو خدا سے شرکت لازم آتی ہے لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ''.

الجواب: قرآن مجید سے ثابت ہے کہ ملائکہ کو نیند نہیں آتی (یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ (الانبیاء)) اور شیطان کو بھی نیند نہیں آتی۔ دیکھئے احیاء العلوم جلد ۳ ص ۲۱، صاحب! یہ اوصاف سلبیہ ہیں، اور اوصاف سلبیہ میں شرک کہاں؟ آنکھیں خود حادث ہیں اور حادث مسبوق بالعدم کو خالق کل سے کیا نسبت؟

حدیث میں استغراق کے مذکور نہ ہونے کی وجہ سے رسول کریم ﷺ کی نیند کو سبب غفلت نہیں قرار دیا جا سکتا، کیونکہ حدیث شریف میں غفلت نومی کو بوجہ شیطان بیان کیا گیا ہے، کیا رسول اکرم ﷺ کی غفلت نماز کا سبب نیند ہو سکتی ہے؟ نیز کسی امر کے نص میں مسکوت عنہ ہونے سے اس کا دعویٰ کرنا نص کے مخالف نہیں ہوتا۔

مراقبات کی حقیقت

مراقبہ احدیت کا مفہوم اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے مقابلے میں تمام عالم معدوم ہے

پناہ بلندی و پستی توئی — ہمہ نیستند آنچہ ہستی توئی

مراقبہ معیت میں سوچے کہ ہر جگہ ذات باری تعالیٰ حاضر و ناظر ہے، صرف باعتبار علم کے نہیں بلکہ باعتبار ذات کے میرے ساتھ ہے، اس کی ہیبت اپنے قلب پر طاری رکھے۔

مراقبہ اقربیت میں قرب ذات کے وجود کا خیال رکھے کہ وہ باعتبار ذات کے قریب اور باعتبار وجدان کے بعید ہے۔

دوائر ثلاثہ

ان مراقبات میں اس کی مشق کرائی جاتی ہے کہ غیر اللہ کی محبت دل سے دور کردے وہ ذات محبت اختیاری میں غیر کی شرکت پسند نہیں کرتی کیونکہ یہ شرک فی المحبت ہے۔

(خدا ہی کو فقط حاصل ہے حق دلبری اکبر دیا دل جس نے دنیا کو حقیقت میں وہ مشرک ہے (موتب))

سیر کعبہ

اس مراقبہ میں یہ احتیاط ہوتی ہے کہ سالک یہ خیال نہ کرے کہ ان پتھروں کا مراقبہ کررہا ہوں، کعبہ کی حقیقت تو کچھ اور ہی ہے۔

وَالْبَيْتُ عِبَارَةٌ'' عَنْ لَطِيْفَةٍ رَبَّانِيَّةٍ فِيْ بُعْدٍ مَوْهُوْمٍ مَهْبَطِ التَّجَلِّيَاتِ الذَّاتِيَّةِ الْمُخْتَصَّةِ'' بِهٖ صُوْرَةُ الْكَعْبَةِ مَعَ كَوْنِهَا مِنْ عَالَمِ الْخَلْقِ اَمْرٌ'' مُبْطِنٌ'' لَا يُدْرِكُهٗ حِسٌّ'' وَلَا خَيَالٌ'' بَلْ هُوَ مَعَ كَوْنِهٖ مِنَ الْمَحْسُوْسَاتِ لَيْسَ بِمَحْسُوْسٍ وَكَوْنِهٖ فِيْ جِهَةٍ لَيْسَ لَهٗ جِهَةٌ'' فَتَمَثَّلَ وَلَا مِثْلَ لَهٗ هٰذَا فَانٌ الْكَعْبَةِ وَحَقِيْقَةُ الْكَعْبَةِ.

بیت اللہ عبارت ہے لطیفہ ربانیہ سے جو بعد موہوم ہے جو مہبط تجلیات ذاتیہ ہے جو اسی سے مختص ہیں پس صورت کعبہ کی باوجودیکہ عالم خلق سے ہے باطن ہے جسکو حس اور خیال نہیں سمجھ سکتے محسوسات میں سے ہے مگر محسوس نہیں اور جہت میں ہے مگر اس کیلئے جہت نہیں اور وہ متمثل ہے مگر اس کی مثال نہیں یہ ہے شان کعبہ کی اور یہ ہے حقیقت بیت اللہ کی۔

(تفسیر مظہری. ۲ : ۱۰۱)

جب یہ مراقبہ راسخ ہوجاتا ہے تو استعداد کے بعد سالک کو کعبہ ملائکہ بیت العزۃ اور بیت المعمور کا مراقبہ کرایا جاتا ہے اور تجلیات انوار الٰہی کعبہ سے لے کر عرش تک نظر آتی ہیں۔

منازل سالک المجذوبی

اس کے بعد مراقبہ فناء وبقاء کرایا جاتا ہے، اس کے بعد سالک المجذوبی کے منازل طے کرائے جاتے ہیں، خیال رہے کہ سالک المجذوب اور مجذوب سالک میں بڑا فرق ہے، سالک المجذوب متبع شریعت ہوتا ہے اور مجذوب سالک ظاہراً متبع شریعت نہیں ہوتا اس کے قوئی باطنی جل چکے ہوتے ہیں، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نابینا کو یا بینا کو اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر موٹر میں بٹھا کر پشاور سے لاہور لے جائیں، پھر اس سے راستے کی تفصیلات یا نشان راہ پوچھے جائیں تو وہ کچھ نہ بتا سکے گا، اس لئے مجذوب سالک سے کسی کو فیض نہیں مل سکتا، کیونکہ راستہ سے واقف ہی نہیں ہوتا، مگر سالک المجذوب منازل طے کرکے جاتا ہے، اسے راستے کی تفصیلات معلوم ہوتی ہیں، یہ منازل بہت اونچے ہیں مگر عوام جہلا تو ہر مجنوں اور پاگل کو مجذوب ہی خیال کرتے ہیں اور کامل واکمل ولی اللہ سمجھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے بعض عجیب باتیں صادر ہوتی ہیں، حالانکہ ایسی باتیں مجنون سے صادر ہوسکتی ہیں، کیونکہ اسے یکسوئی حاصل ہوتی ہے۔ شرح اسباب میں موجود ہے کہ مجنون کو یکسوئی حاصل ہوجاتی ہے، ایسے آدمی کے متعلق احتیاط لازم ہے، نہ اسے برا کہا جائے، نہ ولی اللہ سمجھ لیا جائے۔ قرآن کریم نے اصول بتایا ہے: ''وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ''۔ اس لئے مجذوب نما آدمی کے بارے میں توقف مطابق قرآن ہوگا۔ اگر عارفین میں سے کوئی صاحب نظر بتادے کہ وہ بدکار ہے تو مردود سمجھا جائے، کامل واکمل تصور کرکے شریعت کی توہین نہ کی جائے۔

اس سے آگے سلوک کی منازل ماوراء الوراء ہیں۔ گو باقی سلسلوں میں سالک المجذوب منتہی ہوتا ہے۔ مگر ہمارے سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ میں سالک المجذوب مبتدی ہوتا ہے۔ ولایت صغریٰ یعنی ولایت اولیاء کی انتہا، مقام تسلیم ہے، اس سے آگے ولایت انبیاء علیہم السلام شروع ہوتی ہے جسے ولایت کبریٰ کہتے ہیں۔ ہم ولایت کے منازل کی تفصیل بیان کردیتے، اور ہر مقام کی نشان دہی بھی کرتے، مگر ایک قابل احترام ہستی نے ایسا نہ کرنیکا مشورہ دیا، وہ بات دل میں بیٹھ گئی کہ اس تحریر سے فائدہ اٹھا کر کوئی جھوٹا مدعی ولایت مقامات کا نام بتا کر اور اپنی ولایت کا سکہ جما کر اللہ کے بندوں کو گمراہ کرتا رہے گا، ہاں اتنا اشارہ کردینا ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہو تو ولایت اولیاء کے منازل انتہا تک طے ہوسکتے ہیں اور کرائے جاسکتے ہیں، مگر چونکہ اس کی انتہا عالم امر اور عالم حیرت میں جا کر ہوتی ہے، اس لئے مدت درکار ہے اور ولایت انبیاء کی انتہا نہ کسی ولی کو بتائی گئی ہے، نہ معلوم ہوسکتی ہے۔

ولایت اولیاء کے منازل طے کرنے کیلئے چند شرائط

ان منازل ومقامات کے طے کرنے کے لئے پانچ شرائط ہیں:۔

(۱) شیخ کامل واکمل اور صاحب تصرف ہو جو توجہ دے کر سالک کو اس راہ پر چلاتا جائے مگر اس کے لئے کافی عرصہ تک دوام صحبت شیخ لازمی ہے، گاہے گاہے توجہ اور صحبت شیخ سے تو ولایت صغریٰ کے منازل طے ہونے سے رہے۔

(۲) کسی کامل کی روح سے رابطہ پیدا ہو جائے، لیکن یہ مبتدی کا کام نہیں، البتہ بعض منازل طے ہونے کے بعد ایسا ہو سکتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کامل کے مزار پر جا کر اس کی روح سے رابطہ قائم کر کے فیض حاصل کرے، اس کے لئے بھی مسلسل کافی عرصہ تک محنت کرنے کی ضرورت ہے جس طرح زندہ شیخ کی صورت میں مسلسل توجہ لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔

(۳) قبر پر جانے کی بجائے روحانی طور پر رابطہ قائم کر کے فیض حاصل کرے۔

نوٹ: فیض سے مراد وہ روحانی تربیت ہے جو اہل اللہ سے حاصل کی جاتی ہے، جہلا والا فیض نہیں کہ قبروں کا طواف کرتے رہیں، قبروں پر سجدے کرتے رہیں، یا نذرانہ نیازانہ کرتے رہیں اور انہیں حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے رہیں۔

(۴) شیخ زبردست جذبے کا مالک ہو مقناطیسی قوت رکھتا ہو، اس کے انوار میں اتنی طاقت ہو کہ سالک کی روح کو اپنے انوار کے ذریعے کھینچ کر لے جائے اور توجہ قلبی سے روحانی طور پر سالک کی تربیت کر سکے۔

(۵) سالک اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے درمیان نسبت پیدا ہو جائے جس کی وجہ سے سالک کو اس طرح فیض ملے جیسے انبیاء علیہم السلام کو براہ راست فیض ملتا ہے فرق اتنا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہوتا مگر ولی اللہ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان اتباع نبوی ﷺ کا واسطہ ہوگا۔ یعنی اسے یہ فیض بواسطہ نبی کریم ﷺ ملے گا۔ اور حضور ﷺ کی جوتیوں کے صدقے فیض حاصل کرے گا۔

آخری دو شعبوں میں جن حضرات کا ذکر کیا گیا ہے، اس قسم کے آدمی صدیوں کے بعد کہیں پیدا ہوتے ہیں۔ جس طرح انبیاء علیہم السلام تو عام آتے رہے مگر اولوالعزم رسول قلیل بلکہ اقل۔ اسی طرح ایسے آدمی بھی بہت کم ہوتے ہیں، ایسے آدمی غوث، قیوم، فرد یا قطب وحدت ہوتے ہیں، ان کے بلند مناصب کی وجہ سے ان کی توجہ اور فیض رسانی میں بڑا فرق ہے، قیوم کی ایک توجہ غوث کی سو توجہ کے برابر ہوتی ہے، اور اسی طرح سے سلسلہ آگے چلتا ہے۔ قیوم، فرد اور قطب وحدت در اصل اولوالعزم رسولوں کے مناصب ہیں، ان تینوں کی شان اولیاء میں اس طرح ہوتی ہے جس طرح انبیاء کرام میں حضور ﷺ، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہے۔

ان انتہائی بلند منازل سلوک میں سب سے اونچا درجہ صدیقیت ہے، ان کی ترتیب یوں ہے غوث، قیوم، فرد، قطب وحدت اور صدیق، ان مناصب پر صحابہ کرامؓ تو کافی تعداد میں تھے، مگر بعد میں بہت ہی قلیل لوگوں کو یہ منصب عطا ہوئے، مگر خیال رہے کہ ان مناصب میں بظاہر برابری کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہم پلہ کوئی نہیں ہو سکتا۔ ان کی فضیلت نص سے ثابت ہے۔

قطب وحدت میں تین امتیازی خصوصیات ہوتی ہیں:۔

(۱) اگر کوئی آدمی رات دن مسلسل اس کی صحبت میں رہے تو القاء کئے بغیر اس کے لطائف منور ہو جاتے ہیں، بلکہ منازل سلوک بھی شروع ہو جاتے ہیں۔

(۲) اس کا کوئی تربیت یافتہ اس کی اجازت کے بغیر بھی اگر کسی کو لطائف کرانا شروع کر دے تو دوسرے آدمی کے لطائف منور ہو جاتے ہیں، بلکہ صرف لطائف والا شاگرد بھی کسی کو تربیت شروع کر دے تو اسے ضرور فائدہ پہنچتا ہے۔

(۳) وہ اپنے شاگردوں کو توجہ قلبی سے فیض دیتا ہے، اور منازل بدستور طے ہوتے رہتے ہیں، مگر مبتدی شاگرد کے لئے یہ حکم نہیں۔

صدیق اور نبی میں اتنا قریبی اتصال ہے کہ جہاں صدیقیت ختم ہوتی ہے، وہاں سے نبوت شروع ہوتی ہے۔

كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالىٰ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ. وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا.

اور جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا مان لے گا تو ایسے اشخاص بھی ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے، جن پر اللہ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدیقین۔ اور اس کتاب میں ابراہیمؑ کا ذکر کیجئے وہ صدیق اور نبی تھے۔

صدیقیت سے بلند تر ولایت کا کوئی مرتبہ نہیں، اس کے بعد منازل نبوت شروع ہوتے ہیں۔ جن میں کسی ولی کا عارضی طور پر داخل ہونا تو ممکن ہے، جیسے کوئی معمولی خادم بادشاہ کے حکم سے شاہی محل میں کسی خدمت کے لئے چلا جائے، مگر مستقل مقام اور مستقر کے طور پر ان منازل میں جانا کسی ولی کے لئے ممکن نہیں۔

كَلَامُنَا اِشَارَاتٌ ’’ وَبَشَارَاتٌ ’’ وَاَسْرَارٌ ’’ وَكُنُوْزٌ ’’ وَرُمُوْزٌ ’’ لَا نَصِيْبَ لِلْاَكْدَرِ فِيْهَا اِلَّا اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِهَا بِحُسْنِ الظَّنِّ فَيَنْتِجُ اِيْمَانُهُمْ ثَمَرَاتٍ تَضَعُ لَهُمْ وَلَا يُؤْمِنُ بِهَا اِلَّا مَنْ اٰمَنَ بِقُدْرَةِ الْقَادِرِ وَبِحِكْمَةِ الْحَكِيْمِ.

ہماری باتیں حقیقت کی طرف اشارے ہیں بشارتیں ہیں اور اسرار ہیں۔ ان سے فائدہ صرف وہی اٹھا سکتا ہے جو حسن ظن کے ساتھ ان پر یقین رکھے، صرف اسی صورت میں اس کا یقین نتیجہ خیز ہو سکتا ہے اور ان پر یقین وہی رکھ سکتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی حکمت پر ایمان ہو

****

(۹) ولایت انبیاء علیہم السلام

انسانی نسل کے وجود کا باعث اور زمین کی آبادی کا سبب حضرت آدم علیہ السلام کا وجود ہے اور محبت اور محبوبیت کا سبب بھی ان کا وجود ہے کَمَا قَالَ تَعَالیٰ اِنِّیْ جَاعِلٌ "فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً"۔ اس بناء پر رب العالمین نے دائرۂ محبت کا صدر نشین بھی انہی کو بنایا۔ ولایتِ انبیاء کے کئی دائرے اور بھی ہیں۔ ولایت عیسوی، ولایت موسوی اور ولایت محمدی ﷺ کے دائرے، ان کے علاوہ مقام تکلمی اور دائرہ ولایت ابراہیمی بھی ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو طرح طرح کی آزمائشوں میں ڈالا گیا، وہ ہر امتحان میں پورے اترے، اس لئے رب العالمین نے انہیں اپنا خلیل بنایا۔ ان کی ولایت کے دائرہ کا نام مقام خلّۃ ہے۔ جس طرح بادشاہ کے مقربین خاص ہوتے ہیں، جن سے راز و نیاز کی باتیں کی جاتی ہیں۔ خفیہ اسرار بتائے جاتے ہیں، یہ کلیم اللہ ہیں جن سے راز و نیاز کی باتیں ہوئیں ان کی ولایت کے دائرہ کا نام نجیت ہے۔ پھر راس و رئیس المحبوبین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، ان کی ولایت کے دائرہ کا نام دائرہ محبوبیت ہے اور دائرہ حب صرف۔ حب صرف کے بعد مقام رضا ہے۔ جس کے متعلق امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:۔

اِنَّہٗ یَنْبَغِیْ مُجَاوَزَتِھَا وَالْوَصُوْلُ اِلیٰ مَقَامِ الرِّضَاءِ الَّذِیْ ھُوَ نِھَایَۃُ مَقَامَاتِ السُّلُوْکِ وَالْجَذْبَۃِ وَھُوَ عَزِیْزٌ" جِدًّا لَا یَصِلُ اِلَیْہِ اِلَّا وَاحِدٌ" مِنَ الْاُلُوْفِ. (روح المعانی ۱۶ : ۲۰)

شان یہ ہے کہ کشف و کرامت سے آگے قدم رکھا جائے اور مقام رضا کو حاصل کیا جائے جو مقامات سلوک و جذبہ کی انتہا ہے اور اس کا حصول بہت ہی مشکل ہے، ہزاروں اولیاء میں سے کوئی ایک اس مقام تک پہنچتا ہے۔

بعض صوفیہ کرام کا خیال ہے جیسا امام ربانیؒ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ ولایت انبیاء مقام رضا پر منتہی ہوتی ہے، مگر مقام رضا کے آگے دائرہ کمالات نبوت، پھر دائرہ کمالات رسالت اور دائرہ کمالات اولوالعزمی ہیں۔ اور اس پر تمام محققین کا اتفاق ہے کہ یہ دائرے مقام رضا کے بعد آتے ہیں۔ پھر مقام رضا کو انتہا کیوں کر کہا جائے گا ان تمام دائروں کے مراقبات میں اصل مقصود مراقبہ ذات باری کا ہے اور اس کی ذات کے فیض کا انتظار ہے۔ پس کمالات نبوت ورسالت اور کمالات اولوالعزمی کا منشاء وہی ذات ہے مگر حیثیت بدلتی ہے اور باعتبار حیثیت کے یہ مراقبات اور ان کی کیفیات بدلتی ہیں، مثلاً اس حیثیت سے کہ وہ ذات منشاء ہے جمیع قربات یعنی مسجودیت وغیرہ کا یہ دائرہ حقیقت صلوٰۃ کا ہے اور اس حیثیت سے کہ وہ ذات تمام نقائص تمام احتیاجات اور تمام رذائل سے مبرا اور منزہ ہے یہ دائرہ حقیقت صوم کا ہے اور اس حیثیت سے کہ وہ ذات منشاء ہے کتب سماوی کا اور ذات واسع بے کیف و بے جہت ہے، اس کو دائرہ حقیقت قرآن کہتے ہیں۔ قرآن مجید ذات واسع بے کیف کا مظہر ہے، دائرہ حقیقت صوم کے علاوہ باقی تینوں دائرے حقیقت الہیہ ہیں اس کو سیر الی حقائق اللہ کہا جاتا ہے، یہ تمام دائرے مقام رضا سے آگے ہیں، اسکے بعد دائرہ قیومیت، اس کے بعد دائرہ افرادیت، پھر دائرہ قطب وحدت اور اس کے بعد دائرہ صدیقیت ہے جو سلوک کی انتہا ہے۔ مقام احدیت سے لے کر دائرہ اولوالعزمی تک نصف سلوک ہے اور باقی نصف اس کے بعد ہے، جب یہ سننے میں آتا ہے کہ فلاں ولی اللہ نے یا فلاں خلیفہ صاحب نے پورا سلوک طے کیا ہوا ہے تو حیرت ہوتی ہے، کسی عارف نے فنا بقا تک منازل طے کر لئے تو یہ بھی بڑی بات ہے۔ ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ.
حالانکہ مقام فنا و بقا سلوک کی بالکل ابتدا ہے، اور اولیاء اللہ کے تمام کمالات بمقابلہ ولایت نبوت کے مثل مشک کی رطوبت کے ہیں، جیسے مشک پانی سے بھری ہوئی ہو اور اس کی بیرونی سطح پر رطوبت ظاہر ہو رہی ہو۔ پھر یہ کمالات جو بمنزلہ رطوبت کے ہیں۔ صرف مدرسہ تقویٰ میں معلم متقی سے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ تمام علوم ظاہری محبت دنیا کے ساتھ جمع ہو سکتے ہیں، مگر علوم صوفیہ اور محبت دنیا کا ایک جگہ جمع ہونا اجتماع نقیضین کا حکم رکھتا ہے۔

اِنَّ الْعُلُوْمَ کُلَّھَا لَا یَبْعُدُ تَحْصِیْلُھَا مَعَ مَحَبَّۃِ الدُّنْیَا وَالْاِخْلَالُ بِحَقَائِقِ التَّقْوٰی وَرُبَّمَا کَانَتْ مَحَبَّۃُ الدُّنْیَا عَوْنًا عَلیٰ اِکْتِسَابِھَا وَعُلُوْمِ

تمام علوم محبت دنیا کے ساتھ حاصل ہو سکتے ہیں بلکہ اکثر محبت دنیا ان کے حصول میں معاون ہوتی ہے سوائے علوم صوفیہ کے، یہ علوم محبت دنیا کے ساتھ حاصل نہیں ہو سکتے۔ ان کا حصول خواہش نفس

هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ يَعْنِيْ الصُّوْفِيَةِ لَا تَحْصِلُ بِمَحَبَّةِ الدُّنْيَا وَلَا تَنْكَشِفُ اِلَّا بِمُجَاهَدَةِ الْهَوٰى وَلَا تَدْرُسُ اِلَّا فِيْ مَدْرَسَةِ التَّقْوٰى قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ يُعَلِّمُكُمْ (فتاوی الحدیثیہ)

کے دور ہونے پر موقوف ہے، اور ان علوم صوفیہ کی تعلیم مدرسہ تقویٰ میں دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تقویٰ اختیار کرو، وہ تمہیں علم عطا فرمادے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تصوف وسلوک محض شجرہ خوانی، ٹوپی اوڑھنے، خرقہ پہننے، لمبی تسبیح ہاتھ میں رکھنے، عرس منانے، قوالی سننے، وجد و تواجد اور ناچنے کودنے سے حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اس کے حصول کے لئے دوسری شرطیں ہیں، جن میں سے سرفہرست اتباع شریعت ہے جس کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ توحید کا عقیدہ دل میں راسخ ہو اور اتباع سنت نبوی ﷺ اس کامل درجے کا ہو کہ اس میں بدعت کو مطلق دخل نہ ہو، شرک وبدعت کی ہوا بھی مانع فیض ہے پھر شیخ کامل سے تعلق اور اس سے دلی عقیدت ضروری ہے، اس کی مخالفت مانع فیض ہے، اس پر قصہ حضرت موسیٰ اور حضرت خضرؑ شاہد ہے، پھر پورے خلوص سے ذکر الٰہی کی کثرت اور مجاہدہ و ریاضت۔ ان شرائط کے ساتھ منازل سلوک دس بیس سال میں طے ہوسکتے ہیں، بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کو ایسا منظور ہو۔ تصوف تعلق مع اللہ اور اخذ حقائق کا نام ہے اور اس کا حصول ایسے اخلاص مع اللہ پر منحصر ہے، جس میں مخلوق سے کسی قسم کی امید کی آمیزش نہ ہو۔

ولایت علیا جو ولایت انبیاء ہے، ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جن کو انبیاء علیہم السلام سے ظاہری اور باطنی مناسبت ہو، ظاہری مناسبت یہ ہے کہ کامل اتباع شریعت ہو۔ احکام ظاہری کی بجا آوری میں ہرگز سستی نہ ہو۔ اتباع سنت میں قدم راسخ ہو۔ شریعت حقہ سے بے اتفاقی اور تصوف وسلوک کا آپس میں کوئی رشتہ نہیں اور مناسبت باطنی یہ ہے کہ جس طرح انبیاء علیہم السلام کے قلوب منور ہیں اور ملائکہ کے وجود منور ہیں۔ اسی طرح عارف کا باطن بھی منور ہو، دل میں استمرار کبیرہ و صغیرہ کو جگہ نہ دے، ولی اللہ معصوم نہیں ہوتا۔ عصمت تو انبیاء کا خاصہ ہے، مگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہو تو محفوظ ہوسکتا ہے، یہ ضروری نہیں کہ کاروبار ترک کردے بلکہ:۔

كُنْ ظَاهِرًا جِسْمَانِيًا وَفِي الْبَاطِنِ رُوْحَانِيًا قَالَ تَعَالٰى رِجَالٌ " لَا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ " وَلَا بَيْعٌ " عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ

گویا اللہ کے بندوں کو تجارت اور بیع وشری اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی

پس ذکر الٰہی کے لئے ترک دنیا ضروری نہیں، ہاں یہ ضروری ہے کہ غیر اللہ کی محبت دل میں گھسنے نہ پائے

ہم نے مقصد اور ذریعہ حصول مقصد کی نشان دہی کردی ہے، صرف کتب و رسائل تصوف سے تزکیہ باطن نہیں ہوسکتا۔ اس دولت کا ملنا شیخ کامل کی صحبت اور القاء و انعکاس کے بغیر محال ہے:

(کورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں آدمی، آدمی بناتے ہیں
جستجو ہم کو آدمی کی ہے وہ کتابیں عبث منگاتے ہیں

اکبر الہ آبادی

(مرتب))

رسائل تصوف اور کتب تصوف کی اشاعت کا رجحان واقعی بڑھ گیا ہے۔ مگر ان اداروں سے صرف الفاظ ملتے ہیں، معانی ناپید ہیں۔

سلوک کے اعلیٰ منازل

ولایت کی انتہائی منزل دائرہ صدیقیت ہے، اس سے آگے کے منازل سلوک خاص نبوت کی منازل ہیں، کسی ولی اللہ کا ان منازل میں جانا ایسا ہے جیسا شاہی محل میں کسی مالی یا ماشکی یا خاکروب کا چلا جانا، یا جیسے جنت میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ غیر انبیاء جائیں گے۔ جیسے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ جنت میں ازواج مطہرات کا جانا ہے۔ ان منازل کی تفصیل یہ ہے:۔

دائرہ قرب نبوت، قرب رسالت، قرب اولوالعزمی، قرب محمدی، وصال محمدی، قرب الٰہی، وصال الٰہی، رضائے الٰہی، قرب رحمت، بحر رحمت، خزانہ رحمت منبع رحمت اور حجابات الوہیت۔ ان حجابات کو طے کرنے کے لئے عمر نوح بھی ناکافی ہے۔ حجابات کے بعد بھی غالباً اور منازل سلوک ہوں گے مگر ابھی تک علم نہیں ہوا۔ ممکن ہے اس گنہگار پر اللہ تعالیٰ اپنا خاص فضل فرما کر آگے منازل بھی طے کرادے۔ وہ قادر کریم ہے اس کی رحمت سے کوئی بعید نہیں۔ ان منازل کو طے کرنے کے لئے تین ہی طریقے ہیں:

اول یہ کہ عارف کی تربیت روح پر فتوح آنحضرت ﷺ خود فرمائیں۔ دوم یہ اتباع نبوی کے واسطے سے براہ راست اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات سے فیض ملے، سوم یہ جس کو رسول خدا ﷺ یا فیض ربی سے تربیت مل رہی ہو اس کی تربیت میں رہ کر کامل بن کر اسکی قلبی توجہ سے فیض حاصل کرے۔

صوفیاء کی اصطلاحات احادیث سے ماخوذ ہیں

اولیاء اللہ کے مختلف مناصب کے متعلق عام ذہنوں میں جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں، اور جن کے خلاف ''بدعت'' کا نام لے کر نفرت پھیلائی جاتی ہے، انھیں دور کرنے کے لئے ذخیرہ احادیث میں سے چند شواہد پیش کئے جاتے ہیں۔ دوسرے باب میں ان مناصب پر تفصیلی بحث ہوگی۔

۱. ذَكَرَ اَبُوْ نُعَيْمٍ فِي الْحِلْيَةِ خِيَارُ اُمَّتِيْ كُلِّ قَرْنٍ خَمْسَمِائَةٍ وَالْاَبْدَالُ اَرْبَعُوْنَ فَلاَ الْخَمْسَمِائَةِ يَنْقُصُوْنَ وَلاَ الْاَبْدَالُ. كُلَّمَا مَاتَ رَجُلٌ '' اَبْدَلَ اللّٰهُ مَكَانَهٗ' مِنَ الْخَمْسَمِائَةِ وَاَدْخَلَهٗ' فِي اَرْبَعِيْنَ مَكَانَهٗ'.

ابونعیم نے حلیہ میں ذکر کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں ہر زمانہ میں پانچسو خیار ہوں گے اور چالیس ابدال، ان دونوں میں کمی نہ ہوگی، ان میں سے جو فوت ہوگا، ان پانچسو میں سے اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرے شخص کو ان چالیس میں داخل کردے گا۔

۲. وَمِنْهَا حَدِيْثُ اَحْمَدَ. اَلْاَبْدَالُ فِي هٰذِهِ الْاُمَّةِ ثَلاَثُوْنَ رَجُلاً قُلُوْبُهُمْ عَلٰى قَلْبِ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلِ الرَّحْمٰنِ كُلَّمَا مَاتَ مِنْهُمْ رَجُلٌ '' اَبْدَلَ اللّٰهُ مَكَانَهٗ' رَجُلاً.

امام احمد کی حدیث۔ اس امت میں ابدال تیس ہوں گے جن کے قلوب حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے قلوب پر ہوں گے، ان میں سے جو فوت ہوگا اللہ اس کی جگہ دوسرا بدل دے گا۔

۳. وَمِنْهَا حَدِيْثُ الطَّبْرَانِيْ. اَنَّ الْاَبْدَالَ فِيْ اُمَّتِيْ ثَلاَثُوْنَ بِهِمْ تَقُوْمُ الْاَرْضُ وَبِهِمْ يُمْطَرُوْنَ وَبِهِمْ يُنْصَرُوْنَ.

حدیث طبرانی۔ میری امت میں تیس ابدال ہوں گے، ان کے سبب سے زمین قائم رہے گی۔ ان کی وجہ سے بارش کی جائے گی، اور ان کی وجہ سے مدد دی جائے گی۔

۴. وَمِنْهَا حَدِيْثُ ابْنِ عَسَاكِرٍ. اَنَّ الْاَبْدَالَ بِالشَّامِ يَكُوْنُوْنَ وَهُمْ اَرْبَعُوْنَ رَجُلاً بِهِمْ تُسْقَوْنَ الْغَيْثَ وَبِهِمْ تُنْصَرُوْنَ عَلٰى اَعْدَائِكُمْ يُصْرَفُ بِهِمْ عَنْ اَهْلِ الْاَرْضِ الْبَلَاءُ وَالْغَرَقُ.

ابدال شام میں ہوتے ہیں اور وہ چالیس مرد ہیں، ان کے سبب سے تمھیں بارش دی جاتی ہے، اور ان کی وجہ سے تمھیں دشمنوں پر فتح دی جاتی ہے، اور ان کے سبب سے اہل زمین سے تکالیف اور مصائب دور کئے جاتے ہیں۔

۵. وَمِنْهَا حَدِيْثُ طَبْرَانِيْ. اِنَّ الْاَبْدَالَ فِيْ اَهْلِ الشَّامِ بِهِمْ تُنْصَرُوْنَ وَ بِهِمْ تُرْزَقُوْنَ.

ابدال اہل شام میں ہوں گے، ان کی وجہ سے تمھیں مدد دی جائے گی اور تمھیں رزق دیا جائے گا۔

۶. وَمِنْهَا حَدِيْثُ اَحْمَدَ. اَلْاَبْدَالُ بِالشَّامِ وَهُمْ اَرْبَعُوْنَ رَجُلاً كُلَّمَا مَاتَ رَجُلٌ '' اَبْدَلَ اللّٰهُ مَكَانَهٗ' رَجُلاً تُسْقَوْنَ بِهِمُ الْغَيْثَ وَتُنْصَرُوْنَ بِهِمْ عَلَى الْاَعْدَاءِ وَيُصْرَفُ عَنْ اَهْلِ الشَّامِ بِهِمُ الْعَذَابُ.

ابدال شام میں ہیں اور وہ چالیس مرد ہیں، جو ان میں سے فوت ہوجاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرا بدل دیتا ہے، ان کے سبب سے تمھیں بارش دی جاتی ہے اور دشمنوں کے مقابلہ میں امداد دی جاتی ہے اور اہل شام سے ان کے سبب سے عذاب دور کیا جاتا ہے۔

۷. وَمِنْهَا حَدِيْثُ الْخَلاَّلِ الَّذِيْ رَوَاهُ فِيْ كَرَامَاتِ الْاَوْلِيَاءِ وَرَوَاهُ دَيْلَمِيْ اَيْضًا. اَلْاَبْدَالُ اَرْبَعُوْنَ رَجُلاً وَاِمْرَءَةً كُلَّمَا مَاتَ رَجُلٌ '' اَبْدَلَ اللّٰهُ مَكَانَهٗ' رَجُلاً وَكُلَّمَا مَاتَتْ اِمْرَءَةٌ '' اَبْدَلَ اللّٰهُ مَكَانَهَا اِمْرَءَةً.

خلال کی حدیث جو اس نے کرامات اولیاء میں بیان کی ہے، اور دیلمی نے مسند فردوس میں۔ ابدال چالیس مرد اور عورتیں ہیں جب ان میں سے کوئی مرد مر جاتا ہے، اللہ اس کی جگہ دوسرا مرد بدل دیتا ہے اور جب عورت مر جاتی ہے، تو اس کی جگہ دوسری عورت بدل دیتا ہے۔

۸. وَمِنْهَا حَدِيْثُ الْحَاكِمِ عَنْ عَطَاءٍ مُرْسَلاً اَلْاَبْدَالُ مِنَ الْمَوَالِيْ.

حاکم کی حدیث۔ ابدال موالی میں سے ہیں۔

۹. وَمِنْهَا حَدِيْثُ ابْنِ اَبِي الدُّنْيَا مُرْسَلاً. عَلاَمَةُ اَبْدَالِ اُمَّتِيْ اَنَّهُمْ لاَ يَلْعَنُوْنَ شَيْئًا

ابن ابی الدنیا۔ میری امت کے ابدالوں کی نشانی یہ ہے کہ وہ کسی چیز پر لعن طعن نہیں کرتے۔

١٠. وَمِنْهَا حَدِيْثُ اِبْنِ حِبَّانِ. لَا تَخْلُو الْاَرْضُ مِنْ ثَلَاثِيْنَ وَثَمَانِيْنَ مِثْلِ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلِ اللّٰهِ. بِهِمْ تُغَاثُوْنَ وَ بِهِمْ تُرْزَقُوْنَ وَبِهِمْ تُمْطَرُوْنَ.

ابن حبان۔ تیس اور اسی مردوں سے زمین خالی نہ رہے گی جو مثل ابراہیم خلیل اللہ کے ہوں گے، جن کے سبب سے تمہاری فریادرسی ہوگی، ان کے سبب سے تمہیں رزق دیا جائے گا اور بارش برسائی جائیگی۔

١١. وَمِنْهَا خَبَرُ الْبَيْهَقِيْ. اِنَّ اَبْدَالُ اُمَّتِيْ لَمْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِاَعْمَالِهِمْ وَلٰكِنْ دَخَلُوْهَا بِرَحْمَةِ اللّٰهِ وَسَخَاوَةِ الْاَنْفُسِ وَسَلَامَةِ الصُّدُوْرِ..... الخ

بیہقی۔ میری امت کے ابدال اپنے اعمال کے سبب سے جنت میں داخل نہ ہوں گے۔ بلکہ اللہ کی رحمت سے نفسوں کی سخاوت سے اور سینوں کی سلامتی سے داخل ہوں گے۔

١٢. وَمِنْهَا خَبَرُ ابْنِ عَدِيْ فِيْ كَامِلِهِ. اَلْبُدَلَاءُ اَرْبَعُوْنَ وَاِثْنَانِ وَعِشْرُوْنَ بِالشَّامِ وَثَمَانِيَةَ عَشَرَ بِالْعِرَاقِ كُلَّمَا مَاتَ مِنْهُمْ اَحَدٌ'' اَبْدَلَ اللّٰهُ مَكَانَهُ' اٰخَرَ. فَاِذَا جَاءَ الْاَمْرُ قُبِضُوْا كُلُّهُمْ فَعِنْدَ ذٰلِكَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ.

ابن عدی۔ ابدال چالیس ہیں، بائیس شام میں ہوتے ہیں اور اٹھارہ عراق میں۔ ان میں سے جو فوت ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرا ابدل دیتا ہے، اور جب اللہ کا حکم آجائے گا سب فوت ہو جائیں گے، اس وقت قیامت آئے گی۔

١٣. وَمِنْهَا حَدِيْثُ الطَّبْرَانِيْ فِي الْاَوْسَطِ. لَنْ تَخْلُوَ الْاَرْضُ مِنْ اَرْبَعِيْنَ رَجُلاً مِثْلَ خَلِيْلِ الرَّحْمٰنِ بِهِمْ تُسْقَوْنَ وَبِهِمْ تُنْصَرُوْنَ مَامَاتَ مِنْهُمْ اَحَدٌ'' اِلَّا اَبْدَلَ اللّٰهُ مَكَانَهُ'.

حدیث طبرانی چالیس مرد جو مثل خلیل اللہ کے ہیں، ان سے زمین کبھی خالی نہ ہوگی، ان کی وجہ سے تمہیں بارش دی جائیگی۔ اور تمہیں مدد دی جائے گی، جب ان میں سے کوئی فوت ہوا اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرا ابدل دے گا۔

١٤. وَمِنْهَا حَدِيْثُ اَبُوْ نُعَيْمٍ فِي الْحِلْيَةِ. لَا يَزَالُ اَرْبَعُوْنَ رَجُلاً مِنْ اُمَّتِيْ قُلُوْبُهُمْ عَلٰى قَلْبِ اِبْرَاهِيْمَ يُدْفَعُ بِهِمْ مِنْ اَهْلِ الْاَرْضِ يُقَالُ لَهُمْ اِلْاَبْدَالُ

حدیث ابی نعیم۔ میری امت میں چالیس مرد ہمیشہ ایسے رہیں گے جن کے قلوب، قلب ابراہیم علیہ السلام کی مانند ہوں گے۔ ان کی وجہ سے اہل زمین سے تکالیف دور کی جائیں گی۔ ان کو ابدال کہا جاتا ہے

وَمِمَّا جَاءَ فِي الْقُطْبِ كَمَا قَالَ بَعْضُ الْمُحَدِّثِيْنَ خَبَرُ اَبُوْ نُعَيْمٍ فِي الْحِلْيَةِ اَنَّهُ' وَرَدَتْ اَحَادِيْثُ تُؤَيِّدُ كَثِيْرًا فِيْمَا فِيْهِ مِمَّا جَاءَ فِيْ جَمِيْعِ مَا ذُكِرَ وَغَيْرَهُمْ حَدِيْثُ التِّرْمَذِيْ الْحَكِيْمِ وَاَبِيْ نُعَيْمٍ فِيْ كُلِّ قَرْنٍ مِنْ اُمَّتِيْ سَابِقُوْنَ وَ حَدِيْثُ اَبِيْ نُعَيْمٍ لِكُلِّ قَرْنٍ مِنْ اُمَّتِيْ سَابِقُوْنَ. (فتاوی الحدیثیہ ٢:٢٧٧)

اور قطب کے متعلق جو بیان ہوا۔ جیسا بعض محدثین نے لکھا ہے۔ ابو نعیم نے حلیہ میں بیان کیا ہے۔ کہ بہت سی حدیثیں اس کی تائید میں وارد ہو چکی ہیں جن کا ذکر ہو چکا ہے، اور وہ بھی جو مذکور نہیں۔ مثلاً حدیث حکیم ترمذی اور ابو نعیم۔ کہ ہر زمانہ میں میری امت میں سابقون ہوں گے اور ہر زمانہ کے لئے سابقون ہوں گے۔

تنبیہ: مذکورہ بالا احادیث کے رواۃ پر جرح کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں علامہ سیوطی کی تحقیق ملاحظہ ہو۔

فَقَدْ وَرَدَ ذِكْرُ الْاَبْدَالِ اَيْضًا مِنْ حَدِيْثِ عَلِّي اَخْرَجَه' اَحْمَدُ فِيْ مُسْنَدِهٖ وَسَنَدُه' حَسَنٌ'' وَلَه' عَنْ طُرُقٍ مُتَعَدِّدَةٍ وَمِنْ حَدِيْثِ عِبَادَةِ بْنِ الصَّامِتِ اَخْرَجَه' اَحْمَدُ وَسَنَدُه' حَسَنٌ'' وَمِنْ حَدِيْثِ عَوْنِ بْنِ مَالِكٍ اَخْرَجَه' الطَّبْرَانِيُّ وَمِنْ حَدِيْثِ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ اَخْرَجَه' اَبُوْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ السُّلَمِيْ فِيْ كِتَابِ سُنَنِ الصُّوْفِيَةِ وَمِنْ حَدِيْثِ اَبِي الدَّرْدَاءِ اَخْرَجَه' الْحَكِيْمُ التِّرْمَذِيْ فِيْ نَوَادِرِ الْاُصُوْلِ وَمِنْ حَدِيْثِ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَخْرَجَه' ابْنُ حِبَّانَ فِي الضُّعَفَاءِ وَالْخَلَالُ فِيْ كَرَامَاتِ الْاَوْلِيَاءِ وَمِنْ حَدِيْثِ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيْ اَخْرَجَه' الْبَيْهَقِيْ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَمِنْ حَدِيْثِ اُمِّ سَلْمَةَ اَخْرَجَه' اَحْمَدُ وَابْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَاَبُوْ دَاؤُدَ فِيْ سُنَنِهٖ وَالْحَاكِمُ وَالْبَيْهَقِيْ وَمِنْ مُرْسِلِ الْحَسَنِ اَخْرَجَه' ابْنُ اَبِي الدُّنْيَا فِيْ كِتَابِ السَّخَاءِ وَالْحَكِيْمُ التِّرْمَذِيْ وَالْبَيْهَقِيْ فِيْ شُعَبٍ. وَمِنْ مُرْسِلِ عَطَاءٍ اَخْرَجَه' اَبُوْ دَاؤُدَ وَمِنْ مُرْسِلِ بَكْرِبْنِ خُنَيْسٍ اَخْرَجَه' ابْنُ اَبِي الدُّنْيَا فِيْ كِتَابِ الْاَوْلِيَاءِ. وَوَرَدَ عَنْ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ مَوْقُوْفًا اَخْرَجَه' الْحَكِيْمُ التِّرْمَذِيْ فِيْ نَوَادِرِ الْوُصُوْلِ وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ مَوْقُوْفًا اَخْرَجَه' اَحْمَدُ فِي الزُّهْدِ وَقَدْ جَمَعْتُ هٰذِهِ الْحَدِيْثِ كُلَّهَا فِيْ تَالِيْفٍ مُسْتَقِلٍ فَاَغْنىٰ عَنْ سَرْقِهَا هٰهُنَا. (اللآلی المصنوعہ ٢:٣٣٢)

علامہ سیوطیؒ نے تقریباً بیس کتب ورواۃ سے ابدال کی احادیث نقل کی ہیں۔ اور تمام کو صحیح اور حسن فرمایا ہے۔ تمام طرق احادیث کو جمع کرنے پر قدر مشترک۔ یعنی ابدال کا وجود یقیناً تسلیم کرنا پڑیگا۔ جس مستقل کتاب کا حوالہ علامہ موصوف نے دیا ہے اس کا نام (اَلْخَبَرُ الدَّالُ مِنْ وُجُوْدِ الْقُطْبِ وَالنُّجَبَاءِ وَالْاَبْدَالِ) ہے جو ہمارے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے۔

****

(۱۱) مناصب اولیاء اللہ پر تفصیلی بحث

ابدال، قطب، غوث، قیوم وغیرہ اولیاء اللہ کی خاص اصطلاحات ہیں۔ ان کے متعلق بزرگان دین اور صوفیہ کرام کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں کہ یہ کوئی مافوق الفطرت متصرف، خود مختار، نافع وضار، عالم الغیب، حاضر وناظر یا مسجود وخلائق ہستیاں ہیں جن کو غائبانہ فریاد رسی کے لئے پکارنا جائز ہو بعض اہل بدعت نے ان سے غلط مفہوم لیا ہے، خود گمراہ ہوئے اور لوگوں کو گمراہ کیا۔ ادھر بعض غالی حضرات نے لفظ غوث پر خواہ مخواہ اعتراض کئے ہیں، یہ دونوں گروہ افراط وتفریط کا شکار ہوئے۔

غوث اور قیوم کی اصطلاحات تمام کتب نظامیہ میں موجود ہیں اور بڑے بڑے موحدوں نے اپنی ذاتی تحریروں میں یہ اصطلاحات استعمال کی ہیں۔ مولانا حسین علی صاحب نے فوائد عثمانیہ میں کئی مقامات پر لفظ غوث استعمال کیا ہے۔ اسی طرح شاہ ولی اللہؒ، شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، امام ربانی مجدد الف ثانیؒ اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اپنی کتاب 'تفسیر مظہری' میں یہ لفظ استعمال کیا ہے۔

غوث اور قطب

صوفیہ کی بعض اصطلاحات کی اصل تو خود قرآن وحدیث میں موجود ہے، جیسے ابرار، اخیار اور نقباء وغیرہ۔ علامہ سیوطی نے ان اصطلاحات پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے، جس کا ذکر ہم گذشتہ باب میں کر آئے ہیں اس رسالہ میں غوث اور قطب کی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فِی الْخَلْقِ ثَلَاثَمِائَةٍ قُلُوْبُهُمْ عَلٰی قَلْبِ اٰدَمَ وَلِلّٰهِ فِی الْخَلْقِ اَرْبَعُوْنَ قُلُوْبُهُمْ عَلٰی قَلْبِ مُوْسٰی وَلِلّٰهِ فِی الْخَلْقِ سَبْعَةٌ قُلُوْبُهُمْ عَلٰی قَلْبِ اِبْرَاهِیْمَ وَلِلّٰهِ فِی الْخَلْقِ خَمْسَةٌ قُلُوْبُهُمْ .... عَلٰی قَلْبِ جِبْرَائِیْلَ. وَلِلّٰهِ فِی الْخَلْقِ ثَلَاثَةٌ قُلُوْبُهُمْ عَلٰی قَلْبِ مِیْکَائِیْلَ وَلِلّٰهِ فِی الْخَلْقِ وَاحِدٌ" قَلْبُه' عَلٰی قَلْبِ اِسْرَافِیْلَ. (الخبر الدال سیوطی: ۱۵)

ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ خدا کے تین سو بندے مخلوق میں ہیں جن کے قلوب حضرت آدم کے قلب کی مانند ہیں۔ چالیس ایسے ہیں جن کے قلوب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قلب کی مانند ہیں۔ سات ایسے ہیں جن کے قلوب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب کے سے ہیں۔ پانچ ایسے ہیں جن کے قلوب حضرت جبرائیل علیہ السلام کے قلب پر ہیں۔ تین ایسے ہیں جن کے قلوب حضرت میکائیل علیہ السلام کے قلب پر ہیں۔ اور ایک ایسا بندہ ہے جس کا قلب اسرافیلؑ کے قلب پر ہے۔

نیز فرمایا:۔

اَخْرَجَ الْخَطِیْبُ مِنْ طَرِیْقِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مُحَمَّدٍ الْعَبْسِیْ وَهُوَ الْحَافِظُ اَبُوْ بَكْرِ ابْنِ اَبِیْ شَیْبَةَ قَالَ سَمِعْتُ الْكِنَانِیْ یَقُوْلُ النُّقَبَاءُ ثَلَاثَمِائَةٍ وَالنُّجَبَاءُ سَبْعُوْنَ، وَالْبُدَلَاءُ اَرْبَعُوْنَ وَالْاَخْیَارُ سِتَّةٌ" وَالْعَمَدُ اَرْبَعَةٌ" وَالْغَوْثُ وَاحِدٌ". (ایضاً: ۲۳)

خطیب نے بذریعہ ابو بکر ابن ابی شیبہ حدیث کا اخراج کیا کہ میں نے کنانی سے سنا کہ نقباء تین سو ہیں اور نجباء ستر ہیں، ابدال چالیس ہیں، اخیار سات، قطب چار اور غوث ایک ہے۔

نیز فرمایا:۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَنْ تَخْلُوَ الْاَرْضُ مِنْ اَرْبَعِیْنَ رَجُلاً مِثْلَ خَلِیْلِ الرَّحْمٰنِ فِیْهِمْ تُسْقَوْنَ وَبِهِمْ تُنْصَرُوْنَ وَبِهِمْ تُرْزَقُوْنَ ....الخ قَالَ فِیْ مَجْمَعِ الزَّوَائِدِ اَسْنَادُه' حَسَنٌ". (ایضاً: ۱۴)

حضرت انس سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ چالیس آدمیوں سے زمین خالی نہ رہے گی جو مثل خلیل اللہ کے ہیں تو ان کی وجہ سے تم پر بارش برسائی جائیگی، اوران کی وجہ سے تمہاری مدد کی جائیگی، اوران کی وجہ سے تمہیں رزق دیا جائے گا۔ مجمع الزوائد میں ہے کہ اسکے اسناد حسن ہیں۔

فائدہ:۔ حضرت انسؓ کی حدیث کے شواہد کثیرہ حدیثوں میں موجود ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی تفصیل خطیب کی حدیث نے کردی، ان روایات سے چار قطب اور ایک غوث کے مناصب ثابت ہوئے۔

اقطاب کے فرائض کے متعلق امام ربانیؒ نے تصریح فرمادی ہے۔

اقطاب کے فرائض

قطب ابدال واسطہ وصول فیض است کہ وجود عالم بہ بقائے آں تعلق دارد۔ وقطب ارشاد واسطہ فیوض است کہ بارشاد وہدایت تعلق دارد۔ پس تخلیق و ترزیق وازالہ بلیات ودفع امراض وحصول عافیت وصحت منوط بہ فیوض مخصوصہ قطب ابدال است و ایمان وہدایت و توفیق حسنات و انابت از سیات نتیجہ فیوضات قطب ارشاد است۔ (معارف لدنیہ، از امام ربانی: ۴۴)	قطب ابدال عالم کے وجود اور اس کی بقا سے تعلق رکھنے والے امور میں وصول فیض کا واسطہ ہے اور قطب ارشاد ہدایت وارشاد سے متعلق امور میں وصول فیض کا ایک واسطہ ہے، اس لئے پیدائش، رزق، مصائب کے دور ہونے اور صحت و آرام کے حاصل ہونے کا تعلق قطب ابدال کے فیض کے ساتھ مخصوص ہے، اور ایمان، ہدایت نیک کاموں کی توفیق اور توبہ وغیرہ کا تعلق قطب ارشاد کے فیض کا نتیجہ ہے۔

قطب مدار

اور قطب مدار کے متعلق قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کے واقعہ کے تحت امام ربانیؒ سے حضرت خضرؑ کا قول نقل فرمایا ہے۔

وَجَعَلَنَا اللّٰهُ تَعَالٰی مُعِیْنًا لِلْقُطْبِ الْمَدَارِ مِنْ اَوْلِیَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰی الَّذِیْ جَعَلَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی مَدَارًا لِلْعَالَمِ بِبَرَكَةِ وُجُوْدِهٖ وَاِفَاضَتِهٖ فَقَالَ الْخِضْرُ اَنَّ الْقُطْبَ فِیْ هٰذِهِ الزَّمَانِ فِیْ دِیَارِ الْیَمَنِ مُتَّبِعٌ" لِلشَّافِعِیْ فِی الْفِقْهِ فَنَحْنُ نُصَلِّیْ مَعَ الْقُطْبِ. (تفسیر مظہری ۱۵: ۶۲)

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو قطب مدار کا معاون بنایا ہے جو اولیاء اللہ سے ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے دنیا کے بقاء کا سبب بنایا ہے۔ اس کے وجود کی برکت سے بقائے عالم ہے۔ اور فرمایا کہ اس وقت قطب مدار یمن میں ہے اور وہ شافعی فقہ کا متبع ہے، اور ہم اس کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔

اور وہ حدیث جس کو علامہ سیوطی نے کنانی سے روایت کیا ہے، اس کے آخر میں والغوث واحد کے آگے روایت یوں ہے:۔

فَمَسْكَنُ النُّقَبَاءِ الْمَغْرِبُ وَمَسْكَنُ النُّجَبَاءِ مِصْرَ. وَمَسْكَنُ الْاَبْدَالِ الشَّامُ. وَالْاَخْیَارُ سَیَّاحُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَالْعَمَدُ فِیْ زَوَایَا الْاَرْضِ وَمَسْكَنُ الْغَوْثِ مَكَّةَ فَاِذَا عَرَضَتِ الْحَاجَةُ فِیْ اَمْرِ الْعَامَّةِ اِبْتَهَلَ فِیْهَا النُّقَبَاءُ ثُمَّ النُّجَبَاءُ ثُمَّ الْاَبْدَالُ ثُمَّ الْاَخْیَارُ ثُمَّ الْعَمَدُ فَاِنْ اُجِیْبُوْا وَاِلَّا ابْتَهَلَ الْغَوْثُ فَلَا تَتِمُّ مَسْئَلَتُه' حَتّٰی تُجَابَ دَعْوَتُه'. (الخبر الدال: ۲۳)

نقباء کا مسکن مغرب، نجباء کا مصر، ابدال کا شام ہے، اخیار سیاح ہوتے ہیں، قطب زمین کے گوشوں میں ہوتے ہیں۔ جب مخلوق کو عمومی مصیبت آجائے تو دعا کے لئے نقباء ہاتھ پھیلاتے ہیں، اگر قبول نہ ہو تو نجباء، پھر اخیار، پھر قطب، اگر پھر بھی قبول نہ ہو تو غوث دعاء کے لئے ہاتھ پھیلاتا ہے (گو یہ ترتیب ضروری نہیں) حتیٰ کہ اس کی دعا قبول ہوجاتی ہے۔

قیوم

قیوم کے متعلق امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔

آں عارفے کہ بہ مرتبہ قیومیت اشیاء مشرف گشتہ حکم وزیر دارد کہ مہمات مخلوق را بادمرجوع داشتہ اند ہر چند انعامات از سلطان است اما وصول آنہا مربوط بتوسط وزیر است۔ (مکتوبات۔۲:۲)	وہ عارف جو قیوم کے منصب پر فائز ہو، وزیر کا حکم رکھتا ہے کہ مخلوق کے اہم امور کا تعلق اسی سے ہے، گو انعام تو بادشاہ کی طرف سے ہوتے ہیں، مگر وہ وزیر کی وساطت سے ملتے ہیں۔

فرد اور قطب وحدت کا مفہوم یہ وہ حدیث ہے جو رسول اللہ ﷺ سے بطور دعا غزوہ بدر میں زبان پر آئی

اَللّٰهُمَّ اِنْ تَهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةَ لَا تُعْبَدْ فِى الْاَرْضِ اَبَدًا.

الٰہی! اگر اس جماعت کو ہلاک کر دیا تو آپ کی عبادت زمین میں کبھی نہ کی جائے گی۔

معرفت توحید، فیضان کا عام اور جلد ہونا قطب وحدت اور افراد کی خصوصیات میں سے ہے، اور معرفت ذات باری تعالیٰ اس سے وابستہ ہوتی ہے۔

انسان کامل

امام ربانیؒ فرماتے ہیں۔

معاملہ انسان کامل تا بجائے رسد کہ اورا قیوم جمیع اشیاء بحکم خلافت می سازند و ہمہ را افاضہ وجود و بقائے وسائر کمالات ظاہری و باطنی بتوسط اومی رسانند۔

معلوم ہوا کہ قیوم انسان کامل ہوتا ہے اور کل احکام ظاہری و باطنی قیوم کی ذات سے وابستہ ہیں، کیونکہ یہ بمنزلہ وزیر کے ہے، یہ مفہوم حدیث سے بھی متبادر ہوتا ہے۔ اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ'' وَاللّٰهُ يُعْطِىْ (مشکوٰۃ کتاب العلم) میں تقسیم کنندہ ہوں، دیتا اللہ تعالیٰ ہے۔

قیوم! اولوالعزم رسول کا نائب ہوتا ہے۔ اس کا مخالف فیض سے محروم رہتا ہے، کیونکہ وہ حکومت کے وزیر کا باغی ہوتا ہے، اور باغی کو حکومت کی طرف سے انعام نہیں ملا کرتا۔

ہر چیز اچھی یا بری سلطان الملک یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے وزیر کے ذریعے مخلوق کی طرف آتی ہے، جب مخلوق مصیبت میں مبتلا ہو جاتی ہے تو غوث بارگاہ رب العزت میں درخواست پیش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ چاہے تو اس کی دعا قبول فرما کر مصیبت دور کر دیتا ہے۔ خیال رہے کہ غوث کوئی خود مختار ہستی نہیں، بلکہ مستجاب الدعوات انسان ہوتا ہے۔ اسی طرح قیوم کل انعامات کا سبب ہوتا ہے اور قطب ابدال اور قطب ارشاد جزوی انعامات کا ذریعہ ہیں، اور خاص خاص ایک ایک انعام پر مقرر ہیں، اور قطب وحدت اور فرد کا تعلق براہ راست ذات باری سے ہوتا ہے، اس لئے ان کا مرتبہ غوث اور قیوم سے بہت بلند ہے۔

لفظ غوث کی تشریح

لسان العرب میں لفظ غوث کی تشریح یوں کی گئی ہے:۔

غوث: اجاب اللہ غوثاہ۔ وغواثہ وغواثہ۔

یعنی غوث اسم مصدر بمعنی للفاعل ہے اور اس کے معنی پکارنے والا، دعا کرنے والا، فریاد کرنے والا ہوں گے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ محاورہ عرب میں غوث بمعنی دعا اور پکار کے ہیں جیسے لسان العرب میں ہے:۔

وَلَمْ يَاْتِ فِى الْاَصْوَاتِ شَىْءٌ'' بِالْفَتْحِ غَيْرَهٗ' وَاِنَّمَا يَاْتِىْ بِالضَّمِّ مِثْلُ الْبُكَاءِ وَالدُّعَاءِ وَبِالْكَسْرِ مِثْلُ النِّدَاءِ وَالصِّيَاحِ اِلَّا غَوْثٌ.

پس غوث اسم مصدر ہے جس کے معنی آواز دینا، پکارنا اور دعا کرنا ہے جیسے

غَوَّثَ الرَّجُلُ وَاسْتَغَاثَ صَاحَ وَاَغْوَثَاهُ

اصطلاح صوفیہ میں غوث اس مستجاب الدعوات ہستی کے لئے بولا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتا ہے اور دعا کرتا ہے اور لغتِ عرب اسی معنی کی تائید کرتی ہے، اس لفظ کا معنی 'فریادرس' کرنا محض ایک عامیانہ رواج ہے۔

مستجاب الدعوات ہونے کا مفہوم

عام طور پر یہ خیال اک عقیدہ کی حیثیت اختیار کر چکا ہے کہ جب کوئی انسان منازل سلوک طے کر کے عارف باللہ ہو جاتا ہے تو اس کی ہر دعا قبول ہو جاتی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ دعا بہر حال ایک درخواست ہے حکم نہیں، دیکھئے انبیاء علیہم السلام مستجاب الدعوات ہوتے ہیں، مگر ان کی بھی ساری دعائیں قبول نہیں ہوتیں، اور امام الانبیاء ﷺ کی شان اور مرتبہ سب انبیاء سے ارفع ہے مگر آپ ﷺ کی بھی وہ دعا جو رفع اختلاف امت کے متعلق تھی منظور نہ ہوئی تو یہ خیال کرنا کہ کسی عارف کی ہر دعا قبول ہو جاتی ہے سراسر زیادتی اور کم فہمی کی دلیل ہے۔

صوفیائے کرام کے نزدیک اولیاء اللہ میں سے صرف غوث، قیوم، فرد، قطب وحدت اور صدیق مستجاب الدعوات ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی اگر اللہ تعالیٰ کسی کو مستجاب الدعوات بنا دے تو ناممکن نہیں ہے۔ ان پانچ مناصب کے حضرات بھی کوئی خود مختار، مافوق الاسباب ہستیاں نہیں ہوتیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی محتاج ہیں اور اسی کے حضور دعا کیلئے ہاتھ پھیلاتے ہیں ان کا دعا کرنا ہی انکے محتاج ہونے کی دلیل ہے، اور یہ حضرات دعا بھی باذن اللہ مانگتے ہیں۔ پس مستجاب الدعوات ہونے سے مراد یہ ہوئی کہ ان حضرات کی اکثر دعائیں قبول ہو جاتی ہیں، اور اگر ان کی کوئی دعا قبول نہ ہو تو یہ ان کے منصب کے منافی نہیں۔ ہر کس و ناکس کی بھی تو بعض دعائیں تو قبول ہو جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ ابلیس کی یہ درخواست اللہ تعالیٰ نے منظور فرمائی کہ رَبِّ اَنْظِرْنِىْ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ۔ تو ایک دعا کے قبول ہونے سے یا بعض دعاؤں کے قبول ہونے سے۔

شرائط وآداب دعاء

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں درخواست کرنے کے لئے کچھ آداب ہیں اور دعا کی قبولیت کے لئے چند شرائط ہیں، کتاب وسنت میں ان شرائط کو ملحوظ رکھنے کے لئے تاکید فرمائی گئی ہے۔

۱۔ غذا کا حلال اور پاکیزہ ہونا:۔

قَالَ تَعَالٰى. يٰاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا. وَقَالَ تَعَالٰى. يٰاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا.

اے گروہ انبیاء پاکیزہ رزق کھایئے اور نیک عمل کیجئے۔ اور اے اہل ایمان، زمین کی پاکیزہ اور حلال چیزیں کھاؤ۔

وَعَنْ عَبَّاسٍؓ قَالَ تَلَيْتُ هٰذِهِ الْاٰيَةَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَامَ سَعْدُ ابْنُ اَبِىْ وَقَّاصٍ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يَّجْعَلَنِىْ مُسْتَجَابُ الدَّعْوَاتِ فَقَالَ لَهٗ النَّبِىُّ يَا سَعْدُ اَطِبْ طَعْمَكَ تَكُنْ مُسْتَجَابَ الدَّعْوَةِ وَالَّذِىْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ ﷺ بِيَدِهٖ اَنَّ الْعَبْدَ لَيَقْذِفُ اللُّقْمَةَ الْحَرَامَ فِىْ جَوْفِهٖ مَا يُتَقَبَّلُ مِنْهُ عَمَلُ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا وَاَيُّمَا عَبْدٍ نَبَتَ لَحْمُهٗ مِنْ سُحْتٍ فَالنَّارُ اَوْلٰى بِهٖ . (الترغیب ۲: ۵۴۷)

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت حضور ﷺ کے سامنے پڑھی گئی تو سعد ابن ابی وقاص کھڑے ہو گئے اور عرض کی کہ حضور ﷺ میرے حق میں دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مستجاب الدعوات بنا دے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے سعد! رزق حلال کھاؤ، مستجاب الدعوات بن جاؤ گے۔ قسم اس ذات کی، جس کے قبضہ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے انسان جب لقمہ حرام پیٹ میں ڈالتا ہے، تو چالیس دن تک اس کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔ اور جس انسان کا گوشت حرام غذا سے بنا ہو، اس کے لئے آگ ہی بہتر ہے۔

وقال تعالیٰ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ. ثُمَّ ذَکَرَ الرَّجُلَ یُطِیْلُ السَّفَرَ اَشْعَثَ اَغْبَرَ یَمُدُّ یَدَیْہِ اِلَی السَّمَاءِ یَا رَبِّ یَا رَبِّ وَمَطْعَمُہٗ حَرَام" وَمَشْرَبُہٗ حَرَام" وَمَلْبَسُہٗ حَرَام" وَغُذِیَ بِالْحَرَامِ فَاَنّٰی یُسْتَجَابُ لِذَالِکَ. (رواہ مسلم)

حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے اہل ایمان! پاکیزہ رزق کھاؤ، جو ہم نے تمہیں دیا ہے، پھر آپ ﷺ نے اس کا ذکر کیا جو طویل سفر کرتا ہے، سر کے بال پراگندہ اور غبار آلود ہیں، آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا اٹھا کے اللہ سے دعا کرتا ہے، حالانکہ اس کا کھانا پینا حرام کا ہے، لباس حرام کا ہے، غذا حرام کی ہے، پھر اس کی دعا کیوں کر قبول کی جائے گی

۲۔ لباس کا پاک ہونا اور حلال کی کمائی سے تیار ہونا۔

قال تعالیٰ. وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیْر". وقال تعالیٰ وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ. وَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ مَنْ اَصَابَ مَالاً مِنْ حَرَامٍ فَلَبِسَ مِنْہُ جِلْبَابًا یَعْنِیْ قَمِیْصًا لَمْ یُقْبَلْ صَلٰوتُہٗ حَتّٰی یَنْحِیَ ذٰلِکَ الْجِلْبَابَ عَنْہُ. (الترغیب ۲: ۵۴۸)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، لباس تقویٰ کا اچھا ہے، اور فرمایا اے نبی ﷺ اپنے لباس کو پاک صاف رکھیں۔ اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے حرام مال پایا اور اس سے قمیص بنائی اور پہنی اس کی نماز قبول نہ ہوگی جب تک اس لباس کو اپنے وجود سے جدا نہ کردے۔

۳۔ بدن کا پاک ہونا حدث کبیرا اور صغیر سے:۔

قال تعالیٰ. فِیْہِ رِجَال" یُحِبُّوْنَ اَنْ یَتَطَھَّرُوْا وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُتَطَھِّرِیْنَ.

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اس مسجد میں ایسے مرد ہیں جو پاکیزگی کو دوست رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پاک صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

۴۔ سحر کا وقت ہونا:۔

قال تعالیٰ. وَبِالْاَسْحَارِھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ.

(اور اہل تقویٰ) سحر کے وقت اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں۔

۵۔ استقبال قبلہ۔ ۶۔ خلوص نیت:۔

قال تعالیٰ. فَادْعُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ وقال النبی ﷺ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ.

پس اللہ تعالیٰ کو خلوص دل سے پکارو۔ اور حضور ﷺ نے فرمایا۔ اعمال کا مدار نیت پر ہے۔

۷۔ ادب سے دوزانو بیٹھ کر دعا کرنا۔

وَبَسَطَ یَدَیْہِ وَرَفَعَھُمَا حَذْوَ مَنْکِبَیْہِ وَکَشَفَھُمَا مَعَ التَّاَدُّبِ وَالْخُشُوْعِ وَالْمَسْکَنَۃِ وَالْخُضُوْعِ وَاَنْ یَسْئَلَ اللّٰہَ تَعَالٰی بِاَسْمَاءِ الْحُسْنٰی وَالْاَدْعِیَۃِ الْمَاْثُوْرَۃِ وَیَتَوَسَّلُ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی بِالْاَنْبِیَاءِ وَالصّٰلِحِیْنَ بِخَفْضِ صَوْتٍ .... الخ وَیَمْسَحُ وَجْھَہٗ بِیَدِہٖ بَعْدَ فَرَاغِہٖ. (تحفۃ الذاکرین: ۳۱)

ہاتھوں کو پھیلائے، شانوں تک اٹھائے اور کھول کر رکھے، اور ادب خشوع وخضوع کا خیال رکھے، اور اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کے ساتھ دعا مانگے اور منقولہ دعائیں پڑھے اور انبیاء اور اولیاء اللہ کے توسل سے اور بڑی دھیمی آواز سے دعا کرے اور ختم کر کے ہاتھوں کو چہرے پر پھیر دے۔

۸۔ قبل از دعا کسی عمل صالح کا ہونا ضروری ہے۔

۹۔ دعا کسی قطع رحمی کے لئے نہ ہو۔

۱۰۔ دعا میں حرام اور گناہ کا مطالبہ نہ ہو۔

۱۱۔ دعا امر محال کے لئے نہ ہو۔

۱۲۔ مقبولیت دعا میں جلدی نہ کرنا یعنی یہ خیال نہ کرنا کہ ابھی ابھی دعا قبول ہو جائے اور اگر ایسا نہ ہوا تو دعا ہی ترک کر بیٹھے۔

۱۳۔ مستجاب الدعوات ہونے کے لئے متقی ہونا شرط ہے۔

اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ . اور متقی کی تعریف حضور اکرم ﷺ نے یوں فرمائی:

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ لَا یَبْلُغُ الرَّجُلُ اَنْ یَکُوْنَ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ حَتّٰی یَدَعَ مَالَا بَاْسَ بِہٖ حَذَرًا لِمَا بِہٖ بَاْس". (الترغیب ۲: ۵۵۵)

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ آدمی اس وقت تک متقی نہیں ہو سکتا، جب تک اس چیز کو ترک نہ کردے جس میں (بظاہر) حرام کا شبہ نہیں، مگر اس اندیشے سے کہ وہ چیز کہیں حرام تک نہ لے جائے۔

فائدہ: متقی کے لئے مشکوک مال، غذا، لباس وغیرہ سے اجتناب لازمی ہے کیونکہ حرام کھانے والا جہنمی ہے اور جہنمی متقی نہیں ہو سکتا۔

عدم قبولیت دعا۔

وَلَا یُعْتَرَضُ عَلٰی ذٰلِکَ بِتَخَلُّفِہٖ عَنْ بَعْضِ الدَّاعِیْنَ لِاَنَّ سَبَبَ التَّخَلُّفِ وُقُوْعُ الْخَلَلِ فِیْ شَرْطٍ مِنْ شُرُوْطِ الدُّعَاءِ کَالْاِحْتِرَازِ فِی الْمَطْعَمِ وَالْمَشْرَبِ وَالْمَلْبَسِ اَوْلِاسْتِعْجَالِ الدَّاعِیْ اَوْ یَکُوْنُ الدُّعَاءُ بِاِثْمٍ اَوْ قَطِیْعَۃِ رَحْمٍ اَوْ تَحْصِیْلِ الْاِجَابَۃِ وَیَتَاَخَّرُ وُجُوْدُ الْمَطْلُوْبِ لِمَصْلِحَۃِ الْعَبْدِ اَوْلِاَمْرٍ یُرِیْدُ اللّٰہُ تَعَالٰی. (فتح الباری ۳: ۲۲)

بعض دعا کرنے والوں کی دعاء کے قبول نہ ہونے پر اعتراض نہ کیا جائے، کیونکہ دعا کا قبول نہ ہونا کسی شرط میں خلل واقع ہو جانے کے سبب سے ہوتا ہے، جیسا کھانے پینے اور لباس کے معاملے میں احتیاط نہ کی جائے، یا دعا کرنے والے نے جلدی کی یا کسی گناہ یا قطع رحم کی دعا کی یا دعا تو قبول ہوگئی مگر مطلوب کے حصول میں اس بندے کی مصلحت کی وجہ سے تاخیر کی گئی یا کسی ایسے امر کی وجہ سے تاخیر ہوگئی جسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ بعض اوقات دعا تو قبول ہو جاتی ہے مگر قبولیت کا ظہور مدت کے بعد ہوتا ہے مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا تو قبول ہوگئی مگر اثر چالیس سال کے بعد ظاہر ہوا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَکُمْ رَبِّیْ تو اس کا اثر اٹھارہ سال کے بعد ظاہر ہوا۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا تو قبول ہوگئی، مگر تیرہ سال بعد بیٹا پیدا ہوا۔

اور دعا کی قبولیت کے متعلق علامہ ابن حجر نے فرمایا:

وَاِنَّمَا یَتَّفِقُ ذٰلِکَ لِمَنْ تَعَوَّدَ الذِّکْرَ وَاسْتَاْنَسَ بِہٖ وَغَلَبَ عَلَیْہِ حَتّٰی صَارَ حَدِیْثَ نَفْسِہٖ فِیْ نَوْمِہٖ وَیَقْظِہٖ فَاَکْرَمَ مَنِ اتَّصَفَ بِذَالِکَ بِاِجَابَۃِ دَعْوَتِہٖ وَقُبُوْلِ صَلٰوتِہٖ. (فتح الباری ۳: ۲۷)

اس شخص کی دعا کی قبولیت پر اتفاق ہے جو ذکر الٰہی کا عادی ہو اور ذکر سے انس پیدا کر چکا ہو، ذکر الٰہی کا اس پر ایسا غلبہ ہو کہ ہر سانس میں نیند میں، بیداری غفلت غفلت نہ ہو، ایسا شخص مستجاب الدعوات ہوتا ہے اور قبولیت صلوٰۃ سے نوازا جاتا ہے۔

وَمِنْ حُقُوْقِ النَّفْسِ قَطْعُھَا عَمَّا سِوَی اللّٰہِ تَعَالٰی جَلَّ جَلَالُہٗ لٰکِنْ ذٰلِکَ یَخْتَصُّ بِالتَّعَلُّقَاتِ الْقَلْبِیَّۃِ. (فتح الباری ۳: ۲۳)

(اور یہ دوام ذکر الٰہی اس شخص کو حاصل ہوتا ہے) جس کا تعلق قلبی ماسوائے اللہ سے بالکل منقطع ہو چکا ہو لیکن یہ ذکر مختص ہے ذکر قلبی سے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ مستجاب الدعوات وہ شخص ہوتا ہے، جس کا تعلق قلبی اللہ تعالیٰ کے ساتھ پختہ ہو۔ مخلوق سے قلبی انقطاع مکمل ہو، تزکیہ نفس مکمل ہو چکا ہو۔ دوام ذکر حاصل ہو، یہ اوصاف صرف اولیاء اللہ کاملین میں پائے جاتے ہیں، اس لئے مستجاب الدعوات بھی وہی ہوتے ہیں۔

شیخ ابن الہمام نے اپنی کتاب ''سلاح المومنین'' میں دعا کا طریقہ یوں بیان فرمایا ہے کہ ابتداء یوں کرے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ. وَالرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ الْاَوَّلِ الْقَدِیْمِ الْحَلِیْمِ الْحَکِیْمِ. حَمْداً کَثِیْراً طَیِّباً مُبَارَکاً فِیْهِ حَمْداً یُوَافِیْ نِعَمَهٗ وَیُکَافِیْ مَزِیْدَهٗ وَلَا نُحْصِیْ ثَنَاءً'' عَلَیْهِ هُوَ کَمَا اَثْنیٰ عَلٰی نَفْسِهٖ فَلَکَ الْحَمْدُ حَتّٰی تَرْضٰی.

پھر کہے:۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَشَرِّفْ وَکَرِّمْ وَعَظِّمْ عَلٰی رَسُوْلِکَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الطَّاهِرِ الزَّکِیِّ وَاٰلِهِ الطَّیِّبِیْنَ وَصَحْبِهٖ الْمُحَقِّقِیْنَ وَسَلِّمْ عَلَیْهِمْ تَسْلِیْماً عَدَدَ ذِکْرَ الذَّاکِرُوْنَ وَغَفَلَ عَنْ ذِکْرِهِمُ الْغَافِلُوْنَ.

پھر اپنا مطلب پیش کرے۔

بزبان رسول اللہ ﷺ

انسان کی حقیقی قدر و قیمت اور اصلی عظمت و برتری کا اندازہ اس وقت ہوگا جب اس کی فرد عمل مالک حقیقی کے سامنے پیش ہوگی اور اسے فوز عظیم کا مژدہ سنا کر انعام و اکرام کا مستحق قرار دیا جائے گا، اس لئے حقیقی کامرانی و فلاح اور حقیقی عظمت و شان وہی ہے جسے اخروی کامیابی اور ابدی راحت کہا جاتا ہے، اس دنیا کی چند روزہ شان و شوکت فریب نظر اور غرور نفس کے سوا کچھ نہیں۔

وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ۔

قیامت کے دن اولیاء اللہ کی شان

۱۔ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ اِنَّ لِلّٰہِ جُلَسَاءَ یَوْمَ الْقِیٰمۃ عَنْ یَمِیْنِ الْعَرْشِ وَکِلْتَا یَدَیِ اللّٰہِ یَمِیْنٌ" عَلٰی مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ وُجُوْھُھُمْ مِنْ نُوْرٍ لَیْسُوْا بِاَنْبِیَاءَ وَلَا شُھَدَاءَ وَلَا صِدِّیْقِیْنَ. قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَنْ ھُمْ قَالَ ھُمُ الْمُتَحَابُّوْنَ بِجَلَالِ اللّٰہِ تَعَالٰی. اَلْمُتَحَابُّوْنَ بِجَلَالِ اللّٰہِ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی. اَلْمُتَحَابُّوْنَ بِجَلَالِ اللّٰہِ تَعَالٰی. (رواہ احمد باسنادہ لاباس بہ (الترغیب ۴: ۱۹))

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے پاس عرش کے دائیں جانب بیٹھنے والے کچھ لوگ ہوں گے، اور اللہ کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں، منبروں پر بیٹھے ہوں گے، منبر نور کے ہوں گے، ان کے چہرے منور ہوں گے وہ نہ انبیاء ہوں گے، نہ شہداء ہوں گے، نہ صدیقین۔ عرض کیا گیا۔ حضور! پھر وہ کون لوگ ہوں گے؟ تین بار فرمایا۔ وہ اللہ کے لئے باہم محبت کرنے والے لوگ ہوں گے۔

۲۔ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰہِ عِبَادًا لَیْسُوْا بِاَنْبِیَاءِ یَغْبِطُھُمُ الْاَنْبِیَاءُ وَالشُّھَدَاءُ قِیْلَ مَنْ ھُمْ لَعَلَّنَا نُحِبُّھُمْ قَالَ ھُمْ تُحَابُّوْنَ بِنُوْرِ اللّٰہِ مِنْ غَیْرِ اَرْحَامٍ وَلَا اَنْسَابٍ وُجُوْھُھُمْ نُوْرٌ" عَلٰی مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ لَا یَخَافُوْنَ اِذَا خَافَ النَّاسُ وَلَا یَحْزَنُوْنَ اِذَا حَزِنَ النَّاسُ ثُمَّ قَرَأَ اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ" عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ. (الترغیب ۴: ۵. نسائی و ابن حبان)

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو انبیاء نہیں مگر قیامت کے دن انبیاء اور شہداء ان پر رشک کریں گے، عرض کیا گیا وہ کون ہیں تاکہ ہم ان سے محبت رکھیں؟ فرمایا وہ ایسے لوگ ہیں کہ (اللہ نے ان کے دلوں میں نور بھر دیا ہے) اللہ کے نور کی وجہ سے ایک دوسرے کو دوست رکھتے ہیں، نہ ان میں خونی رشتہ ہے، نہ نسب کا اشتراک، ان کے چہرے نورانی ہوں گے، وہ نور کے منبروں پر بیٹھے ہوں گے۔ جب لوگ خوف زدہ ہوں گے انہیں کوئی خوف نہ ہوگا اور جب لوگ غمگین ہوں گے انہیں کوئی غم نہ ہوگا۔ پھر حضور ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ الا ان اولیاء اللہ......الخ یاد رکھو اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے، نہ وہ مغموم ہوتے ہیں۔

۳۔ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ لِلّٰہِ عِبَادًا یُجْلِسُھُمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ عَلٰی مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ یَغْشٰی وُجُوْھَھُمُ النُّوْرُ حَتّٰی یَفْرُغَ مِنْ حِسَابِ الْخَلَائِقِ. (رواہ الطبرانی باسناد جید. الترغیب ۴: ۲۰)

۴۔ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰہِ لَاُنَاسٌ" مَا ھُمْ بِاَنْبِیَاءَ وَلَا شُھَدَاءَ یَغْبِطُھُمُ الْاَنْبِیَاءُ وَالشُّھَدَاءُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ بِمَکَانِھِمْ مِنَ اللّٰہِ فَقَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَاخْبِرْنَا مَنْ ھُمْ. قَالَ ھُمْ تَحَابُّوْنَ بِرُوْحِ اللّٰہِ عَلٰی غَیْرِ اَرْحَامٍ بَیْنَھُمْ وَلَا اَمْوَالٍ یَتَعَاطَوْنَھَا. فَوَاللّٰہِ اِنَّ وُجُوْھَھُمْ لَنُوْرٌ" وَاِنَّھُمْ لَعَلٰی نُوْرٍ وَلَا یَخَافُوْنَ اِذَا خَافَ النَّاسُ وَلَا یَحْزَنُوْنَ اِذَا حَزِنَ النَّاسُ وَقَرَأَ ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ" عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ. (رواہ ابوداؤد. الترغیب ۴: ۲۰)

۵۔ وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ. لَیَبْعَثَنَّ اللّٰہُ اَقْوَامًا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ فِیْ وُجُوْھِھِمُ النُّوْرُ عَلٰی مَنَابِرَ اللُّؤْلُؤِ یَغْبِطُھُمُ النَّاسُ لَیْسَ بِاَنْبِیَاءِ وَلَا شُھَدَاءِ قَالَ فَجَثٰی اَعْرَابِی" عَلٰی رُکْبَتِہٖ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ جَلِّھِمْ لَنَا نَعْرِفْھُمْ قَالَ ھُمُ الْمُتَحَابُّوْنَ فِی اللّٰہِ مِنْ قَبَائِلَ شَتّٰی وَبِلَادٍ شَتّٰی یَجْتَمِعُوْنَ عَلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ یَذْکُرُوْنَہٗ' (رواہ الطبرانی باسناد حسن. (الترغیب ۴: ۲۰)

٦. عَنْ اَبِیْ مَالِکِ الْاَشْعَرِیِّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِسْمَعُوْا وَاعْقِلُوْا وَاعْلَمُوْا اَنَّ لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ عِبَادًا لَیْسُوْا بِاَنْبِیَاءَ وَلَا شُهَدَاءَ یَغْبِطُهُمُ الْاَنْبِیَاءُ وَالشُّهَدَاءُ عَلٰی مَنَازِلِهِمْ وَقُرْبِهِمْ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی فَجَثٰی رَجُلٌ'' مِنَ الْاَعْرَابِ مِنْ قَاصِیَةِ النَّاسِ وَاَلْوٰی بِیَدِهٖ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ ﷺ نَاسٌ'' مِنَ النَّاسِ لَیْسُوْا بِاَنْبِیَاءَ وَلَا شُهَدَاءَ یَغْبِطُهُمُ الْاَنْبِیَاءُ وَالشُّهَدَاءُ عَلٰی مَجَالِسِهِمْ وَقُرْبِهِمْ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی اِلٰی اَنْ قَالَ لَیَضَعُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ فَیَجْلِسُوْنَ عَلَیْهَا فَیَجْعَلُ وُجُوْهَهُمْ نُوْرًا وَثِیَابَهُمْ نُوْرًا یَفْزَعُ النَّاسُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَلَا یَفْزَعُوْنَ وَهُمْ اَوْلِیَاءُ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ'' عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ. (رواه ابو یعلی واحمد والحاکم وقال صحیح الاسناد. الترغیب. ۴: ۲۲)

فائدہ:۔ ان احادیث میں جن اولیائے کرام کا ذکر ہے وہ ایسے ذاکرین، زہاد اور اللہ کے مخلص بندے ہیں جو مجاہدہ اور ریاضت اور زہد وعبادت سے تزکیہ باطن میں لگے رہے اور انبیاء کرام اور اصحاب سلاسل بزرگوں کی شان تو ان سے بہت بلند ہے کیونکہ ان حضرات نے اللہ کی مخلوق کو ہدایت کی راہ دکھائی اور اللہ کے بندوں کی اصلاح کی، پھر انبیاء کے غبطہ کرنے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء کرام سے ان کی امتوں کے متعلق سوال ہوگا، اور اصحاب سلسلہ بزرگوں سے ان کے مریدین کے متعلق سوال ہوگا، مگر یہ لوگ اس ذمہ داری سے آزاد ہوں گے اس بناء پر انبیاء اور شہداء کو غبطہ ہوگا۔ وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سوال وجواب کی فکر سے آزاد کردے اس کی حالت اور اس کی شان کیوں کر قابل رشک نہ ہوگی؟

دنیوی زندگی میں اولیاء اللہ کی حالت

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنِ انْقَطَعَ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی کَفَاهُ اللّٰهُ تَعَالٰی کُلَّ مَئُوْنَةٍ وَرَزَقَهٗ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ. (الترغیب ۴: ۱۷۸)

حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو خلق سے منقطع ہو کر اللہ کا ہو رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی تمام تکالیف کا خود ذمہ دار ہو جاتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے کہ اسے اس کا گمان تک نہیں ہوتا۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ وَمَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُهٗ عَلَیْهِ وَمَا زَالَ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ فَکُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ وَیَدَهُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِهَا وَاِنْ سَاَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّهٗ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّهٗ. (فتح الباری مع بخاری ۱۱: ۲۷۲)

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے میرے ولی کے ساتھ دشمنی رکھی۔ میری طرف سے اس کے خلاف اعلان جنگ ہے۔ میرا بندہ میرا قرب حاصل کرنے کے لئے جو کچھ کرتا ہے میرے نزدیک سب سے محبوب وہ عبادت ہے جو میں نے اس پر فرض قرار دی ہے، اور میرا بندہ ہمیشہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا ہے، حتیٰ کہ میں اسے محبوب بنالیتا ہوں اور جب میں اسے محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ گرفت کرتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور جب وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں اور جب میرے پاس پناہ ڈھونڈتا ہے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں۔

قَالَ الطُّوْفِیُّ هٰذَا الْحَدِیْثُ اَصْلٌ'' فِی السُّلُوْکِ اِلَی اللّٰهِ وَالْوُصُوْلِ اِلٰی مَعْرِفَتِهٖ وَمَحَبَّتِهٖ وَطَرِیْقِهٖ اِذَا الْمُفْتَرَضَاتُ الْبَاطِنَةُ وَهِیَ الْاِیْمَانُ وَالظَّاهِرَةُ وَهِیَ الْاِسْلَامُ وَالْمُرَکَّبُ مِنْهُمَا وَهُوَ الْاِحْسَانُ کَمَا تَظْهَرُ حَدِیْثُ جِبْرِیْلَ وَالْاِحْسَانُ یَتَضَمَّنُ مَقَامَاتِ السَّالِکِیْنَ مِنَ الزُّهْدِ وَالْاِخْلَاصِ وَالْمُرَاقَبَةِ وَغَیْرِهَا.

علامہ طوفی نے کہا ہے کہ یہ حدیث سلوک الی اللہ اور اس کی محبت ومعرفت کے وصول اور اس کی راہ پر چلنے میں اصل کی حیثیت رکھتی ہے، اس کا طریقہ فرائض باطنیہ یعنی ایمان اور ظاہر یعنی اسلام اور ان دونوں سے مرکب یعنی، احسان کی بجا آوری ہے جیسا کہ حدیث جبریل سے ظاہر ہے، اور احسان عبارت ہے مقامات سالکین سے جیسے زہد، اخلاص اور مراقبہ وغیرہ۔

قرب الٰہی کے مدارج

یہ ذکر کیا جاچکا ہے کہ ولایت کے دو رکن ہیں، اول اتباع شریعت دوم باطن کا انوارِ حقیقت میں مستغرق ہو جانا اور ولایت کا مفہوم ہے حصول قرب الٰہی اور حصول قرب الٰہی کے وسائل دو ہیں، اول اطاعتِ الٰہی، دوم اجتناب از معصیت۔

لَمَّا کَانَ وَلِیُّ اللّٰہِ مَنْ تَوَلّٰی اللّٰہُ بِالطَّاعَۃِ وَالتَّقْوٰی تَوَلَّ اللّٰہُ تَعَالٰی بِالْحِفْظِ وَالنُّصْرَۃِ۔ (فتح الباری مع بخاری ۱۱: ۲۷۳)

انسان کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی دوستی کا ثبوت اس کی اطاعت اور تقویٰ سے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوستی کا اظہار حفاظت اور نصرت سے ہوگا

(۱) قرب فرائض

بخاری کی مندرجہ بالا حدیث قدسی سے قرب الٰہی کے تین مدارج ثابت ہوئے، قرب فرائض، قرب نوافل اور درجہ محبوبیت۔ قرب فرائض یہ ہے کہ بندہ اپنی ہستی کو بالکل مٹا دے، جس کو صوفیہ فنائے ذات سے تعبیر کرتے ہیں۔ یعنی انسان اپنا ارادہ مٹا دے خود محض آلہ بن جائے اور اللہ تعالیٰ فاعل۔

کَمَا قَالَ تَعَالٰی۔ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ

بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو اس بات کے عوض خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی

(۲) قرب نوافل

قرب نوافل سے وہ ترقی حاصل ہوتی ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔

کَمَا قَالَ الرَّازِیُّ۔ وَلَمَّا کَانَ لَا نِھَایَۃَ لِتَزَایُدِ اَنْوَارِ الْمَرَاتِبِ لَا جَرَمَ لَا نِھَایَۃَ لِسَفْرِ الْعَارِفِیْنَ فِیْ مَقَامَاتِ الْعَالِیَۃِ الْقُدْسِیَّۃِ وَذَالِکَ بَحْرٌ "لَا سَاحِلَ لَہٗ" وَمَطْلُوْبٌ "لَا نِھَایَۃَ لَہٗ" سُبْحَانَ مَنْ اَعْطٰی تِلْکَ الْقُرُبَاتِ لِاَوْلِیَائِہٖ۔ (تفسیر کبیر)

جب تزائد انوار مرتب کی انتہا نہیں تو عارفین کے سفر کی بھی مراتب عالیہ میں انتہا نہیں، یہ ایسا سمندر ہے جس کا کنارہ نہیں، اور یہ ایسا مطلوب ہے جس کی انتہا نہیں۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے اولیاء کو یہ قرب عطا فرمائے

فائدہ:۔ روح ان اجسام سے نہیں جو متفرق اور متغرق ہو جاتے ہیں، بلکہ یہ ایسے جوہر سے ہے جو ملائکہ سے بھی الطف ہے اور اس کا مسکن مافوق العرش عالم امر ہے مگر تعلق بدن سے اپنے اصلی وطن کو بھول جاتا ہے اور اس کی قوت پرواز یا تو بالکل ختم ہو جاتی ہے یا نہایت کمزور ہو جاتی ہے، جب کسی عارف کامل نے اسے اپنے وطن سے مانوس کرایا، ذکر الٰہی کی کثرت ہوئی اور اسم الظاہر والباطن اس کے پر بن گئے تو قوت پرواز لوٹ آئی اور روح انوار معرفت سے منور ہو گئی۔

وَاَشْرَقَتْ عَلَیْھَا اَنْوَارُ الْاَرْوَاحِ السَّمَاوِیَّۃِ الْعَرْشِیَّۃِ الْمُقَدَّسَۃِ وَفَاضَتْ عَلَیْھَا مِنْ تِلْکَ الْاَنْوَارِ قَوِیَتْ طَیْرَانُھَا۔

اور جب روح پر انوار ارواح سمائیہ عرشیہ مقدسہ پر تو افگن ہوتے ہیں تو ان کے فیضان سے اس کی قوت پرواز ترقی کرتی ہے (اور وہ اپنے وطن اصلی کی طرف مشتاقانہ پرواز کرنے لگتی ہے)

(۳) درجہ محبوبیت

عارف کو محبوبیت کا درجہ اس وقت حاصل ہوتا ہے، جب اس کی آنکھوں میں اس کے کانوں میں، اس کے ہاتھ پاؤں میں، بلکہ تمام اعضاء جوارح میں غیر اللہ کا کچھ حصہ نہ رہے، اسی حدیث سے ابن قیم نے کتاب الروح میں یہ ثابت کیا ہے کہ اولیاء اللہ کا قلب صاف آئینہ بن جاتا ہے، اور اس سے تمام چیزوں کو اپنی حقیقت پر دیکھتے ہیں۔

فَصَارَ قَلْبُہٗ کَالْمِرْاٰۃِ الصَّافِیَۃِ تَبْدُوْا فِیْھَا صُوَرُ الْحَقَائِقِ عَلٰی مَاھِیَ عَلَیْہِ فَلَا تَکَادُ تَخْطِیْ لَہٗ فَرَاسَتُہٗ فَاِنَّ الْعَبْدَ اِذَا بَصَرَ بِاللّٰہِ اَبْصَرَ عَلٰی مَا ھُوَ عَلَیْہِ فَاِذَا سَمِعَ بِاللّٰہِ سَمِعَہٗ عَلٰی مَاھُوَ عَلَیْہِ۔

پس اس کا دل صاف آئینہ ہو جاتا ہے اور اس آئینہ صافی میں اشیاء کی حقیقی صورتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ اس کی فراست خطا نہیں کرتی کیونکہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دیکھتا ہے تو اس چیز کو اپنی اصلی صورت پر دیکھتا ہے اور جب سنتا ہے اسے اپنی اصل پر سنتا ہے۔

فائدہ:۔ اس سے کشف حقیقی کے علاوہ رویت اشکال کا مراقبہ بھی ثابت ہوا۔ مگر اس قدر ترقی کر جانے کے باوجود طالب صادق اور عارف حقیقی مزید ترقی کا طالب ہی رہتا ہے۔

وَفِیْ ھٰذَا الْحَدِیْثِ اَنَّ الْعَبْدَ وَلَوْ بَلَغَ اَعْلَی الدَّرَجَاتِ حَتّٰی یَکُوْنَ مَحْبُوْبًا لِلّٰہِ تَعَالٰی عَزَّ وَجَلَّ لَا یَنْقَطِعُ عَنِ الطَّلَبِ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی لِمَا فِیْہِ مِنَ الْخُضُوْعِ لَہٗ وَاظْھَارِ۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ بندہ خواہ کتنے بلند درجات تک پہنچ جائے، حتیٰ کہ محبوب خدا بن جائے۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ سے ترقی کا طالب ہی رہے گا۔ کیونکہ اس میں خشوع وخضوع اور اظہار عبودیت ہے (اور بندہ کے لئے انتہائی مقام عبودیت

الْمَعْمُوْدِيَةِ. (فتح الباری ۱۱: ۲۷۳)

فائدہ: حدیث بخاری (مندرجہ صفحہ ۸۴) سے یہ امور ثابت ہوئے:۔

۱۔ فرائض راس المال ہیں اور نوافل بمنزلہ منافع ہیں۔
۲۔ جب تک قرب فرائض حاصل نہ ہو قرب نوافل حاصل نہیں ہوتا، کیونکہ فرائض بمنزلہ بنیاد کے ہیں۔
۳۔ قرب الٰہی ادائے فرائض و نوافل پر موقوف ہیں۔
۴۔ اولیاء اللہ کو جو مناصب ملتے ہیں وہ قرب الٰہی پر موقوف ہیں۔
۵۔ قرب الٰہی کسی منصب پر موقوف نہیں۔
۶۔ جو ولی اللہ منصب محبوبیت پر فائز ہوتا ہے وہ مستجاب الدعوات بن جاتا ہے۔
۷۔ ولی اللہ سے دشمنی اور بغض رکھنے میں سوء خاتمہ کا خطرہ ہے۔
۸۔ الہام صاحب الہام کے لئے حجت ہے بشرطیکہ کسی منصوص شرعی حکم کے مخالف نہ ہو۔

اولیاء اللہ کی پہچان

ولایت کے دو ارکان ہیں جس میں یہ دونوں ارکان متحقق ہو گئے وہ ولی اللہ ہے۔

كَمَا قَالَ الرَّازِيْ. قَدْ يُعْرَفُ كَوْنُهٗ وَلِيًّا فَقَدْ اِحْتَجُّوْا عَلٰى صِحَّةِ قَوْلِهِمْ بِاَنَّ الْوِلَايَةَ لَهَا رُكْنَانِ اَحَدُهُمَا كَوْنُهٗ فِى الظَّاهِرِ مِنْقَادًا لِلشَّرِيْعَةِ الثَّانِىْ كَوْنُهٗ فِى الْبَاطِنِ مُسْتَغْرِقًا فِىْ نُوْرِ الْحَقِيْقَةِ فَاِذَا حَصَلَ الْاَمْرَانِ عُرِفَ الْاِنْسَانُ حُصُوْلَهُمَا عُرِفَ لَا مَحَالَةَ كَوْنُهٗ وَلِيًّا. (تفسیر کبیر ۵: ۴۷۱)

ولی کی پہچان یہ ہے اور اپنے قول کی صحت پر انہوں نے دلیل پیش کی ہے کہ ولایت کے دو رکن ہیں ایک یہ کہ ظاہر میں شریعت کا متبع ہو، دوسرا یہ کہ اس کا باطن نور حقیقت میں مستغرق ہو، جب یہ دونوں باتیں پائی جائیں انسان کو ان کے حصول کی معرفت ہو جائے تو لازماً وہ اللہ کا دوست ہوگا۔

بعض نے اس سے اختلاف کیا ہے کہ عارف باللہ، زاہد و عابد، ملہم و مکاشف تو کہا جا سکتا ہے مگر ولی اللہ کہنا مشکل ہے کیونکہ یہ معلوم ہونا مشکل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھی اسے دوست قرار دیا ہے یا نہیں؟

مشکوٰۃ میں اولیاء کی پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خِيَارُ عِبَادِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ إِذَا رُءُوْا ذُكِرَ اللّٰهُ تَعَالٰى.

خدا کے اچھے بندے وہ ہیں کہ جب انہیں دیکھا جائے تو خدا یاد آ جائے۔

یہ علامت کچھ اس قسم کی نہیں کہ جو چاہے جس کے متعلق چاہے کہہ دے کہ ''حضرت کو دیکھکر خدا یاد آ جاتا ہے'' اور ہر سننے والا اس پر یقین کر لے۔ بلکہ اس سلسلے میں حضرت مجددؒ فرماتے ہیں:۔

''اولیاء شریعت کے ظاہر اور باطن کے موافق دعوت کرتے ہیں۔ اول مریدوں اور طالبوں کو توبہ اور انابت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ احکام شرعیہ کے بجالانے کی ترغیب دیتے ہیں۔ پھر ذکر الٰہی بتاتے ہیں اور تاکید کرتے ہیں کہ ہر وقت ذکر میں مشغول ہیں۔

ظاہر ہے کہ ولی کو اس دعوت کے لئے جو شریعت کے ظاہر و باطن سے تعلق رکھتی ہے، خوارق کی کیا ضرورت ہے۔ پیری و مریدی اس دعوت سے مراد ہے، جس کا خوارق و کرامات سے تعلق اور واسطہ نہیں۔ وہ علامت جس سے اس گروہ کا سچا اور جھوٹا جدا ہو سکے یہ ہے کہ جو شخص شریعت پر استقامت رکھتا ہو اس کی مجلس میں دل کو حق تعالیٰ کی طرف رغبت و توجہ پیدا ہو جائے اور ماسوا کی طرف سے دل سرد ہو جائے، وہ شخص سچا ہے۔ مکتوبات دفتر دوم مکتوب نمبر ۹۲

اولیاء اللہ کی امتیازی شان

صاحب تفسیر مظہری نے سورہ ''سبا'' کی تفسیر کے سلسلے میں فرمایا:۔

وَقَدْ يَاْتِىْ عَلٰى بَعْضِ الْاَكَابِرِ حَالَةٌ" يَخْرُجُ فِيْهِ مِنْ حِيْزِ الزَّمَانِ فَيَرَى الْمَاضِىَ وَالْمُسْتَقْبِلَ مَوْجُوْدًا عِنْدَهٗ وَيَشْهَدُ عَلَيْهِ مَارَوَاهُ الشَّيْخَانِ فِى الصَّحِيْحَيْنِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عَبَّاسٍ. قَالَ؟ اِنْخَسَفَ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالنَّاسُ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا. اِلٰى اَنْ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِنَّا رَأَيْنَاكَ تَنَاوَلْتَ شَيْئًا فِىْ مَقَامِكَ هٰذَا ثُمَّ رَأَيْنَاكَ

بعض اکابر پر کبھی ایسا وقت بھی آتا ہے کہ وہ قید زمان سے آزاد ہو جاتے ہیں اور ماضی و مستقبل کو اپنے سامنے دیکھتے ہیں، اس پر صحیحین کی یہ حدیث شاہد ہے کہ عبداللہ ابن عباس راوی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے عہد میں سورج گرہن لگا تو حضور ﷺ نے اور دوسرے لوگوں نے نماز خسوف پڑھی اور طویل قیام کیا، لوگوں نے دریافت کیا کہ ہم نے دیکھا کہ آپ کسی چیز کو پکڑنے کے لئے آگے بڑھے پھر پیچھے ہٹے۔ آپ نے فرمایا میں نے جنت دیکھی، جنت کے میوے سے ایک خوشہ پکڑنا چاہا۔ اگر میں اسے پکڑ

تکعکعت فقال انی رایت الجنة فتناولت منها عنقودا ولو اخذته، لاکلتم منه مابقیت الدنیا الی ان قال لا یقال لعل النبی ﷺ رای صورة الجنة فی عالم المثال مثل ما یری النائم فی المنام لان قوله ﷺ لو اخذته، لاکلتم ما بقیت الدنیا صریح فی انه ﷺ رای حقیقة النار والجنة دون مثالها.

لیتا تو تم رہتی دنیا تک اسے کھاتے رہتے۔ یہاں یہ نہ کہا جائے کہ حضور ﷺ نے جنت کی مثالی صورت دیکھی جیسے آدمی خواب میں دیکھتا ہے، کیونکہ حضور کا یہ فرمانا کہ اگر میں اسے پکڑ لیتا تو تم رہتی دنیا تک اسے کھاتے رہتے صاف ظاہر کرتا ہے کہ حضور ﷺ نے حقیقی جنت و دوزخ کا مشاہدہ کیا، صرف مثالی صورت نہیں دیکھی

فوائد: (۱)۔ عارف قلب کی آنکھ سے ساری چیزیں دیکھتا ہے مثلاً منازل سلوک، بیت المعمور، بیت العزۃ، سدرۃ المنتہیٰ، جنت، دوزخ، عرش، کرسی، لوح محفوظ، جنت کے ثمرات اور اس کی نہریں، ملائکہ، ارواح اور جنات وغیرہ اور ان کا دیکھنا حقیقت پر محمول ہوتا ہے۔ ان اشیاء کی مثالی صورتیں نہیں ہوتیں۔

(۲)۔ اولیاء اللہ زمین پر ہوتے ہیں، مگر ان کی روح قید زمان و مکاں سے آزاد ہوتی ہے۔

اولیاء اللہ سے دشمنی اللہ سے دشمنی ہے۔

یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ علم تابع معلوم کے ہوتا ہے، اگر معلوم اعلیٰ اور عظیم ہے تو علم بھی عظیم ہوگا اس قاعدہ کی روشنی میں اس حقیقت پر غور کریں۔

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (ای لیعرفون)

میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔ یعنی میری معرفت حاصل کریں۔

جب معرفت الٰہی حاصل ہوگئی تو مقصد تخلیق پورا ہوگیا۔ پس ایسے مقبولین خدا جو غایت تخلیق کا مصداق ہیں ان سے دشمنی رکھنا کور باطنی کی دلیل ہے۔

ویکفی فی عقوبة المنکر علی الاولیاء قوله ﷺ فی الحدیث الصحیح من عادی لی ولیا فقد اذنته بالحرب. ای اعلمته انی محارب له، ومن حارب الله لا یفلح ابدا وقد قال العلماء لم یحارب الله عاصیا الا المنکر علی اولیاء الله واکل الربوا وکل منها یخشی علیه خشیة قریبة جدا من سوء الخاتمة ولا یحارب الله تعالی الا کافرا. اقل عقوبة المنکر علی الصالحین ان یحرم برکتهم قالوا ویخشی علیه سوء الخاتمة وقال بعض العارفین من رایتموه یوذی الاولیاء وینکر مواهب الاصفیاء فاعلموا انه محارب لله تعالی مبعد مطرود عن حقیقة قرب الله تعالی. (فتاوی الحدیثیه ۲: ۲۸۵)

منکرین اولیاء کے لئے وہی عذاب کافی ہے جو صحیح حدیث قدسی میں حضور ﷺ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس نے میرے ولی سے دشمنی کی اس سے میں اعلان جنگ کرتا ہوں یعنی میں نے اسے بتا دیا کہ میں اس سے جنگ کروں گا جس نے خدا سے جنگ کی وہ کبھی نجات نہ پائے گا اور علمائے امت نے کہا ہے کہ محارب خدائے تعالیٰ صرف دو ہیں۔ ایک منکر اولیاء اور دوسرا سود خور اور ان میں سے ہر ایک کے متعلق خطرہ ہے۔ کہ ایمان ضائع کر کے مرے گا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ سے جنگ تو کافر ہی کرتا ہے۔ اور بہت کم عذاب منکرین اولیاء کے لئے یہ ہے کہ ان کی برکت سے محروم ہیں، اور سوء خاتمہ کا خوف ہے۔ بعض عارفین کا فرمان ہے کہ جب دیکھو کہ کوئی شخص ولی اللہ کو ایذا دیتا ہے اور برکات اصفیاء کا منکر ہے تو سمجھ لو کہ وہ خدا سے جنگ کرنے والا ہے اور قرب الٰہی سے دور اور مردود ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ

وعن ابن عمر ان عمر خرج الی المسجد فوجد معاذا عند قبر النبی ﷺ یبکی .... الی ان قال

حضرت عمر مسجد کی طرف گئے اور حضرت معاذ کو حضور ﷺ کی قبر شریف کے پاس روتے ہوئے پایا اور کہا

ومن عادی لی اولیاء الله فقد بارز الله بالمحاربة. ان الله یحب الابرار الاتقیاء الاخفیاء الذین اذا غابوا لم یفتقدوا وان حضروا لم یعرفوا. قلوبهم مصابیح الهدی یخرجون من کل غبراء مظلمة ای من کل فتنة جهالة. (فتاوی الحدیثیه ۲: ۲۸۶. الترغیب ۳: ۴۴۴)

جس نے اولیاء اللہ سے دشمنی رکھی اس نے اللہ سے مقابلہ کیا۔ اللہ تعالیٰ ایسے نیک متقی اور پوشیدہ رہنے والے لوگوں کو پسند فرماتا ہے جو اگر موجود نہ ہوں تو ان کی تلاش نہیں کی جاتی اور اگر موجود ہوں تو انہیں پہچانا نہیں جاتا، ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں، وہ ہر اندھیرے سے باہر نکل بچے ہیں، یعنی ہر قسم کی جہالت اور اس کے فتنوں سے محفوظ ہیں۔

فائدہ: اولیاء اللہ سے دشمنی رکھنے کے دو عظیم نقصان ہیں، اول دنیا میں ان کی برکت سے محرومی، دوم سوء خاتمہ کا خطرہ۔ یہ دونوں امور حدیث قدسی سے ثابت ہو گئے۔

ذکر الٰہی (۱۴)

ذکر مطلق منصوص ہے

نصوص قرآنی سے ذکر الٰہی کا مامور بہ ہونا ثابت ہے، بیسیوں آیتیں موجود ہیں، جن میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا حکم پایا جاتا ہے۔ اور یہ حکم کثرت کی قید سے ثابت ہے، البتہ کمیت اور کیفیت کے اعتبار سے مطلق ہے۔ کمیت کے اعتبار سے مطلق ہونے سے مراد یہ ہے کہ ذکر کی کوئی مقدار یا حد مقرر نہیں۔ یعنی اتنی مقدار میں ذکر کیا جائے۔ یا اتنا وقت ذکر کیا جائے۔ اور کیفیت کے اعتبار سے مطلق ہونے سے مراد یہ ہے کہ کسی خاص حالت کی قید نہیں، یعنی انفرادی ہو یا اجتماعی، قیام ہو یا قعود یا اضطجاع، پس جس نوعیت کا ہو اور جس کیفیت سے ہو، سب عموم نص میں داخل ہے۔ لہٰذا کسی خاص حالت یا نوعیت پر اصرار کرنا یا اعتراض کرنا کہ یہ طریقہ بدعت ہے بیجا اعتراض ہے، ایسا اعتراض ذکر الٰہی سے مانع ہونے کے مترادف ہے، ایسے شخص کے لئے وعید موجود ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَیَبْغُوْنَهَا عِوَجًا اَیْ اَلَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ السَّالِکِیْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَیْ اَلطَّرِیْقِ الْمُوْصِلَۃِ اِلَیْہِ تَعَالٰی سُبْحَانَہٗ. وَیَبْغُوْنَهَا عِوَجًا بِاَنْ یَصِفُوْنَهَا بِمَا یَنْفِرُ السَّالِکُ مِنْهَا مِنَ الزَّیْغِ وَالْعُدُوْلِ عَنِ الْحَقِّ کَاَهْلِ الْبِدْعَةِ وَالرِّیَاءِ.

صاحب روح المعانی نے اس آیت کی تفسیر یوں کی ہے کہ جو لوگ سالکین کو اس طریق سے روکتے ہیں جو موصل الی الحق ہے اور اس میں کجی کا قصد کرتے ہیں۔ اس طرح کہ اس طریق کو اس رنگ میں بیان کرتے ہیں کہ سالک کو اس سے نفرت پیدا ہو جائے اور وہ طریق حق سے ہٹ جائے جس طرح بدعتی اور ریا کار کرتے ہیں۔

(روح المعانی)

ذکر الٰہی کے مطلق ثابت ہونے کے بعد یہ اعتراض بھی بے جا ہوگا کہ ذکر سے مراد صرف فرض نماز تلاوت قرآن، تسبیح وتہلیل اور نوافل ہی ہیں، اور صوفیہ کا طریقہ ذکر جو مروجہ ضربات وغیرہ سے کیا جاتا ہے اس سے خارج ہے، چونکہ ذکر مطلق ہے، اس لئے تمام اذکار اور اذکار کی تمام صورتیں اسی کے افراد ہوں گے، نماز اور نوافل، تلاوت قرآن، استغفار، لا الٰہ الا اللہ، اللہ موجود یا صرف اللہ، یا درود شریف اسی مطلق ذکر کے افراد ہوں گے۔

نماز کے علاوہ بھی ذکر کی کوئی صورت ہے؟

نصوص قرآنی سے نہایت وضاحت سے ثابت ہے کہ فرائض اور نوافل کے علاوہ بھی ذکر کی کوئی صورت ہے۔ کما قال تعالیٰ:۔

فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا.

پس جب نماز پوری ہو چکے تو تم زمین میں چلو پھرو، اور خدا سے روزی تلاش کرو، اور اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو۔

(الجمعۃ)

وَقَوْلُہٗ تَعَالٰی: رِجَالٌ '' لَا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَۃٌ '' وَّ لَا بَیْعٌ '' عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ.

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں تجارت بیع وشریٰ اللہ کی یاد اور نماز سے غافل نہیں کرتی۔

(النور)

وَقَوْلُہٗ تَعَالٰی: فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِکُمْ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَابًا مَّوْقُوْتًا.

پھر جب تم نماز ادا کر چکو تو اللہ کی یاد میں لگ جاؤ، کھڑے بھی اور بیٹھے بھی اور لیٹے بھی، اور جب مطمئن ہو جاؤ تو نماز کو قاعدے کے موافق پڑھنے لگو، یقیناً نماز مسلمانوں پر فرض ہے اور وقت کے ساتھ محدود ہے۔

(النساء)

پہلی آیت سے یہ ثابت ہے کہ جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو کاروبار دنیا میں مشغول ہو جاؤ اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔ ظاہر ہے کہ دنیا کا کاروبار نماز سے جداشے ہے، دوسری آیت میں ذکر الٰہی کے بعد نماز کا ذکر ہوا اور ان دونوں کو عطف اور معطوف کی صورت میں پیش کیا گیا۔ تیسری آیت میں اول اور آخر نماز کا بیان ہے، درمیان میں ذکر الٰہی کا بیان ہوا۔ اور ہر حالت میں ذکر کرنے کا حکم ہوا ہے جو نماز سے الگ ہے، اور نماز اوقات سے مقید ہے۔ اور ذکر الٰہی کے ساتھ کثرت کی قید منافی اوقات ہے، کیونکہ اوقات کی ایک حد متعین ہے۔ پس نماز کے علاوہ بھی ذکر الٰہی کی صورتیں ثابت ہو گئیں۔

تلاوت قرآن کے علاوہ بھی ذکر کی کوئی صورت ہے؟

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عَلَیْکَ بِتِلَاوَۃِ الْقُرْاٰنِ وَذِکْرِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ فَاِنَّہٗ ذِکْرٌ '' لَکَ فِی السَّمَاءِ وَنُوْرٌ '' لَکَ فِی الْاَرْضِ.

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تلاوت قرآن کو لازم پکڑ اور ذکر الٰہی کر، کیونکہ اس سے آسمان میں تیرا ذکر ہوگا۔ زمین میں تیرے لئے نور ہوگا

(الترغیب ۳: ۵۳۰)

یہ حدیث حضور ﷺ کی وصیت ہے جو آپ ﷺ نے حضرت ابوذر غفاریؓ کو فرمائی اس سے ثابت ہوا کہ:۔

۱۔ تلاوت قرآن اور ذکر الٰہی میں عطف ہے جس سے تغایر ثابت ہوا، پس ذکر سے مراد تلاوت قرآن نہیں۔ کیونکہ قرآن کریم کا پڑھنا لفظ تلاوت یا قرأت کے ساتھ بولا جاتا ہے، ہاں ذات قرآن پر لفظ ذکر بولا جاتا ہے مگر تلاوت قرآن پر نہیں۔

۲۔ قرآن مجید تو ہر آدمی کو یاد نہیں ہوتا اور قرآن کریم کا یاد کرنا یا پورا پڑھنا فرض کفایہ ہے فرض عین نہیں اور ذکر سب مسلمانوں پر فرض ہے، کیونکہ مامور بہ ہے۔

۳۔ ذکر مقید ہے کثرت سے، جسے قرآن مجید نے تمام حالات میں لازمی قرار دیا ہے، اور تلاوت قرآن ہر حالت میں اور ہر وقت ممکن نہیں جیسے نیند، کاروبار، جب و بول و براز کی حالت میں۔

۴۔ ذکر کی غرض وغایت وصال مسمّی ہے کہ ذکر اسم درمیان سے اٹھ جائے اور مسمّی دل میں رہ جائے مگر قرآن میں قصص، امثال، احکام، عبادات و معاملات کا ذکر ہے، اور قرآن کی تلاوت سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ احکام سمجھے جائیں، یہ نہیں کہ مسمّی ہی دل میں رہ جائے اور احکام اٹھ جائیں۔

مذکورہ بالا نمبر ۴ کے سلسلے میں یہ آیت قابل غور ہے: اُذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ اَىْ فِيْ قَلْبِكَ (روح المعانی)

پس جب ذکر سے مراد ذکر روحی قلبی لیا گیا تو اس سے مراد قرآن نہیں ہو سکتا، کیونکہ قرآنی احکام کی تلاوت کا تعلق زبان سے قرأت کرنے سے ہے خواہ نماز میں کی جائے یا نماز سے خارج اور صرف قلب سے قرآن کی تلاوت کرنے سے نماز ادا نہ ہوگی۔

سوال: جب آپ ذکر کو مطلق پر محمول کرتے ہیں تو یہاں ذکر قلبی سے کیوں مقید کرتے ہیں؟

الجواب: ہم نے محض ارخائے عنان کے طور پر کہا تھا کہ لوگ ذکر کو کثرت نوافل اور نمازوں پر ہی محمول کرتے ہیں تو باقی اذکار کو بدعت کیوں کہتے ہیں؟ حالانکہ تمام اذکار عموم نص میں داخل ہیں۔ پھر ہم نے تخصیص بھی قرآن سے بتا دی کہ اس سے مراد صرف نماز نہیں۔ گو نماز افضل اور اعلیٰ ذکر ہے۔ پھر ذکر قلبی قرآن کی نص سے ثابت کیا اور یہ کہ ہر حال میں صرف ذکر قلبی ہی ممکن ہے۔ تلاوت قرآن اور نماز ممکن نہیں۔

ذکر کثیر مامور بہ ہے

قرآن مجید میں جہاں ذکر الٰہی کا حکم دیا گیا ہے اکثر مقامات پر اس کے ساتھ کثیر کی صفت موجود ہے۔ مثلا

(۱) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا. (الاحزاب)

(۲) وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا. (الاحزاب)

(۳) لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا (الاحزاب)

(۴) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. (الانفال)

(۱) اے اہل ایمان تم اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کیا کرو۔

(۲) اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد

(۳) حضور ﷺ کا عمدہ نمونہ اس شخص کے لئے جو روز آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکر الٰہی کرتا ہو۔

(۴) اے اہل ایمان جب تم کو کسی جماعت سے مقابلہ کا اتفاق ہوا کرے تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرو، امید ہے کہ تم کامیاب ہو۔

ابن کثیر نے اذکروا اللہ ذکرا کثیرا کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى اُذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَمْ يَفْرِضْ عَلٰى عِبَادِهٖ فَرِيْضَةً اِلَّا جَعَلَ لَهَا حَدًّا مَعْلُوْمًا ثُمَّ عَذَرَ اَهْلَهَا فِيْ حَالِ الْعُذْرِ غَيْرَ الذِّكْرِ فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَمْ يَجْعَلْ لَهٗ حَدًّا يَنْتَهِيْ اِلَيْهِ وَلَمْ يَعْذُرْ اَحَدًا فِيْ تَرْكِهٖ اِلَّا مَغْلُوْبًا عَلٰى تَرْكِهٖ فَقَالَ اُذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ فِي السَّفَرِ وَالْحَضَرِ وَالْغِنٰى وَالْفَقْرِ وَالسُّقْمِ وَالصِّحَّةِ وَعَلٰى كُلِّ حَالٍ. (ابن کثیر ۳:۴۹۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس مذکورہ آیت کی تفسیر فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر کوئی ایسی عبادت فرض نہیں فرمائی جس کی حد مقرر نہ ہو اور اس میں ایک معذور آدمی کا عذر قبول نہ فرمایا ہو۔ مگر ذکر الٰہی ایسی عبادت ہے جس کی کوئی حد مقرر نہیں فرمائی اور نہ کسی کو ترک ذکر پر معذور فرمایا۔ ہاں جو مغلوب الحال ہو اس کا معاملہ جدا ہے، اور فرمایا اللہ کا ذکر کرو۔ کھڑے ہو، بیٹھے ہو یا لیٹے ہو، رات ہو یا دن، دل سے ہو یا زبان سے، خشکی پر ہو یا سمندر میں، سفر میں ہو یا حضر میں، خوش حال ہو یا عسیر الحال، تندرست ہو یا بیمار، ہر حال میں ذکر کرو۔ (اکل و شرب، جب و طہر، بیع و شریٰ، خواب و بیداری)

ذکر کی مختلف صورتیں

ذکر الٰہی کی تین صورتیں ہیں:۔

اول لسانی جہری بلند آوازی، دوم ذکر لسانی سری، سوم ذکر قلبی روحانی۔ قسم اول باتفاق علماء بدعت ہے۔ ہاں ضرورت کے مقامات خارج ہیں جیسے اذان، تکبیر، خطبہ وغیرہ۔

إِجْمَعَ الْعُلَمَاءُ عَلىٰ أَنَّ الذِّكْرَ سِرًّا هُوَ الْأَفْضَلُ وَالْجَهْرُ بِدْعَةٌ" إِلَّا فِيْ مَوَاضِعِ الْمَخْصُوْصَةِ مَسَّتِ الْحَاجَةُ فِيْهَا. (ابن کثیر ۳:۵۹۶)

ذکر قلبی افضل ہے

ذکر کی مختلف صورتیں

ذکر الٰہی کی تین صورتیں ہیں :۔

اول لسانی جہری بلند آوازی، دوم ذکر لسانی سری، سوم ذکر قلبی روحانی۔ قسم اول باتفاق علماء بدعت ہے۔ ہاں ضرورت کے مقامات خارج ہیں جیسے اذان، تکبیر، خطبہ وغیرہ۔

اَلثَّالِثُ الذِّكْرُ الْخَفِيُّ بِالْقَلْبِ وَالرُّوْحِ وَالنَّفْسِ وَغَيْرِهَا الَّذِيْ لَا مَدْخَلَ فِيْهِ اللِّسَانِ وَهُوَ الذِّكْرُ الْخَفِيُّ الَّذِيْ لَا يَسْمَعُهُ الْحَفَظَةُ أَخْرَجَ أَبُوْ يَعْلىٰ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَفَضْلُ الذِّكْرِ الْخَفِيِّ الَّذِيْ لَا يَسْمَعُهُ الْحَفَظَةُ سَبْعُوْنَ ضِعْفًا إِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَجَمَعَ اللّٰهُ الْخَلْقَ لِحِسَابِهِمْ وَجَائَتِ الْحَفَظَةُ بِمَا حَفِظُوْا وَكَتَبُوْا فَيَقُوْلُ لَهُمْ أُنْظُرُوْا هَلْ بَقِيَ لَهُ شَيْءٌ". فَيَقُوْلُوْنَ مَا تَرَكْنَا شَيْئًا مِمَّا عَلِمْنَاهُ وَحَفِظْنَاهُ إِلَّا وَقَدْ أَحْصَيْنَاهُ وَكَتَبْنَاهُ فَيَقُوْلُ تَعَالىٰ إِنَّ لَهُ حَسَنَةً" لَا تَعْلَمُهُ وَأَخْبَرَكَ بِهِ هُوَ الذِّكْرُ الْخَفِيُّ. قُلْتُ وَهٰذَا الذِّكْرُ لَا انْقِطَاعَ لَهَا وَلَا فُتُوْرَ لَهَا. (تفسیر مظہری ۳:۴۱)

سوم قلب اور روح کے ساتھ ذکر خفی ہے۔ یہ وہ ذکر ہے جس میں زبان کو کوئی دخل نہیں، اور جسے کاتبین بھی نہیں سن سکتے۔ امام ابویعلی نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس ذکر خفی کو ملائکہ کاتبین سن نہیں سکتے اسے غیر ذکر خفی پر ستر گنا زیادہ فضیلت ہے۔ قیامت کے روز جب اللہ تعالیٰ مخلوق کو حساب کے لئے جمع کریگا اور کاتبین اپنی تحریریں پیش کریں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ کہ دیکھو اس کی کوئی نیکی رہ تو نہیں گئی۔ وہ عرض کریں گے ہمیں جو معلوم ہوا سب لکھ لیا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس کی ایک نیکی ایسی ہے جو تم نہیں جانتے وہ ذکر خفی ہے، میں کہتا ہوں کہ ذکر خفی نہ منقطع ہوتا ہے، نہ اس میں فتور آتا ہے۔

ذکر خفی کی فضیلت قرآن میں !

قَالَ تَعَالىٰ. إِذْ نَادىٰ رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا. وَفِيْ هٰذِهِ الْآيَةِ ذِكْرُ اللّٰهِ تَعَالىٰ عَبْدَهُ صَالِحًا وَرَضِيَ عَنْهُ. (تفسیر مظہری)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک نیک بندے کو یاد فرمایا اور اس کے اس فعل یعنی مخفی یاد کرنے کو پسند فرمایا۔

وقوله تعالىٰ. وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً.......... الخ

اسی آیت کی تفسیر میں امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو تبلیغ وحی کا حکم دینے کے بعد متصل ہی اس آیت میں حکم دیا۔

بِأَنْ يَذْكُرَ رَبَّهُ فِيْ نَفْسِهِ وَالْفَائِدَةُ فِيْهِ أَنَّ انْتِفَاعَ الْإِنْسَانِ بِالذِّكْرِ إِنَّمَا يَكْمُلُ إِذَا وَقَعَ الذِّكْرُ بِهٰذِهِ الصِّفَةِ لِأَنَّهُ بِهٰذَا الشَّرْطِ أَقْرَبُ إِلَى الْإِخْلَاصِ وَالتَّضَرُّعِ.

کہ آپ ﷺ اپنے پروردگار کو دل میں یاد کریں، اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ آدمی ذکر سے مکمل طور پر مستفید اس صورت میں ہو سکتا ہے جب ذکر میں یہ صفت پیدا ہو جائے کیونکہ اس شرط (یعنی ذکر قلبی) سے ذکر کرنا، اخلاص اور تضرع سے زیادہ قریب ہے۔

فائدہ: ذکر خفی مبتدی کو ریا وسمعہ سے محفوظ رکھتا ہے اور منتہی کے لئے ماسوائے اللہ کی محبت سے انقطاع کل اور فنا فی المذکور کا فائدہ دیتا ہے، جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:۔ من عرف اللہ کل لسانہ

اور تفسیر ابی السعود میں ہے کہ:۔

وَهُوَ عَامٌ" فِي الْأَذْكَارِ كَافَّةً فَإِنَّ الْإِخْفَاءَ أَدْخَلَ فِي الْإِخْلَاصِ وَأَقْرَبُ مِنَ الْإِجَابَةِ.

اخفاء تمام اذکار کے لئے عام ہے، کیونکہ اخفاء (ذکر خفی) میں اخلاص کا عنصر سب سے زیادہ ہے اور قبولیت کے اعتبار سے اقرب ہے۔

فائدہ: (۱) عبادت کی قبولیت کا انحصار اخلاص پر ہے اور ذکر خفی میں سب سے زیادہ اخلاص پایا جاتا ہے۔

(۲) عبادت کا مقصود قبولیت ہے اور اخفاء اقرب الی المقصود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام کی اکثریت نے ذکر خفی پر مواظبت کی ہے اور جن سلسلوں میں سالک کی تربیت کے لئے ذکر جہر لسانی کرایا جاتا ہے وہ صرف مبتدی کے لئے ہے اور منتہی کے لئے ان کے ہاں بھی ذکر خفی پر ہی زور دیا جاتا ہے۔

ذکر الٰہی اور ذکر کثیر کے لئے قرآن مجید میں متعدد آیات ملتی ہیں، کہیں ذکر اسم ذات کی تاکید ہے کہیں ذکر قلبی کی تلقین کی گئی ہے جو ذکر کثیر اور ذکر دائمی کی واحد صورت ہے۔ بالخصوص ایک آیت جامع خصوصیات کی حامل ہے۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ.	اور یاد کرتا رہ اپنے رب کو دل میں گڑگڑاتا اور ڈرتا اور پکار سے کم آواز بولنے میں، صبح اور شام کے وقتوں اور مت رہ بے خبر۔

اس آیت کی تفسیر مولانا محمد یوسف بنوری نے حضرت انور شاہ صاحبؒ سے نکتہ العنبر من ہدی الشیخ انور کے ص ۱۳۵ پر یوں فرمائی ہے:۔

قال شیخ رحمه الله انور لا تخرج فيه عن اللفظ وعنوانه الىٰ غيره فهو فى الذكر لا الصلوٰة وان كانت الذكر ا قوله واذكر ربك الظاهر المراد به ذكره فى القلب ولعله لذا لم يقل واذكر اسم ربك وقال تضرعا وخيفة ولم يقل خفية. فالخيفة من عقابه امر فى القلب كما قال انما المومنون الذين اذا ذكر الله وجلت قلوبهم و عند الترمذى من ابواب صفة جهنم عن انس عن النبى ﷺ قال يقول الله اخرجوا من فى النار من ذكرنى يوما وخافنى فى مقام هذا حديث حسن.	شیخ انور رحمۃ اللہ نے فرمایا: ہم قرآن کی اس آیت کے لفظ سے باہر نہیں جاتے ہیں۔ پس اس سے مراد ذکر ہے نہ کہ نماز، اگرچہ نماز بھی ذکر ہے۔ اور واذکر ربک سے ظاہر مراد ذکر قلبی ہے لسانی نہیں۔ نماز تو ذکر لسانی ہے، شاید اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے واذکر اسم ربک نہیں فرمایا۔ اور فرمایا تضرعا وخیفۃ اور خفیہ نہیں فرمایا۔ خوف دل کا فعل ہے اور از قبیل عقاب ہے یعنی خوف، جیسے فرمایا مومن وہ ہیں جن کے سامنے خدا کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں۔ اور ترمذی شریف کی حدیث صفت ابواب جہنم میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس شخص کو آگ سے نکال دو جس نے صرف ایک دن مجھے یاد کیا، یا وہ میرے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا

اس آیت اور اس کی تفسیر سے ثابت ہوا کہ:۔

(۱) ذکر سے مراد ذکر قلبی ہے۔

(۲) ذکر جہری لسانی کے مقابلہ میں ذکر قلبی کو فضیلت حاصل ہے۔

(۳) ترمذی کی حدیث سے ظاہر ہے کہ ذکر دوزخ کی آگ سے نجات دلانے والا ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے صبح وشام ذکر کرنے کا حکم دیا۔

(۵) صبح وشام ذکر نہ کرنے والا خدا سے غافل ثابت ہوا۔

ہمارے سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ میں جو ذکر کرایا جاتا ہے وہ ذکر قلبی ہے اور صبح و شام ذکر کرایا جاتا ہے اور اس آیت پر ہمارا پورا عمل ہے۔

ذکر خفی کی فضیلت حدیث میں

عَنْ اَبُوْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيْ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ خَيْرُ الذِّكْرِ الْخَفِيُّ. (الترغيب ۴: ۱۶۰)	ابو سعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ بہترین ذکر، ذکر خفی ہے۔
وَعَنْ سَعْدِ ابْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ خَيْرُ الذِّكْرِ الْخَفِيُّ.	حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ بہترین ذکر، ذکر خفی ہے

گو ذکر مطلق مامور بہ ہے، مگر ہم نے قرآن وحدیث سے متوارث اور متعامل ذکر کو کیا ہے جو بطور میراث ہمیں سلف صالحین اور صوفیہ عارفین سے ملا ہے اور جس کے افضل ہونے پر قرآن وسنت سے واضح دلائل ملتے ہیں۔ ہم حفظ مراتب کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ فرائض کو راس المال سمجھتے ہیں اور نوافل کو بمنزلہ منافع جانتے ہیں اور اذکار میں سب سے افضل ذکر قلبی کو سمجھتے ہیں اور یہ قرآن وسنت کے عین مطابق ہے۔ تزکیہ قلب اسی سے حاصل ہوتا ہے اور تزکیہ قلب ہی حقیقی کامیابی کا ضامن ہے۔

كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالىٰ. اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ. اَىْ اِذَا مَسَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِالْوَسْوَسَةِ وَالتَّشْوِيْشِ وَاِرْسَالِ الشُّعُوْرِ وَاِرْخَاءِ الْحِجَابِ عَلَى الْقَلْبِ تَذَكَّرُوا اللّٰهَ تَعَالىٰ وَذَكَرُوْا اِسْمَهٗ ثُمَّ اِذَا تَذَكَّرُوْا يَرُدُّ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَيَرْفَعُ حُجُبَهٗ وَيُبْصِرُ قَلْبُ الذَّاكِرِ.	یقیناً جو لوگ خدا ترس ہیں جب ان کو کوئی خطرہ شیطان کی طرف سے آجاتا ہے تو یاد میں لگ جاتے ہیں سو یکایک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ یعنی جب متقی لوگوں کو شیطان کی طرف سے وسوسہ اور پریشانی ہوتی ہے، اور وہ ان کے دل پر پردے ڈال دیتا ہے تو اس وقت وہ لوگ اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اللہ کے نام کو یاد کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے دل پر سے پردے اٹھا دیتا ہے اور ذاکر کا دل دیکھنے لگتا ہے۔

فائدہ:۔ (۱) معلوم ہوا کہ ذکر الٰہی موقوف ہے تقویٰ پر اور تقویٰ باب ہے ذکر الٰہی کا، اور ذکر الٰہی باب ہے کشف کا اور کشف باب ہے فوز کبیر کا جو معرفت الٰہی ہے۔ شیطان تو اپنے داؤ استعمال کرتا ہے مگر اس کی تدبیریں کمزور ہیں، بشرطیکہ مقابل میں بندہ خدا ہو، بندہ ہویٰ نہ ہو۔

كما قال تعالىٰ. اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا.

(۲) شیطان کا فسوں ذکر الٰہی سے فوراً دفع ہو جاتا ہے اور اللہ والوں پر اس کا تسلط نہیں ہوتا۔

****

(۱۴) حلقۂ ذکر

گزشتہ باب میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ ذکر الٰہی کمیت اور کیفیت کے اعتبار سے مطلق ہے اس اصول کے پیش نظر صوفیائے کرام نے ضرورت، مناسبت، موزونیت اور افادیت کے اعتبار سے جو صورت بہتر بھی اسے اختیار کرلیا۔ کہیں انفرادی طور پر ذکر کرنے کی تلقین کی۔ کہیں اجتماعی ذکر کی صورت اختیار کی۔ مگر بعض نادان لوگ اجتماعی ذکر اور حلقۂ ذکر کو بدعت کہہ دیتے ہیں حالانکہ مذکورۃ الصدر اصول کی بناء پر اسے بدعت کہنا غلطی ہی نہیں بلکہ خود ایک بدعت ہے۔

اجتماعی ذکر کا ثبوت

قَالَ تَعَالٰی وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ

اور آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ مقید رکھا کیجئے جو صبح شام اپنے رب کی عبادت محض اس کی رضا جوئی کے لئے کرتے ہیں۔

اس آیت کے حصہ مع الذین سے اجتماعی ذکر اور حلقۂ ذکر کا ثبوت ملتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کو بھی ان کی معیت کا حکم ملا ہے، اس سے ذکر اجتماعی کی فضیلت بھی ظاہر ہوگئی۔

حدیث سے اس کی تائید

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِکَةً یَطُوْفُوْنَ فِی الطَّرِیْقِ یَلْتَمِسُوْنَ اَهْلَ الذِّکْرِ فَاِذَا وَجَدُوْا قَوْمًا یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ تَنَادَوْا هَلُمُّوْا اِلٰی حَاجَتِکُمْ فَیَحُفُّوْنَهُمْ بِاَجْنِحَتِهِمْ اِلَی السَّمَاءِ الدُّنْیَا اِلٰی اَنْ قَالَ فَیَقُوْلُ تَعَالٰی اُشْهِدُکُمْ اَنِّیْ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ قَالَ فَیَقُوْلُ مَلَکٌ ’’مِنَ الْمَلَائِکَةِ فِیْهِمْ فُلَانٌ‘‘ لَیْسَ مِنْهُمْ اِنَّمَا جَاءَ لِحَاجَتِهٖ قَالَ هُمُ الْجُلَسَاءُ لَا یَشْقٰی جَلِیْسُهُمْ. (بخاری ۲: ۹۴۸)

حضور ﷺ نے فرمایا کہ ملائکہ اہل ذکر کو تلاش کرتے پھرتے ہیں جہاں کہیں انہیں ذاکرین کی کوئی جماعت مل جاتی ہے اپنے ساتھیوں کو بلاتے ہیں کہ یہ ہے وہ چیز جس کی تمہیں تلاش ہے۔ چنانچہ وہ ملائکہ ذاکرین کو آسمان دنیا تک اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان لوگوں کو بخش دیا ہے، پھر ان میں سے ایک فرشتہ کہتا ہے کہ فلاں آدمی تو اہل ذکر سے نہیں، وہ تو اپنے کام کے لئے آیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ ایسی مجلس ہے جس میں بیٹھنے والا بدبخت نہیں رہ سکتا۔

فوائد:

(۱) اس روایت سے ثابت ہوا کہ مجالس ذکر قائم کرنا ایسا محمود عمل ہے کہ ملائکہ کرام مجالس ذکر کی تلاش میں پھرتے رہتے ہیں، کیونکہ ملائکہ اور ذاکرین میں مناسبت ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

(۲) ذکر الٰہی ایسی عبادت ہے جس پر مغفرت کا اعلان کیا جاتا ہے، کسی اور عبادت پر نہیں۔

(۳) وسیلہ صلحاء اور صحبت مشائخ کا محمود ہونا ثابت ہوا۔ ذاکرین کی جماعت میں شمولیت سے بھی بدکار نجات حاصل کر لیتا ہے۔

(۴) اولیاء کی ذراسی صحبت ایماندار آدمی کو جنتی بنا دیتی ہے۔

مجالس ذکر قائم کرنے کا حکم

عَنْ اَبِیْ رَزِیْنٍ اَنَّهٗ قَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلَا اَدُلُّکَ عَلٰی مِلَاکِ هٰذَا الْاَمْرِ الَّذِیْ تُصِیْبُ ’’فِیْهِ خَیْرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ عَلَیْکَ بِمَجَالِسِ اَهْلِ الذِّکْرِ.

حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں ایسے بہترین عمل کی خبر نہ دوں جس سے تم دنیا و آخرت کی بھلائی سمیٹ لو۔ سنو! مجالس ذکر لازم پکڑو۔

فوائد:

(۱) مجالس ذکر کی تلاش اور ان میں شامل ہونا موکد بتاکید ہے۔

(۲) مجالس ذکر دین و دنیا کی کامیابی کا ذریعہ ہیں۔

(۳) ذکر الٰہی سے رحمت الٰہی کا نزول اور اطمینان قلبی حاصل ہوتا ہے۔

ولنعم ما قیل.

افامن الرجال لا یخاف جلیسهم ریب الزمان ولا یری ما یرهب

حلقہ اجتماعی ذکر

فیض الباری ۲: ۳۱۵ پر درج ہے کہ علامہ ابن حجر ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مصر میں مجلس ذکر قائم کی تھی۔

ثم اندرست ثم اندرست فلک المجالس حتی جاء السیوطی وشرع ثم انقطعت بعده بالکلیة.

پھر یہ مجلس نابود ہوگئی، پھر امام سیوطیؒ نے اپنے زمانے میں قائم کی۔ پھر ان کے بعد منقطع ہوگئی۔

معلوم ہوا کہ متقدمین محدثین مجالس ذکر قائم کرنے کا اہتمام کیا کرتے تھے اور فیض الباری ۲: ۳۶۲ پر ہے کہ نمازوں کے بعد سلف صالحین میں یہ دستور تھا کہ مجلس ذکر قائم کرتے تھے۔

فالسنة الخاصة في ذلك قاضية على عموم الاحاديث في الاذكار بعد الصلوٰة وفي المدخل لابن الحاج المالكي ان السلف الصالحين كانوا يحسبون بعد الصبح والعصر في المسجد لهم زمزمة ودوی کدوی النحل.

اس ذکر میں جو خاص سنت ہے، وہ اس امر کی متقاضی ہے وہ نمازوں کے بعد عام حدیثوں سے ثابت ہے اور مدخل ابن حاج مالکی میں ہے کہ سلف صالحین یعنی صحابہ تابعین و تبع تابعین نماز فجر اور عصر کے بعد مسجد میں حلقۂ ذکر کرتے تھے۔ ان کے ذکر کی آواز شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ کی طرح ہوتی تھی۔

ذکر کی یہ صورت ذکر خفی ہے یا پاس انفاس، جس کا نقشبندیہ کے ہاں خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔

صوفیاء کا معمول قرآن وسنت پر مبنی ہے

وَاَوْرَادُ الصُّوْفِيَةِ يَقْرَئُوْنَهَا بَعْدَ صَلوٰةٍ عَلٰى حَسْبِ عَادَاتِهِمْ فِيْ سُلُوْكِهِمْ لَهَا اَصْلٌ اَصِيْلٌ" فَقَدْ رَوَى الْبَيْهَقِيْ.

صوفیاء کرام جو اوراد و وظائف اپنے معمول کے مطابق نمازوں کے بعد پڑھتے ہیں ان کی اصل صحیح موجود ہے۔

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَاَنْ اَذْكُرَ اللّٰهَ مَعَ قَوْمٍ بَعْدَ صَلوٰةِ الْفَجْرِ اِلٰى طُلُوْعِ الشَّمْسِ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا وَلَاَنْ اَذْكُرَ اللّٰهَ تَعَالٰى بَعْدَ صَلوٰةِ الْعَصْرِ اِلٰى اَنْ تَغِيْبَ الشَّمْسُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا.

بیہقی نے حضرت انسؓ کی روایت بیان کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ چیز مجھے دنیا و ما فیہا سے زیادہ محبوب ہے کہ ذاکرین کیساتھ صبح کی نماز کے بعد طلوع آفتاب تک اور عصر کی نماز کے بعد غروب آفتاب تک ذکر الٰہی کیا کروں۔

وَرَوَى اَبُوْ دَاؤُدَ عَنْهُ اَنَّهُ ﷺ قَالَ لَاَنْ اَقْعُدَ مَعَ قَوْمٍ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ تَعَالٰى مِنْ صَلوٰةِ الْغَدَاةِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اَعْتِقَ اَرْبَعَةً مِنْ وُلْدِ اِسْمٰعِيْلَ وَلَاَنْ اَقْعُدَ مَعَ قَوْمٍ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ مِنْ صَلوٰةِ الْعَصْرِ اِلٰى اَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اَعْتِقَ اَرْبَعَةً. وَرَوَى اَبُوْ نُعَيْمٍ اَنَّهُ ﷺ قَالَ مَجَالِسُ الذِّكْرِ تَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَتَحُفُّ بِهِمُ الْمَلَائِكَةُ وَتَغْشَاهُمُ الرَّحْمَةُ يَذْكُرُهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

اور ابوداؤد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ذاکرین کے ساتھ مل کر صبح کی نماز کے بعد طلوع آفتاب تک ذکر کرنا مجھے اولاد اسمٰعیلؑ سے چار غلام آزاد کرنے سے زیادہ پسند ہے، اور نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک انکے ساتھ ذکر کرنا چار غلام آزاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے اور ابونعیم نے بیان کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجالس ذکر پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے، وہ انہیں اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں۔ اور ان پر نزول سکینہ ہوتا ہے اور ان پر اللہ کی رحمت سایہ کر لیتی ہے اور اللہ انہیں یاد کرتا ہے۔

وَرَوَى اَحْمَدُ وَمُسْلِمٌ اَنَّهُ ﷺ قَالَ لَا يَقْعُدُ قَوْمٌ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ تَعَالٰى اِلَّا حَفَّتْ بِهِمُ الْمَلَائِكَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَتَنَزَّلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْمَنْ عِنْدَهُ.

اور امام احمد اور مسلم نے بیان کیا کہ جب کچھ لوگ ذکر الٰہی کے لئے بیٹھتے ہیں فوراً ہی ملائکہ انہیں اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں، اور ان پر نزول سکینہ ہوتا ہے۔ اور اللہ کی رحمت برستی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ذکر اپنے مقربین میں فرماتا ہے۔

وَاِذَا ثَبَتَ اَنَّ لِمَا يَعْتَادُهُ الصُّوْفِيَةُ مِنْ اِجْتِمَاعِهِمْ عَلَى الْاَذْكَارِ وَالْاَوْرَادِ بَعْدَ الصُّبْحِ وَغَيْرِهِ اَصْلًا صَحِيْحًا مِنَ السُّنَّةِ وَهُوَ مَا ذُكِرَ فَلَا اِعْتِرَاضَ عَلَيْهِمْ فِيْ ذٰلِكَ. (فتاوى الحديثيه.

جب یہ ثابت ہوگیا کہ صوفیائے کرام کے صبح و شام کے معتاد اجتماع اور اذکار و اوراد کی اصل سنت صحیح سے ثابت ہے اور اس کا ہم نے ذکر کر دیا ہے تو ان پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔

۱:۲۵)

اس باب کی ابتدا میں جو آیت ہم نے پیش کی تھی اس کی جامع اور مکمل تفسیر فتاوی الحدیثیہ کی مذکورۃ الصدر عبارت سے ہوگئی اور حلقۂ ذکر کی اصل قرآن و حدیث سے ثابت ہوگئی۔

قرآن کریم سے حلقۂ ذکر کا ثبوت۔

تفسیر ''کلام السلوک'' ملوک الکلام میں زیر آیت:۔

إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً'' بَعْدَ مَا يَحْمِلُ عَلَى التَّسْبِيحِ الْقَالِيْ كَمَا هُوَ ظَاهِرُ الْقُرْآنِ وَمُؤَيَّدٌ بِكَشْفِ كَثِيْرٍ مِنْ اَهْلِ اللّٰهِ تَعَالىٰ يُؤْخَذُ مِنْهُ اَمْرَانِ اَلْاَوَّلُ الْاِجْتِمَاعُ عَلَى الذِّكْرِ تَنْشِيْطًا لِلنَّفْسِ وَتَقْوِيَةً لِلْهِمَّةِ وَتَعَاكُسِ بَرَكَاتِ الْجَمَاعَةِ مِنْ بَعْضٍ عَلىٰ بَعْضٍ وَالثَّانِيْ صِحَّةُ مَا يَتَخَيَّلُ اِلىٰ بَعْضِ الْاَشْغَالِ مِنْ اِشْتِغَالِ كُلِّ مَا فِي الْعَالَمِ بِالذِّكْرِ وَلَهُ تَاثِيْرٌ '' عَجِيْبٌ '' فِيْ جَمْعِ الْهِمَّةِ وَقَطْعِ الْخَطَرَاتِ.

آیت قرآنی کی تفسیر سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حلقۂ ذکر یعنی اجتماعی صورت میں ذکر کرنا موید بالقران ہے اور صاحب تفسیر نے حلقۂ ذکر کے فوائد کی بھی نشان دہی کر دی۔ ان میں سے نشاط اور تقویت کا احساس تو عام ہے مگر تعاکس برکات کا مشاہدہ صرف اہل نظر کو ہی ہو سکتا ہے اور مجموعی طور پر اس کی ''عجیب تاثیر'' کی کیفیت الفاظ کے ذریعے بیان نہیں ہو سکتی اور جو لوگ صرف الفاظ سے کھیلتے ہیں انہیں ان کیفیات کا علم ہو تو کیونکر، لہٰذا اپنی محرومی کو چھپانے کے لئے انکار کا سہارا لیتے ہیں۔

قاصر گر کند بر ایں طائفہ طعن قصور	حاشا للہ کہ بر آرم بزبان ایں گلہ را

ہمہ شیران جہاں بستہ ایں سلسلہ اند	روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

****

(۱۵) فضیلت ذکر الٰہی

ذکر الٰہی تمام عبادات سے افضل ہے۔

قرآن مجید میں ذکر الٰہی کے صلہ میں ایک ایسی نعمت کا وعدہ دیا گیا ہے جس سے بڑی نعمت مومن کے لئے اور کوئی نہیں ہو سکتی۔

قال اللہ تعالیٰ. فَاذْكُرُوْنِيْ أَذْكُرْكُمْ،

یہ وعدہ صرف ذکر الٰہی کے ساتھ مختص ہے اور ظاہر ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ یاد کرے اس سے زیادہ خوش نصیب کون ہو سکتا ہے؟ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرمایا کہ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ أَكْبَرُ واقعی اگر ذکر الٰہی سب سے بڑی نعمت نہ ہوتی تو اس کے صلے میں اذکرکم کی نعمت غیر مترقبہ کیوں کر مل سکتی تھی؟

حضور اکرم ﷺ ہر وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ أَحْيَانِهِ. (رواہ مسلم باب مخلاطة الجنب)

حضور مقبول ﷺ ہر وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔

فائدہ: لفظ ''احیان'' جمع ہے اور قاعدہ ہے کہ اضافت جمع کی اپنے مابعد کی طرف استغراق حقیقی کا فائدہ دیتی ہے۔ پھر اس پر مفید الافراد لفظ ''کل'' بھی داخل ہے۔ لہٰذا تمام اوقات میں آپ ذکر الٰہی کرتے تھے اور تمام اوقات میں بول و براز، جماع، اکل و شرب، نیند اور دوسرے مشاغل بھی شامل ہیں۔

كما قال اللہ تعالیٰ إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا.

کل احیان میں ذکر کرنے سے مراد ذکر قلبی ہی ہو سکتا ہے اور استغراق حقیقی کی وجہ سے اپنے اوقات میں ذکر لسانی کو بھی شامل ہوگا، خیال رہے کہ یہاں استغراق عرفی یا اضافی نہیں کیونکہ قرینہ مخالطۃ الجنب موجود ہے چونکہ ایسی حالت میں ذکر لسانی ناجائز ہے، اس لئے لازماً ذکر قلبی مراد ہوگا۔

حضور ﷺ نے ذکر الٰہی کو سب سے افضل عبادت فرمایا

عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ سُئِلَ أَيُّ الْعِبَادَةِ أَفْضَلُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قَالَ الذَّاكِرُوْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَمِنَ الْغَازِيْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ لَوْ ضَرَبَ بِسَيْفِهِ فِي الْكُفَّارِ وَالْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يَنْكَسِرَ وَيَخْتَضِبَ دَمًا لَكَانَ الذَّاكِرُوْنَ اللّٰهَ أَفْضَلَ مِنْهُ. (رواہ الترمذی) کتاب الاذکار

حضور اکرم ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کون سی عبادت اللہ کے نزدیک قیامت کے دن سب سے افضل ہوگی؟ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنے والوں کا درجہ سب سے بلند ہوگا۔ میں نے عرض کیا کہ کیا مجاہد فی سبیل اللہ سے بھی؟ فرمایا اگر مجاہد فی سبیل اللہ کفار اور مشرکین پر تلوار چلائے، حتیٰ کہ تلوار ٹوٹ جائے اور وہ خون سے لتھڑ جائے، تب بھی اللہ کا ذکر کرنے والے افضل ہیں۔

نووی : ۱۹.

ذکر الٰہی جانی اور مالی عبادتوں سے افضل ہے

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرِ أَعْمَالِكُمْ وَأَزْكَاهَا عِنْدَ مَلِيْكِكُمْ وَأَرْفَعِهَا فِيْ دَرَجَاتِكُمْ وَخَيْرٍ'' لَكُمْ مِنْ إِنْفَاقِ الذَّهَبِ وَالْوَرِقِ وَخَيْرٍ'' لَكُمْ مِنْ أَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّكُمْ فَتَضْرِبُوْا أَعْنَاقَهُمْ قَالُوْا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ ذِكْرُ اللّٰهِ تَعَالٰى. (کتاب الاذکار: ۲۰) قَالَ الْحَاكِمُ فِيْ كِتَابِهِ الْمُسْتَدْرَكِ عَلَى الصَّحِيْحَيْنِ هٰذَا حَدِيْثٌ'' صَحِيْحُ الْإِسْنَادِ.

حضور ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں ایسا عمل نہ بتاؤں جو سب سے افضل ہو، جس کا ثواب اللہ کے ہاں سب سے زیادہ ہو جو تمہارا درجہ سب سے بلند کر دے اور وہ عمل کرنا سونا چاندی خرچ کرنے سے بھی زیادہ پسندیدہ ہو اور جو دشمنوں کے خلاف جنگ کرنے اور انہیں قتل کرنے سے بھی افضل ہو۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ حضور ضرور فرمایئے۔ فرمایا اللہ کا ذکر سب سے افضل ہے۔

ذکر الٰہی مومن کے لئے ایک قلعہ ہے

قَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَمُرُكُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ كَثِيْرًا وَمَثَلُ ذٰلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ طَلَبَهُ الْعَدُوُّ سِرَاعًا فِيْ أَثَرِهِ حَتّٰى يَأْتِيَ حِصْنًا حَصِيْنًا فَأَحْرَزَ نَفْسَهُ فِيْهِ وَكَذٰلِكَ لِلْعَبْدِ لَا يَنْجُوْا مِنَ الشَّيْطٰنِ إِلَّا بِذِكْرِ اللّٰهِ.

حضور ﷺ نے فرمایا۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اللہ کو کثرت سے یاد کیا کرو، اس کی مثال ایسی ہے کہ آدمی کے تعاقب میں دشمن تیزی سے آ رہا ہو اور وہ آدمی اس سے بچنے کے لئے قلعہ میں پناہ گزین ہو جائے اسی طرح شیطان کے حملے سے بچنے کی صرف ایک صورت ہے اور وہ اللہ کا ذکر ہے۔

ذکر الٰہی سے غفلت شیطان کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے مترادف ہے۔

قَالَ تَعَالٰى وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ''. (الزخرف)

جو شخص ذکرِ الٰہی سے آنکھ چرا لے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں سو وہ اس کا ساتھی بن جاتا ہے

وَقَوْلُهٗ تَعَالٰى. اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَأَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ أُولٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ. (المجادلہ)

ان پر شیطان نے پورا تسلط کر لیا ہے، سو اس نے ان کو خدا کی یاد بھلا دی۔ یہ لوگ شیطان کا گروہ ہیں۔

ان دونوں آیتوں سے واضح ہو گیا کہ اللہ کی یاد سے غافل ہونا شیطان سے تعلقات استوار کرنا ہے، اور اللہ سے تعلق توڑنا اور شیطان سے رشتہ جوڑنا ہے، جو ذکر سے غافل ہوا حزب اللہ سے نکل گیا اور حزب الشیطان میں داخل ہو گیا۔

اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا

****

(۱۶) توجہ اور تصرف شیخ

گزشتہ کسی باب میں ذکر ہو چکا ہے کہ تصوف وسلوک القائی اور انعکاسی عمل ہے، اس لئے اس راہ پر چلنے اور اس میں ترقی کرنے کے لئے صحبت شیخ ضروری ہے اور شیخ سے اخذ فیض اور حصول توجہ کے لئے اعتقاد علی الشیخ نہایت ضروری ہے، توجہ، تصرف، ہمت اور جمع خاطر اس سلسلے کی خاص اصطلاحات ہیں، مگر ان کا ماخذ کتاب الٰہی ہے۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَاَیَّدْنَاهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ اَیْ تَغْلِیْبَ مَلَکِیَّةٍ عَلٰی بَشَرِیَّتِهٖ. (تفسیر تیسیر الرحمن)

ہم نے عیسیٰؑ کی تائید روح پاک سے کی، یعنی وصفِ ملکیت کو بشریت پر غالب کر دیا۔

حدیث نبوی ﷺ سے اسی حقیقت کی تائید ہوتی ہے۔

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ . اَللّٰهُمَّ اَیِّدْهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ. (رواہ مسلم)

حضور ﷺ (حسان بن ثابت کے حق میں) دعا کی کہ یا اللہ! اس کی امداد روح پاک یعنی جبرئیلؑ سے فرما۔

فائدہ:۔ اس آیت اور حدیث مذکورہ بالا سے تائید وتاثیر باطنی ثابت ہوئی۔ حضرت عیسیٰؑ میں تائید باطنی یوں ظاہر ہوئی کہ اوصاف ملکیہ سے متصف ہوئے اور ملائکہ کی دنیا میں جا آباد ہوئے اور وحی کی تفسیر وحی سے کی گئی کہ حضرت حسانؓ بن ثابت کی تائید سے یقیناً تائید باطنی مراد ہے۔ حضور ﷺ نے دعا فرمائی کہ "الٰہی حسانؓ کے دل میں جبرئیلؑ کے القاء والہام سے کفار کی توہین کرنے کی قوت پیدا کر دے تاکہ وہ ایسے اشعار کہنے پر قادر ہو جائیں۔

قرآن مجید سے القاء اور تصرف باطنی کی چند مثالیں

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا

جب تم دشمن تھے پس اللہ تعالیٰ نے تمہارے قلوب میں الفت ڈال دی۔ سو تم خدا کے انعام سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔

(ال عمران)

وَقَوْلِهٖ تَعَالٰى. اِذْ یُوْحِیْ رَبُّکَ اِلَی الْمَلٰٓئِکَةِ اَنِّیْ مَعَکُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

اس وقت کو یاد کرو جب کہ آپ کا رب فرشتوں کو حکم دیتا تھا کہ میں تمہارا ساتھی ہوں سو تم ایمان والوں کی ہمت بڑھاؤ

ایمان والوں کی ہمت بڑھانے اور انھیں ثابت قدم رکھنے کی صورت کیا ہے جس پر فرشتوں کو مقرر کیا گیا؟ یہی کہ ان کے دلوں میں ایسی قوت کا القاء کریں کہ ان کے دل قوی ہو جائیں اور کفار کا مقابلہ پوری دلجمعی سے کریں۔

حدیث فعلی میں توجہ اور تصرف کی مثال

حضور اکرم ﷺ جب حرا میں تھے تو حضرت جبرئیلؑ تشریف لائے اور تین بار فرمایا، اقراء، دو دفعہ حضور ﷺ نے جواب دیا ما انا بقاری، مگر تیسری بار حضرت جبرئیلؑ نے سینہ سے لگا کر چھوڑا تو حضور ﷺ نے پڑھنا شروع کر دیا۔ بخاری کی اس حدیث کی شرح میں عارف کامل محدث اجل عبداللہ ابی بن جمرہ نے فرمایا ہے:۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَاَخَذَنِیْ فَغَطَّنِیْ .... الخ وَفِیْهِ دَلِیْلٌ "عَلٰی اَنَّ اِتِّصَالَ جَرْمِ الْغَطِّ بِالْمَغَطِّ وَضَمَّهٗ اِلَیْهِ وَهُوَ اِحْدَی الطُّرُقِ الْاِفَاضَةِ یَحْدُثُ بِهٖ فِی الْبَاطِنِ قُوَّةٌ نُوْرَانِیَّةٌ مُشَعْشَعَةٌ تَکُوْنُ عَوْنًا عَلٰی حَمْلِ مَا اَلْقٰی اِلَیْهِ لِاَنَّ جِبْرِیْلَ لَمَّا اِتَّصَلَ جَرْمُهٗ بِذَاتِ مُحَمَّدٍ ﷺ سَیِّدِنَا فَحَدَثَ لَهٗ مَا ذَکَرْنَاهُ بِذٰلِکَ وَهُوَ مَا اَلْقٰی اِلَیْهِ وَفَوْقَهٗ سَمِعَ خِطَابَ الْمَلِکِ وَلَمْ یَکُنْ لَهٗ قَبْلَ ذٰلِکَ وَقَدْ وَجَدَ اَهْلُ الْمِیْرَاثِ مِنَ الصُّوْفِیَّةِ الْمُتَّبِعِیْنَ الْمُحَقِّقِیْنَ.

(بهجة النفوس)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ دبانے والے کا اتصال اس کے جسم سے ہوا جسے بھینچا گیا جو ایک طریقہ حصول فیض کا ہے، تو اس جسم کے اتصال سے باطن میں ایک قوت نورانیہ پیدا ہو جاتی ہے اور اس قوت سے دوسرا شخص اس بوجھ کے اٹھانے کے قابل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جب جسم جبرئیلؑ سے حضور اکرم ﷺ کی ذات اقدس سے متصل ہوا تو اس میں وہ کیفیت نورانیہ پیدا کر دی، جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ مزید یہ کہ فرشتہ کی آواز سنی جو اس سے پہلے نہ سنی تھی، اور اہل میراث متبعین سنت محققین، صوفیہ نے بھی طریقہ حاصل کیا ہے۔

فائدہ: ہمارے سلسلہ میں اس حدیث فعلی کی روشنی میں سالک پر ابتداء میں تین بار توجہ کی جاتی ہے اور یہی طریقہ ہمارے ہاں متوارث چلا آتا ہے۔

حدیث ابیؓ بن کعب

مشکوٰۃ میں حضرت ابی بن کعبؓ کا واقعہ ان کی زبانی مذکور ہے۔

فَسَقَطَ فِیْ نَفْسِیْ مِنَ التَّکْذِیْبِ وَلَا اِذْ کُنْتُ فِی الْجَاهِلِیَّةِ فَلَمَّا رَاٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا قَدْ غَشِیَنِیْ ضَرَبَ" فِیْ صَدْرِیْ فَفِضْتُ عَرَقًا وَکَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلَی اللّٰهِ.

ابی ابن کعب فرماتے ہیں کہ اسلام کی تکذیب زمانہ جاہلیت سے بھی زیادہ میرے دل میں واقع ہو گئی، جب رسول اکرم ﷺ نے مجھے دیکھا تو میرے سینے پر ہاتھ مارا تو میں پسینہ پسینہ ہو گیا، حالت یہ ہو گئی کہ گویا میں اپنے رب کو دیکھ رہا ہوں۔

قَالَ صَاحِبُ الْمِرْقَاةِ فَلَمَّا تَنَاوَلَهُ بَرَكَةُ يَدِ النَّبِيِّ ﷺ زَالَ عَنْهُ الْغَفْلَةُ وَالْاِنْكَارُ وَصَارَ فِيْ مَقَامِ الْحُضُوْرِ وَالْمُشَاهَدَةِ.

صاحب مرقات فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے دست مبارک کی برکت سے غفلت زائل ہوگئی، اور فوراً ہی مقام حضور ومشاہدہ حاصل ہوگیا۔

(مشکوٰۃ: ۱۹۲)

فائدہ:

(۱) توجہ کی غرض غفلت کو دور کرنا اور نور ایمان کو تیز کرنا ہوتا ہے۔

(۲) ابی بن کعبؓ کے واقعہ سے معلوم ہوا کہ توجہ سے انکشاف ہوجاتا ہے۔

(۳) مجاہدات اور ریاضت کے ذریعے سالہا سال اتنا فائدہ نہیں ہوتا جو شیخ کی تھوڑی سی توجہ سے حاصل ہوجاتا ہے۔

(۴) شیخ کی توجہ کے بغیر محض مجاہدات سے منازل سلوک طے نہیں ہوسکتے، کیونکہ سلوک اور تصوف القائی اور انعکاسی عمل ہے۔

(۵) توجہ کے لئے قلب میں قبولیت کی استعداد کا ہونا ضروری ہے، اس لئے اس اعتراض کی گنجائش نہیں کہ ابوطالب پر رسول اکرم ﷺ نے تصرف کیوں نہ کیا؟

توجہ شیخ

تصوف وسلوک کی خصوصیت منازل سلوک اور مقامات سلوک طے کرنا ہے۔

جیسا کہ شامی ۴: ۲۳۹ پر ہے:۔

الطریقة هی السیرة المختصة بالسالکین الیٰ الله تعالیٰ من قطع المنازل والترقی فی المقامات.

اور اس مقصد کو حاصل کرنے کا ذریعہ شیخ کامل کی توجہ ہے۔ اور یہ ذریعہ محض ایجاد بندہ نہیں، بلکہ اس کی اصل حدیث میں موجود ہے، چنانچہ فتح الباری شرح بخاری ۱: ۸۹

وقال هذا القدر من الحدیث اصل عظیم من اصول الدین وقاعدة مهمة من قواعد المسلمین وهو عمدة الصدیقین وبغیة السالکین وکنز العارفین واداب الصالحین وقد ندب اهل التحقیق الی مجالسة الصالحین لیکون ذالک ومانعا من التلبس بشیئ من النقائص احتراما لهم واستحیاء منهم.

فرمایا یہ حدیث (جبرئیل یا حدیث احسان) اصول دین میں سے عظیم اصل ہے۔ اور قواعد مسلمین میں سے ایک اہم قاعدہ ہے۔ اور یہ حدیث صدیقین کی معتمد علیہ اور سالکوں کی مطلوبہ چیز ہے۔ اور عارفوں کا خزانہ اور صلحاء کے آداب میں سے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ علماء محققین نے صلحاء کی مجالس کی ترغیب دلائی ہے تاکہ ان اولیاء اللہ وصلحاء کی مجلس عیوب ونقائص پیدا ہونے میں رکاوٹ بن جائے جس کی وجہ ان صلحاء کا احترام یا ان سے حیاء کرتا ہوگا

اور تحفۃ القاری ۱: ۲۱ پر توجہ صوفیاء کا واضح ثبوت بیان ہوا ہے۔

فاخذنی وغطنی ای ضمنی وعصرنی قال علماء الشریعة کان هذا الغط ضربا من التنبیه لا حضار القلب لیقبل بکلیة الی ما یلقی الیه وعلیه وقال علماء لطریقة کان هذا الغط توجها باطنیا لا یصال الفیض الروحانی وتغلیب الملکیة عن البشریة.

پس جبرئیلؑ نے مجھے پکڑا اور سینہ سے لگایا اور بھینچا۔ علماء ظواہر کہتے ہیں کہ یہ بھینچنا دل کو متوجہ کرنے کے لئے ایک قسم کی تنبیہ تھی کہ جو چیز قلب پر القاء ہوا سے قبول کرلے۔ اور علماء طریقت کہتے ہیں کہ یہ سینے سے لگانا حصول فیض کے لئے باطنی توجہ تھی اور بشریت پر ملکیت کو غالب کرنا مقصود تھا۔

قیل الغط الاول فیتخلی عن الدنیا والثانة یستفرغ لما یوحی الیه الثالثة للموانسة ومثل هذا التصرف الباطنی ثابت بالکتاب والسنة وعلیه السادة الصوفیة قال الله عزوجل اذیوحی ربک الیٰ الملائکة انی معکم فثبتوا الذین امنوا ای بالالقاء الخفیة والتوجهات الباطنیه

پہلی مرتبہ بھینچنے سے مقصد دل کو دنیا سے خالی کرنا تھا، دوسری مرتبہ وحی کے لئے دل کو فارغ کرنا تھا اور تیسری مرتبہ انس پیدا کرنے کے لئے تھا۔ اسی طرح تصرف باطنی قرآن وسنت سے ثابت ہے اور اسی پر صوفیائے کرام کا عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب تیرے رب نے فرشتوں کی طرف وحی کی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اور ایمانداروں کو ثابت قدم رکھو یعنی القاء اور توجہ باطنی سے ثابت قدم رکھو۔

ہمارے سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ میں اسی حدیث کے مطابق مبتدی سالک کو تین مرتبہ توجہ دی جاتی ہے، پہلی توجہ سے مقصد روحانی شکل کی درستی ہوتی ہے، دوسری

دفعہ رفع نحوست کے لئے اور تیسری بار تنویر قلب کے لئے۔ اسی سے سالک میں مقامات و منازل سلوک طے کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے اور اسی لئے توجہ شیخ کامل کے بغیر یہ منازل طے نہیں ہو سکتے۔

چنانچہ بخاری ۱:۲۴۱ پر حدیث موجود ہے:۔

عن یعلی فانزل الله تعالیٰ علیٰ النبی ﷺ فستر ثوب فقلت لعمر وددت انی قد رایت النبی ﷺ وقد انزل الله علیه الوحی، فقال عمر تعال. ایسرک ان تنظر الی النبی ﷺ وقد انزل الله علیه الوحی قلت نعم فرفع طرف الثوب فنظرت الیه له غطیط واحسبه قال غطیط لابکر.

پس اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ پر وحی نازل کی اور آپ نے کپڑا لپیٹ لیا۔ میں نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ نبی ﷺ کو اس حالت میں دیکھوں جب آپ پر وحی نازل ہو رہا ہو۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ ادھر آ۔ کیا تجھے یہ بات پسند ہے کہ تو نبی کریم ﷺ کو اس حالت میں دیکھے کہ اللہ تعالیٰ ان پر وحی نازل کر رہا ہو؟ میں نے کہا ہاں! اس پر حضرت عمر نے کپڑے کو ایک جانب کو اٹھالیا۔ پس میں نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ آپ غطیط کی حالت میں تھے۔ اور میرا خیال ہے کہ تو جوان اونٹ کی غطیط کی سی کیفیت تھی

غطیط کے معنی حبس دم ہے۔ معلوم ہوا کہ وحی کی حالت میں حضور ﷺ پر حبس دم کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ حبس دم سے ذکر کرنے اور چادر لپیٹ کر ذکر کرنے کی اصل اس حدیث میں موجود ہے۔ صوفیہ جو مراقبہ کراتے ہیں جس کا مطلب فیض الٰہی کا انتظار ہے، وہی کیفیت ہے جو نبی کو اس وقت ہوتی ہے جب نزول وحی کے وقت احکام الٰہی کا انتظار کر رہا ہوتا ہے۔ اسی حدیث سے مراقبہ کی اصل بھی ثابت ہے۔

(۱۷) الکشف والالہام

حصول علم کے ذرائع

انسان کے لئے حصول علم کے ذرائع تین ہیں حواس ظاہری وہم وعقل اور نور بصیرت، حواس ظاہری سے جو علم حاصل کیا جاتا ہے اس کی بنیاد احساس اور مشاہدہ پر ہے۔ عقل و وہم سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ انتقال من المعلوم الی المجھول کے طریقہ پر ہوتا ہے اور نور بصیرت سے جو علم حاصل ہوتا ہے، اس کا ذریعہ تلقی روحانی عن الغیب ہے، وحی، تحدیث تفہیم، ذوق، معرفت، علم لدنی، مشاہدہ، کشف، الہام اور وجدان تلقی روحانی کی ہی مختلف صورتیں ہیں۔

وَقَدْ تُسَمّٰى جَمِيْعُ اَنْوَاعِ التَّلَقِّيْ عَنِ الْغَيْبِ مَا عَدَا الْوَحْيِ الْكَشْفَ وَالْاِلْهَامَ. وَلَمَّا انْقَطَعَ الْوَحْيُ بِخَاتَمِ الْاَنْبِيَاءِ صَلَوٰاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ لَمْ يَبْقَ مِنْ اَقْسَامِ التَّلَقِّيْ اِلَّا الْكَشْفُ وَالْاِلْهَامُ.

وحی جلی کے سوا تلقی عن الغیب کی تمام اقسام کا نام کشف والہام رکھا گیا ہے اور جب وحی جلی، خاتم الانبیاء ﷺ کے ساتھ منقطع ہوگئی تو اب تلقی عن الغیب کی صرف ایک شکل کشف و الہام باقی رہ گئی۔

(عبقات: ۸)

علم نقلی بھی اسی تلقی عن الغیب سے ہے، اور اس کا حصول خبر معصوم پر موقوف ہے اور ہر خبر احتمال جانبین کا رکھتی ہے، یعنی صدق کا بھی اور کذب کا بھی۔ یہاں یہ اعتراض بے جا ہے کہ علامہ خیالی نے ''اخبار میں اصل صدق کو بتایا ہے اور کذب کو ایک احتمال عقلی قرار دیا ہے۔'' کیونکہ عقل بھی ایک مضبوط دلیل ہے اور احتمال جو

اَلْاِشْتِغَالُ بِالدُّنْيَا وَلَذَّاتِهَا كَالْعَائِقِ عَنْ اِدْرَاكِ ذٰلِكَ الْاَلَمِ كَمَا اَنَّ الْعُضْوَ الْمُخَدَّرَ اِذَا مَسَّتْهُ النَّارُ. فَاِنَّ سَبَبَ الْاَلَمِ حَاصِلٌ "فِي الْحَالِ" لٰكِنَّهُ لَا يَحْصُلُ الشُّعُوْرُ بِذٰلِكَ الْاَلَمِ بِصِيَامِ الْعَائِقِ فَاِذَا زَالَ الْعَائِقُ عَظُمَ الْبَلَاءُ فَكَذَا هٰهُنَا اِذَا فَارَقَ الْبَدَنُ عَظُمَ عَذَابُ الْحِجَابِ.

(تفسیر کبیر ۶: ۳۱۹)

دنیا میں مشغول ہونا اور اس کی لذات میں غرق ہونا فہم عذاب میں مانع ہے۔ جیسے ایک عضو مخدر ہو تو اسے آگ کے چھونے سے درد کا احساس نہ ہوگا، حالانکہ سبب عذاب درد تو موجود ہے، لیکن عدم شعور بوجہ مخدر ہونے کے ہے، اور جب یہ مانع زائل ہو جائے تو عذاب کی شدت کا احساس بڑھ جائے گا۔ کفار کے معاملہ میں بھی حالت یہی ہے کہ جب بدن روح سے الگ ہو جائے گا تو حجاب کا عذاب شدید تر ہو جائے گا

کشف کے لئے شرائط

(۱) کشف والہام اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قلب سلیم عطا فرمایا ہو کیونکہ قلب سلیم کے باطنی حواس بیدار ہوتے ہیں اور قلب ان کے ذریعے علوم باطنی کا ادراک کرتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح جیسے انسان ظاہری حواس سے ظاہری علوم کا اکتساب کرتا ہے۔

(۲) شریعت حقہ کا کامل اتباع۔

گویا کشف والہام کے لئے دو شرائط ہیں، ایک وہبی یعنی قلب سلیم کا ہونا، ایک کسبی، یعنی اتباع شریعت، جس شخص میں یہ دونوں شرائط پائی جائیں گی اسے الہام خیر اور القائے رحمانی سے نوازا جائے گا، جس کا عقیدہ خراب، عمل ناقص اور اخلاص نایاب ہو اسے کیسے اتنی بڑی نعمت کا مستحق قرار دیا جائے گا؟

حدیث نفس اور القائے شیطانی

قال الله تعالیٰ، وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ

اور اس قسم کی متعدد دوسری آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ شیطان کی طرف سے بھی القاء والہام کا سلسلہ برابر چل رہا ہے۔ مگر اس کے لئے بھی ایک خاص معیار اور شرط ہے۔

كَمَا قَالَ تَعَالٰى. هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ، تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ.

کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیطان کس پر اترا کرتے ہیں، ایسے شخصوں پر اترا کرتے ہیں جو دروغ گفتار بدکردار ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ القائے شیطانی بھی اس شخص پر ہوتا ہے جو کفر و شرک و بدعت میں کمال پیدا کرلے۔ جوگیوں، پنڈتوں اور دوسرے بے دینوں کے خرافات اسی قبیل سے ہیں۔

کشف والہام کی صحت کا معیار۔

۱۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ کشف کے لئے ایک وہبی چیز یعنی قلب سلیم کا ہونا پہلی شرط ہے، اسی طرح کشف کی صحت کا ایک وہبی معیار وجدان صحیح ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ معدہ انسانی مکھی کا وجود قبول نہیں کرتا، اور جیسے معدہ انسانی مکھی کو باہر پھینک دیتا ہے، اسی طرح قلب سلیم القائے شیطانی سے بے چینی محسوس کرتا ہے اور اسے رد کر دیتا ہے۔

۲۔ ہر کشف والہام کو کتاب وسنت کے سامنے پیش کیا جائے گا اگر وہ وحی قطعی سے متصادم ہے تو مردود ہے اور اگر کتاب وسنت کے مطابق ہے تو صاحب کشف کو یقین رکھنا چاہیے کہ یہ من جانب اللہ ہے۔

۳۔ شریعت نے یہ انتظام نہیں کیا کہ ہر امر واقعی کی تفصیل بیان کر دے ہاں جس امر کی شریعت نے نفی کر دی وہ منفی ہے اور جس کا اثبات کر دیا وہ مثبت ہے اور جس امر سے شریعت نے سکوت کیا وہ نفی اور اثبات دونوں کا احتمال رکھتا ہے پس کشف والہام سے ان دونوں امور میں سے جو چیز ثابت ہوگی، وہ حق ہوگی۔ البتہ وہ کشف والہام مردود ہوگا جو شریعت کے منفی کو مثبت بنا دے، یا مثبت شریعت کو منفی قرار دے۔

پس حصول علم کے سلسلے میں کشف صحیح اور الہام والقائے ربانی کا انکار دین کے متواترات کا انکار ہے۔

دلائل کشف قرآن حکیم سے

قَالَ تَعَالیٰ. فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا (الکھف)

۱۔ سو انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ کو پایا جسے ہم نے اپنی خاص رحمت دی تھی اور ہم نے اسے اپنے پاس سے خاص طور کا علم سکھایا تھا۔

فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا. (مریم)

۲۔ پس ہم نے ان کے پاس اپنے فرشتہ کو بھیجا، اور وہ ان کے سامنے ایک پورا آدمی بن کر ظاہر ہوا۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ. (ال عمران)

اللہ تعالیٰ نے تم کو منتخب فرمایا ہے اور پاک بنایا ہے اور تمام جہان بھر کی عورتوں کے مقابلہ میں منتخب فرمایا ہے۔

يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِىْ وَارْكَعِىْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ. (ال عمران)

۴۔ اے مریم اپنے پروردگار کی اطاعت کرتی رہو اور سجدہ کیا کرو اور رکوع کیا کرو ان لوگوں کے ساتھ جو رکوع کرنے والے ہیں۔

۵۔ جب فرشتوں نے کہا اے مریم! بے شک

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ. (ال عمران)

اللہ تعالیٰ تم کو بشارت دیتے ہیں ایک کلمہ کی جو منجانب اللہ ہوگا۔

اِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِىْ وَبِرَسُوْلِىْ. (المائدہ)

۶۔ اور جب میں نے حواریین کو حکم دیا کہ تم مجھ پر اور میرے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ (اَىْ قُلْنَا اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ) (لقمٰن)

۷۔ اور ہم نے لقمان کو دانش مندی عطا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے رہو، یعنی ہم نے کہا کہ اللہ کا شکر کرتے رہو۔

وَاَوْحَيْنَا اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ .... الخ (القصص)

۸۔ اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو الہام کیا کہ تم ان کو دودھ پلاؤ......الخ

قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا (الکھف)

۹۔ اور ہم نے یہ کہا اے ذوالقرنین! خواہ سزا دو، خواہ ان کے معاملہ میں نرمی کا سلوک اختیار کرو،،

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ. (البقرہ)

۱۰۔ اور جب طالوت فوجوں کو لے کر چلے تو انہوں نے کہا کہ حق تعالیٰ تمہارا امتحان کریں گے ایک نہر سے،،

تِلْكَ عَشَرَةٌ'' كَامِلَةٌ

فائدہ۔ نصوص قرآنیہ سے علوم کشفیہ اور الہامیہ ثابت ہوگئے، یہ بعد کی بات ہے کہ یہ علوم قطعیہ ہوتے ہیں یا ظنیہ، نفس علم الہام وکشف ثابت ہوگیا۔ اس کا منکر نصوص قرآنیہ کا منکر ہوگا۔

سوال:۔ کیا یہ علم غیب نہیں کہ کشف سے کسی کے دل کی بات معلوم کر لی جائے۔

جواب:۔ اس کو کشف قلوب کہا جاتا ہے اور یہ علم غیب نہیں، کیونکہ علم غیب کی تعریف یہ ہے کہ اس کی ابتدا اور انتہا نہ ہو اور کسی واسطہ سے حاصل نہ ہو، مگر اولیاء اللہ کا علم ذاتی نہیں بلکہ کشف والہام کے واسطے سے ہوتا ہے، قدیم نہیں حادث ہے، حضوری نہیں حصولی ہے۔ ابن قیم نے کشف والہام پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

لَيْسَ هٰذَا مِنْ عِلْمِ الْغَيْبِ بَلْ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ قَذَفَ الْحَقَّ فِىْ قَلْبٍ قَرِيْبٍ مُسْتَبْشِرٍ بِنُوْرِهٖ غَيْرِ مَشْغُوْلٍ

یہ علم غیب نہیں، بلکہ علام الغیوب نے اس قلب میں ڈالا ہے جو نور سے بشارت دیا ہوا ہے اور

بِنُقُوْشِ الْاَبَاطِيْلِ وَالْخَيَالَاتِ وَالْوَسَاوِسِ الَّتِيْ تَمْنَعُهٗ مَنْ حُصُوْلِ صُوَرِ الْحَقَائِقِ.

نقوش باطلہ، خیالات فاسدہ اور وساوس میں مشغول نہیں، یہ وہ چیزیں ہیں جو حصول حقائق میں مانع ہوتی ہیں۔

(کتاب الروح: ۲۹)

فائدہ: اس عبارت سے معلوم ہوا کہ یہ علم غیب نہیں اور کشف اللہ کے خاص بندوں کو ہوتا ہے جن کے قلوب صاف اور محبت الٰہی میں غرق ہوتے ہیں، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جوگیوں اور بے دینوں پر حقائق اشیاء منکشف نہیں ہوتے۔

(امام رازیؒ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:۔

فاحسن احوال العبد فی هذه الدنیا ان یکون مواظباً علیٰ العبادات وهذه اول درجات سعادة الانسان وهو المراد بقوله ایاک نعبد. فاذا وجب علی هذه الدرجته مدة فعند هذا یظهرله شیء من النوار عالم الغیب وهوانه وحده لا یستقل بالاتیان بهذه العبادات والطاعات بل مالم یحصل له توفیق الله تعالیٰ واعانته عصمته فانه لا یمکنه الایمان بشیء من لعبادات والطاعات وهذا المقام هو الدرجة الوسطیٰ فی الکمالات وهو المراد من قوله وایاک نستعین ثم اذا تجاوز عن هذا المقام لاح له ان هدایته لا تحصل الا منالله وانوار المکاشفات والتجلی لا تحصل الا بهدایة الله وهو المراد من قوله اهدنا الصراط المستقیم'' قال بعضهم انه لما قال اهدنا الصراط المستقیم لم یقتصر علیه بل قال صراط الذین انعمت علیهم وهذا یدل علی ان المرید سبیل له الی الوصول الی مقامات الهدایة والمکاشفات الا اذا اقتدی بشیخ یهدیه الیٰ سواء السبیل ویجنبه من مواقع الا غالیط والا ضالیل ، (تفسیر کبیر ۱: ۱۴۲)

امام رازی فرماتے ہیں کہ مکاشفات کا دروازہ اللہ کے ان خاص بندوں پہ کھلتا ہے، جن کو شیخ کامل میسر آجائے، طلب صادق اور عزم و استعداد ہو تو اللہ تعالےٰ انہیں اس اعلیٰ مرتبہ پر پہنچا دیتا ہے، امام غزالیؒ فرماتے ہیں

اخبر ان ابصار القلب یحصل بالذکر و نحه یتمکن من الذکر بالتقوی.

یعنی کشف کا دروازہ اس کے لئے کھلتا ہے جو تقوےٰ کے وصف کے ساتھ ذکر الٰہی پہ مواظبت کرے۔

فالتقوی باب الذکر والذکر باب الکشف (المرشد الامین) واحیاء العلوم جلد۳)

غوث اعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں

جس شخص کا ایمان قوی ہوجاتا ہے اور یقین جم جاتا ہے وہ قیامت کے معاملات جن کی حق تعالےٰ نے خبر دی ہے قلب کی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے جنت اور دوزخ کو۔ وہ دیکھتا ہے صور کو اور اس فرشتہ کو جو اس پر تعینات ہے، وہ دیکھتا ہے تمام چیزوں کو جیسی کہ وہ حقیقت میں وہ ہیں۔ (الفتح الربانی وعظ ۱۸ ذالقعدہ ۵۴۵ھ)

غوث اعظم نے صرف ایمان کو نہیں بلکہ ایمان کے قوی ہوجانے اور یقین جم جانے کو کشف کا ذریعہ قرار دیا ہے، اور بندے پر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت نہ ہو تو ایمان قوی کیوں کر ہوسکتا ہے؟

شیخ الاسلام فرماتے ہیں۔

آثار ذکر خواہ انوار ہوں یا الہامات و کشف و کرامات وغیرہ خود بخود ظاہر ہوں تو بے شک معین و مددگار ہیں (مکتوبات شیخ الاسلام جلد سوم مکتوب ۳۳)

شیخ الاسلام نے کشف کو آثار ذکر میں شمار کیا ہے اور ذاکر اللہ کے خاص بندے ہی ہوتے ہیں۔

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ (المنقذ من الضلال ۵۰)

طریق سلوک کی ابتدا ہی مشاہدات اور مکاشفات شروع ہوجاتا ہے۔ حتیٰ کہ سالکین بیداری میں انبیاء کے ارواح اور ملائکہ کا مشاہدہ کرتے ہیں، ان کا کلام سنتے ہیں ان سے فوائد حاصل کرتے ہیں (مرتب)

کشف اور الہام میں فرق

(فیض الباری ۱:۱۹)

اما الفرق بین الکشف والالهام فکما قال الشیخ المجدد السرهندی ان الکشف اقرب الی ما سموه اهل المعقول بالحسیات والا لهام الی ما سموه بالوجدانیات ولعل الالهام اقرب الی الصواب من الکشف فان الکشف رفع الحجاب عن الشیء والهام القاء المضمون

کشف اور الہام میں فرق ہے۔ جیسا کہ شیخ مجدد سرہندیؒ نے فرمایا کہ اہل منطق جسے حیات کہتے ہیں، کشف اس کے زیادہ قریب ہے اور جسے وجدانیات کہتے ہیں الہام اسکے زیادہ قریب ہے شاید الہام اقرب الی الصواب ہے بہ مقابلہ کشف کے۔ کیونکہ کشف نام ہے حجاب کا اٹھنا کسی شئے سے اور الہام دل میں کسی مضمون کا القاء ہوتا ہے۔

کشف یا الہام، اعلام من اللہ کی دو مختلف صورتیں ہیں، ان میں سے الہام اقرب الی الصواب ہے۔

حالت برزخی

عالم دُنیا اور عالم آخرت کے درمیانی عرصہ کو عالم برزخ کہتے ہیں۔ اس عالم میں جو حالت پیش آتی ہے اُسے حالت برزخی کہتے ہیں۔ اس میں میت پر دونوں جہانوں کے حالات منکشف ہوتے رہتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام پر عالم دُنیا میں یہ حالات منکشف ہوتے ہیں جو عارف باللہ اولیاء اللہ نُور نبوت سے اپنے قلوب کو منور کر چکے ہوتے ہیں، ان پر بھی یہ حالت آتی ہے۔ دنیوی زندگی میں ان پر تین حالتیں آتی ہیں، ایک بیداری، دوسری نوم، تیسری حالت ان دونوں کے درمیان۔ یہی حالتِ برزخی ہے۔ انبیاء علیہم السلام پر جب وحی نازل ہوتی ہے اور انہیں الہام اور انکشاف شروع ہوتا ہے تو ان پر یہی برزخی حالت طاری ہوتی ہے اور اولیاء اللہ پر بھی بہ نیابت نبوت یہی حالت آتی ہے۔ اس حالت میں انبیاء اور اولیاء من وجہ دنیا سے منقطع ہو جاتے ہیں۔ یہ حالت استغراق نہ بیداری ہوتی ہے نہ نوم۔ اس حالت برزخی میں الہام وانکشاف شروع ہو جاتا ہے۔

فیض الباری ۱:۲۶ پر اس کی کچھ تفصیل یوں دی گئی ہے:۔

يحصل له ﷺ من الكرب عند نزول القران وهي حالة يوخذ فيها عن حال الدنيا من غير موت فهو مقام برزخي يحصل له عندنا الوحي ولما كان برزخ العام ينكشف فيه للميت كثير من الاحوال حض الله نبيه ببرزخ في الحياة يلقي اليه فيه وحيه المشتمل على كثير من الاسرار وقد يقع لكثير من الصلحاء عند الغيبة بالنوم او غيره اطلاع على كثير من الاسرار وذالك معتمد من المقام النبوي ﷺ ويشهد له حديث رويا المومن من ستة و اربعين جزا من النبوة

حضور اکرم ﷺ کو نزول قرآن کے وقت ایک حالت پیش آتی تھی جو موت کے بغیر برزخی حالت ہوتی تھی۔ یہ حالت القاء وحی کے وقت ہوتی تھی۔ عالم برزخ میں میت پر برزخی حالات منکشف ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو دنیا میں برزخی حالات سے مختص کیا ہے، جب ان پر وحی نازل ہوتی، جو بہت سے اسرار پر مشتمل ہوتی تھی اور یہ حالت برزخی جو ما بین نوم اور بیداری کے ہے اولیاء اللہ کے لئے بھی ہے۔ اس حالت میں ان پر بہت سے اسرار الٰہی القاء ہوتے ہیں۔ اولیاء کے لئے یہ حالت مقام نبوت سے ماخوذ ہے اس پر یہ حدیث گواہ ہے کہ مومن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔

اور مشکلات القرآن ص ۲۷۴ پر ہے:۔

فلذلك الولي اذا اطلعه الله على غيبه لم يره بنور نفسه وانما يراه بنور متبوعه اى بنور نبيه.

ولی اللہ کشف میں جو کچھ دیکھتا ہے وہ اپنے ذاتی نور سے نہیں دیکھتا، بلکہ اپنے نبی ﷺ کے نور سے دیکھتا ہے جس کا وہ تابع ہے۔

انبیاء اور اولیاء کو قبل از وجود اشیاء کا انکشاف

فیض الباری ۱:۱۸۲

اعلم ان ما يرونه الاولياء من الاشياء قبل وجودها لها ايضا نحو من الوجود كما ان ابايزيد بسطامیؒ لما مر من جانب مدرسة وهبت الريح قال انى اجد منها ريح عبد من عباد الله فنشاء عند الشيخ ابو الحسن الخرقاني وكما ان النبي ﷺ قال انى اجد نفس الرحمن من اليمن فنشاء منه الاويس القرني وهذا ايضا نحو من الوجود.

جان لو کہ اولیاء اللہ جس چیز کو اس کی پیدائش سے پہلے دیکھتے ہیں اس کا بھی ایک قسم کا وجود ہوتا ہے، جیسے بایزید بسطامیؒ ایک مدرسہ کے پاس سے گزرے تو ہوا کا جھونکا آیا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اس میں ایک مرد خدا کی خوشبو آرہی ہے۔ چنانچہ (سو سال بعد) وہاں ابوالحسن خرقانیؒ پیدا ہوئے۔ اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں یمن کی طرف سے تجلیات باری دیکھتا ہوں۔ چنانچہ وہاں اویس قرنیؒ پیدا ہوئے۔ یہ بھی پیدائش سے قبل ایک قسم کے وجود کی دلیل ہے۔

اسی کتاب کے ۳:۳۳۲ پر ہے۔

وقد ثبت عند الشرع وجودات للشيء قبل وجودها في هذا العالم

شریعت کی رو سے ثابت ہے کہ اشیاء کے وجود میں آنے سے پہلے ایک قسم کے وجود ہوتے ہیں۔

پھر ۳:۳۳۷ پر فرمایا:۔

قال ترون ما اری هذا الذی قلت ان للشیء وجوداً قبل ظهوره فی هذا العالم ایضا فالفتن التی راها النبی ﷺ تقطر خلال بیوتهم لم تکن فی زمنه ولکنه راها نحو وجودها قبل ظهورها.

میں نے یہی بات کہی ہے کہ اشیاء کے اس دنیا میں ظاہر ہونے سے پہلے بھی ایک قسم کے وجود ہوتے ہیں۔ جو فتنے حضور ﷺ کے زمانے میں نہیں تھے اور حضور ﷺ نے انہیں دیکھا وہ گھروں کے دروازوں کے درمیان ٹھیک ثابت ہوئے، اور حضور ﷺ نے ان کے وجود میں آنے سے پہلے کشف سے دیکھ لیا تھا۔ ان کا بھی ایک قسم کا وجود تھا۔

اور روح المعانی ۱:۲۳۳ پر ہے کہ اولیاء اللہ بقید حیات دنیوی جنت کی سیر کرتے ہیں۔

والذی ذهب الیه سادتنا الصوفیة قدس الله تعالیٰ اسرارهم انها فی الارض عند جبل الیاقوت تحت خط الاستواء ویسمونها جنت البرزخ وهی الآن موجودة وان العارفین یدخلونها الیوم بارواحهم لا باجسادهم

صوفیہ کرام نے فرمایا کہ (وہ جنت جس میں حضرت آدمؑ کو خدا نے رکھا تھا) وہ زمین پر برزخی جنت ہے جو جبل یاقوت کے پاس ہے صوفیہ اپنے ارواح کے ساتھ حالتِ کشف میں اس جنت کی سیر کرتے ہیں اجسام کے ساتھ نہیں۔

عوام کا نیند کی حالت میں خواب میں مختلف اشیاء دیکھنا ایک عام بات ہے، جو کسی کے لئے بھی حیرت کی بات نہیں۔ یہی صورت اولیاء اللہ کو بیداری کی حالت میں پیش آتی ہے جیسے نیند کی حالت میں انسان کی آنکھیں بند ہوتی ہیں، حرکات ختم اور خیالات کی جولانی بھی نہیں ہوتی، اسی طرح اولیاء اللہ بیداری کی حالت میں اندھیرے کمرے میں بیٹھ جاتے ہیں، آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور خیالات کو ہر طرف سے ہٹا کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اس یکسوئی کی حالت میں ان پر حالات کا انکشاف ہوتا ہے۔

مرقاۃ ۲:۱۷ پر ملا علی قاری فرماتے ہیں:۔

الظلمة فی المکان اجلی القلوب فی الذکر.

مکان میں تاریکی ذکر کے دوران دلوں کو بہت جلا بخشنے والی ہے

فی الباری ۱:۱۷ پر فرمایا:۔

ان الاولیاء یرون فی کشوفهم اشیاء لعین الباصرة ولا تراها کذالک والانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام یرون المغیبات ما عین الباصرة فی الیقظة.

اولیاء اللہ کشف میں دل کی آنکھوں سے وہ کچھ دیکھتے ہیں جو ہم نہیں دیکھ سکتے اور انبیاء کرام علیہ السلام غیب کی چیزوں کو دل کی آنکھ سے بیداری کی حالت میں دیکھتے ہیں جن کو عوام نہیں دیکھ سکتے۔

ہر چیز کی ایک صورت ہوتی ہے اور ایک اس کی حقیقت۔ نگاہ ظاہر صورت تک پہنچ کر رک جاتی ہے کیونکہ اس کی حد وہی ہے مگر نگاہ باطن یا بصیرت صورت سے گزر کر حقیقت تک پہنچ جاتی ہے اور نگاہ وہی ہے جو حقیقت کا کھوج لگا لے۔ خوب کہا کسی نے

اے اہل نظر ذوق نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ سمجھے وہ نظر کیا

علماء ظاہر ہیں اور حقیقت شناس عارفین میں بھی فرق ہے، جیسا کہ فیض الباری ۱:۱۸ پر فرمایا:۔

ونظر العلماء احکم ونظر ارباب الحقاء اسبق والطف فهم یمشو علیٰ ما یظهر من ظاهر الشریعة وهو لا یداعون ما کشف الله سبحانه علیم من حقائق الشریعة و جیشه واسرارها وفی الحدث لکل ایة ظهر وبطن لکل حد مطلع ولکن من لم یجعل الله له نورا فماله من نور

علماء ظاہر کی نگاہ مضبوط ہے، مگر ارباب حقائق صوفیہ کی نگاہ بہت آگے ہے اور بڑی لطیف ہے۔ علماء ظاہر تو ظاہر شریعت پر عمل کرتے ہیں، اور اولیاء اللہ ان امور کی رعایت ملحوظ رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ شریعت کے حقائق و رموز میں سے بذریعہ کشف ان پر ظاہر کرتا ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ ہر آیت قرآنی کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی اور ہر چیز کی ایک حد ہے لیکن جسکو اللہ تعالیٰ نور بصیرت نہ دے اس کے لئے کوئی نور نہیں۔

صورت شے اور حقیقت شے میں جو فرق ہے اس کو سمجھنے کے لئے حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کا واقعہ کافی ہے۔

کچھ برخود غلط قسم کے لوگ علم حقائق اور علم اسرار کو علم غیب کی قبیل سے شمار کرتے ہیں۔ اور علم غیب خاصہ خدا ہے، اس لئے کشف کا انکار کر دیتے ہیں۔ اس کا علمی جواب گزشتہ کسی باب میں دیا جا چکا ہے۔ اصل بات یہ نہیں کہ اعتراض میں کوئی وزن ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ قرآن و حدیث کو اپنا رہنما بنا کر ان کے پیچھے چلنے کے عادی ہی نہیں، یہ خدا اور رسول کو اپنے پیچھے چلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لئے قرآن و حدیث میں سے صرف اسی کو حق سمجھتے ہیں، جو ان کے اپنے ایجاد کردہ عقیدہ کے مطابق ہو۔

فیض الباری ۱:۱۵۱ پر اس مسئلے پر اصولی بحث کی گئی ہے:۔

اعلم ان هذه الخمس لما كانت من الامور التكوينية دون الشريعة لم يظهر عليها احدا من الانبياء الا بما شاء وجعل مفاتيحه عنده فقال وعنده مفاتح الغيب لا يعلمها الا هو لانهم بعثوا للتشريع فالمناسب لهم علوم التشريع دون التكوين ثم المراد منه اصولها ولما علم الجزئيات فقد يعطى منه الاولياء رحمهم الله تعالىٰ ايضا لان علم الجزئيات ليس بعلم فى الحقيقة لكونها محلا للتوصلات والتغيرات محلا

خوب سمجھ لو کہ مغیبات خمسہ کا تعلق امور تکوینی سے ہے، تشریعی سے نہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق کسی نبی کو اطلاع نہیں دی۔ اور اس کی چابیاں اپنے پاس رکھیں اور فرمایا کہ غیب کی چابیاں اس کے پاس ہیں، اس کے بغیر انہیں کوئی نہیں جانتا۔ چونکہ انبیاء کرام شریعت کے احکام بیان کرنے کے لئے مبعوث ہوتے ہیں، اسلئے ان کے منصب کے مناسب شریعت کے علوم ہی ہیں امور تکوینی نہیں۔ پھر علوم خمسہ سے مراد اصول علم ہیں، جزئیات نہیں۔ جزئیات کا علم اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو بھی دے دیتا ہے، کیونکہ جزوی علم حقیقت میں علم ہی نہیں، کیونکہ وہ قابل تغیر وتبدل ہے۔

اسی حقیقت کو ملا علی قاریؒ نے مرقاۃ ۱۶:۷ پر یوں بیان فرمایا:

فان قلت قد اخبر الانبياء والاولياء بشيئ كثير من ذالك وكيف الحصر قلت الحصر فاعتبار كلياتها دون جزئياتها.

اگر تو کہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان مغیبات میں سے بہت سے حصوں کو متعلق انبیاء اور اولیاء کو خبر دے دی ہے تو حصر کیسے ہوا؟ میں کہوں گا کہ کلیات کے اعتبار سے حصر ہے، جزئیات کے لحاظ سے نہیں، یعنی جزئیات میں سے انبیاء اور اولیاء کو اطلاع دیدی جاتی ہے جو مانع حصر نہیں۔

نگاہ کا صورت شے تک پہنچ کر رک جانا بڑا حجاب ہے اور یہ حجاب درحقیقت ذاب ہے، جیسا کہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ۱۵۱:۱ پر وَمَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا ماله مِنْ نُّوْرٍ کے سلسلے میں فرمایا:۔

قالت السادة الصوفية الحجاب اشد العذاب صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جاب شدید ترین عذاب ہے۔

اس سلسلے میں ایک سوال توجہ طلب ہے کہ انبیاء کرام اور اولیاء اللہ کو کشف میں اشیاء قبل از وجود جو وجود دکھائی دیتی ہیں، وہ کونسا وجود ہوتا ہے؟ کیا یہ وجود مثالی ہوتا ہے؟ کچھ لوگوں نے اپنی انکل سے یہی رائے ظاہر کی ہے کہ وہ اشیاء کا وجود مثالی ہوتا ہے۔ مگر یہ رائے محض بے بنیاد ہے کیونکہ:

۱۔ مثال اس چیز کی ہوتی ہے جس کا وجود اصلی پہلے موجود ہو۔ جب ممثل لہ کا وجود ہی نہیں تو مثال کس کی ہوگی؟

۲۔ انسانوں میں وجود مثلی سے تماثل نوعی مراد ہوتا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی نوع انسانی کے فرد ہیں، اس لئے وجود مثالی کو کون کہہ سکتا ہے کہ اسی انسان کا فرد ہے۔ جب مثال شے دیدنی ہے نہ بودنی جیسا کہ خواب میں دکھائی دینے والی چیز کا کوئی حقیقی وجود نہیں ہوتا، بلکہ اس کا وجود صرف دیکھنے کی حد تک ہے۔ پھر معدوم ہو جاتا ہے۔

۳۔ کشف میں جو وجود نظر آتا ہے وہ اس طرح کا ہے جیسے کسی مقرر کے ذہن میں تین چار گھنٹے کی تقریر کا وجود موجود ہوتا ہے۔ پھر اسی تقریر کو زبان پر لاتا ہے،

یعنی جس تقریر کا وجود علمی تقدیری اس کے ذہن میں موجود تھا، اسی وجود کو زبان پر لا کر بیان کیا۔ اگر مقرر کے ذہن میں تقریر کا وجود مثالی مانا جائے تو علم بھی وجود مثالی کا ہوگا، اور تقریر بھی وجود مثالی کی ہوگی، کیونکہ جب اصل وجود کا علم ہی نہ تھا تو اس کا بیان کیونکر ہوگا۔

اسی طرح مستری کے ذہن میں مکان کو جو نقشہ ہوتا ہے، وہی مادی طور پر اینٹ پتھر سے مل کر خارج میں ظاہر ہوا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کے ذہن میں وجود مثالی کا نقشہ تھا اور مکان مثالی ہی تیار ہوا۔ مختصر یہ کہ جو وجود ذہن میں ہوتا ہے اس پر خارج میں ثمرات، اثرات اور احکام کی بنا ہوتی ہے۔

اسی طرح تمام اشیاء کا وجود علمی، تقدیری عند اللہ حاضر ہے، وہ اپنے قدیم ازلی علم سے ان کو جانتا ہے، وہی وجود اپنے وقت پر خارج میں مادی دنیا میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔

فان الوجود الخارجية هو ما يكون مبدأ الاثار ومظهر الاحكام وعليه ترتيب الثمرات ما كان لوجود الذهني.

پس وجود خارجی آثار کا مبدأ ہے اور احکام کا ظاہر کرنے والا ہے، اور اسی پر وجود ذہنی کے ثمرات مرتب ہوتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر شے کا وجود اس کی پیدائش سے پہلے عالم تقدیر میں موجود ہوتا ہے، جس کو وجود علمی و تقدیری کہا جاتا ہے۔ جس نے دنیا میں آنا ہے اسی وجود پر اللہ تعالیٰ انبیاء اور اولیاء کو مطلع فرماتے ہیں یعنی ان کے جزوی واقعات کے متعلق اطلاع من اللہ ہوتی ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے اطلاع دے دی تو غیب نہ رہا۔

علم غیب کی تعریف یہ ہے

لا یعرف بالحواس الظاهرة ولا ببداهه العقل

اس لئے جس کو ظاہری آنکھیں دیکھ لیں یا عقل کی روشنی سے معلوم ہو سکے وہ غیب کی تعریف میں نہیں آتا۔ غیب کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ علم اس کا ذاتی ہو، کسی واسطہ یا ذریعہ سے حاصل نہ کیا گیا ہو۔ تیسری خصوصیت یہ ہے کہ حادث نہ ہو اس کی ابتدا اور انتہا نہ ہو۔

جو علم ذاتی نہ ہو، وحی، کشف یا الہام کے واسطہ سے حاصل ہو یا خواب کے ذریعہ سے حاصل ہوا سے علم غیب کہنا صرف ان لوگوں کا کام ہے جو سراپا جہالت میں غرق ہیں اور جنہیں علم کی ہوا بھی نہیں لگی۔

کشف اور الہام از قبیل وحی انبیاء ہیں۔

قَالَ ابْنِ حَجَر وَهُوَ الْمَقَامُ الَّذِیْ اَشَارَ اِلَیْهِ هُوَ الْاِلْهَامُ وَهُوَ مِنْ جُمْلَةِ اَقْسَامِ الْوَحِی الْاَنْبِیَاءِ. (فتح الباری ۱۲: ۳۱۵)

اور مقام مشار الیہ الہام ہے اور وحی انبیاء کی قسموں میں سے ہے۔

کشف اور خواب میں فرق

اِنَّ الْمَنَامَ یَرْجِعُ اِلیٰ قَوَاعِدَ مُقَرَّرَةٍ وَلَهُ تَاوِیْلَاتٌ مُخْتَلِفَةٌ" وَیَقَعُ لِكُلِّ اَحَدٍ بِخِلَافِ الْاِلْهَامِ فَاِنَّهُ لَا یَقَعُ اِلَّا الْخَوَاصُ. (فتح الباری. ۱۲: ۳۱۵)

خوابوں کے لئے ایک قانون تعبیر مقرر ہے اور ان کی مختلف تعبیرات ہوتی ہیں اور خواب ہر شخص دیکھتا ہے، اسکے برعکس الہام خواص سے مختص ہے۔"

کشف و الہام بدکاروں کا حصہ نہیں،

وَقَوْلُهُ ﷺ قَدْ كَانَ فِیْ اُمَمٍ مُحَدَّثُوْنَ. فَثَبَتَ بِهٰذَا اَنَّ الْاِلْهَامَ حَقٌّ" وَاِنَّهُ وَحْیٌ بَاطِنٌ" وَاِنَّمَا حَرَمَهُ الْعَاصِیَ لِاسْتِیْلَاءِ وَحْیِ الشَّیْطٰنِ عَلَیْهِ. (فتح الباری ۱۲: ۳۱۵)

(حضور ﷺ نے فاروق اعظم کو محدث فرمایا) اور فرمایا کہ امم سابقہ میں بھی محدث ہوئے ہیں۔ اس سے الہام کا وحی باطنی اور حق ہونا ثابت ہوا۔ اور بدکاروں کو اس سے محروم رکھا گیا ہے کیونکہ ان پر وحی شیطانی کا غلبہ ہوتا ہے۔"

الہام کا انکار مردود ہے

قَالَ ابْنِ السَّمْعَانِیْ اِنَّ اِنْكَارَ الْاِلْهَامِ مَرْدُوْدٌ" وَیَجُوْزُ اَنْ یَّفْعَلَ اللّٰهُ تَعَالیٰ بِعَبْدِهٖ مَایُكْرِمُهٗ بِهٖ. (فتح الباری: ۳۱۵)

ابن سمعانی نے فرمایا کہ الہام کا انکار مردود ہے یہ جائز ہے کہ اللہ تعالےٰ کسی بندے کو بوجہ الہام مکرم بنادے۔"

کشف و الہام خاص اہل اللہ کا حصہ ہے

وَنَحْنُ لَا نُنْكِرُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالیٰ یُكْرِمُ عَبْدَهٗ بِزِیَادَةِ نُوْرٍ فِیْهِ یَزْدَادُ بِهٖ نَظْرَهٗ وَیُقَوِّیْ بِهٖ رَأْیَهٗ وَاِنَّمَا هُوَ نُوْرٌ" یَخْتَصُّ بِهِ اللّٰهُ لِمَنْ یَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ. (فتح الباری ۱۲: ۳۱۵)

اور ہم اس بات کا انکار نہیں کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کسی بندے کو بنائے اس کے نور قلبی میں اضافہ کر کے اس کی قلبی نظر کو قوی بنادے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ ایسا نور ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے خصوصی طور پر عطا فرمادے۔"

کشف میں انقلابی اثر ہے

وَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سَاجِدِیْنَ ... الخ فَمَا رَفَعُوْا رُءُوْسَهُمْ حَتّٰی رَاَوُا الْجَنَّةَ وَالنَّارَ وَثَوَابَ اَهْلِهَا ..... الخ. (ابن کثیر ۲: ۲۳۷)

ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ساحرین فرعون جو حضرت موسیٰ کے مقابل تھے، انہوں نے سجدے سے اس وقت سر اٹھایا، جب جنت و دوزخ اور عذاب و ثواب دیکھ لیا۔

فائدہ۔ یہ ہے کشف کا انقلابی اثر۔ ساحرین فرعون نے درباری قرب کو چھوڑا۔ انعام سے دست بردار ہوئے موت کو بخوشی اختیار کرنے کا اعلان کر دیا۔ کیونکہ کشف سے حقیقت واضح ہو چکی تھی، اس لئے زندگی کا رخ ہی بدل گیا۔

حقیقی ایمان بھی ایمان شہودی ہے

(امام غزالیؒ نے ایمان کی مختلف قسمیں بیان فرمائی ہیں اور ہر قسم کی کچھ تفصیل بھی فرمادی ہے)

الاول: الصولی .... قشر القشر وھو ایمان المنافقین والعیاذ باللہ .

الثانی: التصدیق بمعنی الکلمۃ وھو ایمان عموم المسلمین

الثالث: ان شاھد ذلک بطریق الکشف وھو مقام المقربین وذلک بان یری اسبابا کثیرۃ ولکن مع کثرتھا صدرت من الواحد القھار .

والرابع: ان لا یریٰ الا واحد او ھو مشاھدۃ الصدیقین. (المرشد الامین ص ۲۸)

عَنْ حَارِثِ بْنِ مَالِکِ الْاَنْصَارِیْ اِنَّہٗ مَرَّ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَقَالَ لَہٗ کَیْفَ اَصْبَحْتَ یَا حَارِثُ قَالَ اَصْبَحْتُ مُؤْمِنًا حَقًّا قَالَ اُنْظُرْ مَا تَقُوْلُ فَاِنَّ لِکُلِّ شَیْءٍ.

حارث بن مالک فرماتے ہیں کہ میں رسول کریم ﷺ کے پاس سے گزرا۔ آپؐ نے فرمایا۔ اے حارث کیا حال ہے۔ میں نے عرض کیا۔ حقیقی مومن ہوں

اس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ مقربین اور صدیقین کا ایمان اصل اور کامل ایمان ہے، اور وہ شہودی ہے۔

امام ربانیؒ دفتر دوم مکتوب نمبر ۸ فرماتے ہیں؛

ایمان بالغیب جو اخص خواص کے نصیب ہے عوام کے ایمان بالغیب کی طرح نہیں عوام نے سماع اور استدلال کے ساتھ ایمان بالغیب حاصل کیا اور اخص نے جمال وجلال کے ظلال وتجلیات وظہورات کے پردوں کے پیچھے غیب الغیب کا مطالعہ کرکے ایمان بالغیب حاصل کیا ہے اور متوسط ظلال کو اصل خیال کرکے اور تجلیات کو عین متجلی جان کر ایمان شہودی کے ساتھ خوش ہیں ان کے نزدیک ایمان بالغیب نصیب اعدا ہے"

اور تفسیر عزیزی پارہ الم ص ۶۶ پر ہے

"ایمان کی دو قسمیں ہیں اوّل ایمان تقلیدی' دوسرے ایمان تحقیقی۔ اور تحقیقی بھی دو قسم ہے استدلالی اور کشفی اور ہر ایک ان دو قسموں سے یا نہایت رکھے اور اس حد سے تجاوز نہ کرے یا نہایت نا رکھے اور جو کہ نہایت رکھے اس کو علم الیقین کہتے ہیں، اور جو کہ انجام نہ رکھے، وہ بھی دو قسم ہے یا مشاہدہ ہے کہ اس کا نام عین الیقین ہے اور یا مشہود ذاتی ہے کہ نام اس کا حق الیقین ہے،، (مرتب)

حَقِیْقَۃٌ" فَمَا حَقِیْقَۃُ اِیْمَانِکَ فَقَالَ عَزَفَتْ نَفْسِیْ عَنِ الدُّنْیَا فَاسْھَرْتُ لَیْلِیْ وَاظْمَاْتُ نَھَارِیْ وَکَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی عَرْشِ رَبِّیْ بَارِزًا وَکَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی اَھْلِ الْجَنَّۃِ یَتَزَاوَرُوْنَ فِیْھَا. وَکَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی اَھْلِ النَّارِ یَتَضَاغَوْنَ فِیْھَا فَقَالَ یَا حَارِثُ عَرَفْتَ فَالْزَمْ ثَلَاثَۃً.

سوچو تو سہی کیا کہہ رہے ہو، ہر شے کی حقیقت ہوتی ہے تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ تو حارث نے کہا کہ میرے ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ میرا نفس دنیا سے منہ موڑ چکا ہے مکاسب دنیا میں مخلوق پر نگاہ نہیں۔ رات کو رب کو یاد کرتا ہوں ۔دن کو روزہ رکھتا ہوں ۔کشف کی حالت یہ ہے گویا کہ عرش الٰہی کو ظاہر باہر دیکھتا ہوں ، اہل جنت کو دیکھتا ہوں کہ ایک دوسرے سے ملاقات کررہے ہیں ،اور اہل دوزخ کو چیختا ہوا دیکھتا ہوں تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ اے حارث تو نے ٹھیک پہچانا پس اسے لازم پکڑ (تین بار فرمایا)

اصل ایمان اطمینان قلب ہے

فَالطُّمَانِیْنَۃُ اَصْلُ اُصُوْلِ الْاِیْمَانِ الَّتِیْ قَامَ عَلَیْھَا بِنَاؤُہٗ ثُمَّ یَطْمَئِنُّ اِلٰی خَبَرِہٖ عَمَّا بَعْدَ الْمَوْتِ مِنْ اُمُوْرِ الْبَرْزَخِ وَمَا بَعْدَھَا مِنْ اَحْوَالِ الْقِیٰمَۃِ حَتّٰی کَاَنَّہٗ یُشَاھِدُ ذَالِکَ کُلَّہٗ عَیَانًا وَھٰذَا حَقِیْقَۃُ الْیَقِیْنِ. اِلٰی اَنْ قَالَ فَھٰذَا ھُوَ الْمُؤْمِنُ حَقًّا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرَۃِ کَمَا فِیْ حَدِیْثِ .... اَصْبَحْتُ مُؤْمِنًا حَقًّا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ لِکُلِّ حَقٍّ حَقِیْقَۃً" فَمَا حَقِیْقَۃُ اِیْمَانِکَ قَالَ عَزَفَتْ نَفْسِیْ عَنِ الدُّنْیَا وَاَھْلِھَا وَکَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی عَرْشِ رَبِّیْ بَارِزًا وَاِلٰی اَھْلِ الْجَنَّۃِ یَتَزَاوَرُوْنَ فِیْھَا وَاَھْلِ النَّارِ یُعَذَّبُوْنَ فِیْھَا فَقَالَ عَبْدٌ" نَوَّرَ اللّٰہُ قَلْبَہٗ'. (کتاب الروح. ۳۱۹)

پس اطمینان قلبی اصل ایمان کی جڑ ہے جس پر ایمان قائم ہے، پھر اسکے بعد اس خبر کی طرف مطمئن ہونا۔ جو احکام برزخ اور اس کے بعد احوال قیامت سے متعلق ہے یہاں تک کہ مومن یہ ساری چیزیں ظاہر مشاہدہ کر رہا ہو۔ پھر فرمایا یہی شخص یوم آخرت پر حقیقی ایمان رکھتا ہے جیسا حدیث حارث میں ہے کہ میں حقیقی مومن ہوں تو حضور ﷺ نے فرمایا، ہر حق کی حقیقت ہوتی ہے، تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ عرض کیا کہ میں نے دنیا اور اہل دنیا سے منہ پھیر لیا ہے گویا کہ عرش الٰہی ظاہر دیکھتا ہوں، اہل جنت کو دیکھتا ہوں کہ ایک دوسرے کی ملاقات کو جارہے ہیں اور اہل دوزخ کو دیکھتا ہوں کہ انہیں عذاب دیا جارہا ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا یہ ایسا بندہ ہے جس کے دل کو اللہ تعالٰی نے منور کردیا ہے۔

فائدہ: اس سے ثابت ہوا کہ حقیقت ایمان اطمینان قلب کے بعد حاصل ہوتی ہے، اور اطمینان قلب ذکر الٰہی سے پیدا ہوتا ہے۔ کَمَا قَالَ تَعَالیٰ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبِ۔ اور حقیقت ایمان یہ ہے کہ مومن کا قلب اس قدر منور ہو جائے کہ اس کی روشنی میں عرش باری تعالیٰ جہاں سے امر نازل ہوتا ہے نظر آ جائے، امور برزخ، اور جنت و دوزخ نظر آ جائیں، اسی کا نام کشف ہے، اور یہی حقیقت ایمان کی دلیل ہے۔

سوال:۔ جب دیگر صحابہ کرامؓ سے ایسے واقعات منقول نہیں تو کیا ان پر اعتراض وارد ہوگا۔

الجواب: ہر صحابی سے عدم نقل اور چیز ہے اور عدم کشف اور چیز ہے۔ عدم نقل سے عدم وجود کہاں ثابت ہوا۔ صحابہ کرامؓ کے انکشاف فرواً فرواً احاطے ہیں کہ شمار میں نہیں آ سکتے۔ ذخیرہ احادیث ان سے بھرا پڑا ہے۔ چند مثالیں جو ہم نقل کر چکے ہیں اسے استیعاب مقصود نہیں۔ بلکہ یہ تو مشتے نمونہ از خروارے ہیں۔

گزشتہ باب کا خلاصہ یہ ہے کہ کشف و الہام وحی باطنی ہے اور کمالات نبوت ﷺ سے ہے۔ اور نائب و خلیفہ نبوت ہے، انقطاع نبوت اور انقطاع وحی شرعی کے بعد یہ دلائل میں داخل ہے، یہ باطنی دولت انبیاء کا حصہ ہے جو بطور وراثت انبیاء کی حقیقی اولاد یعنی متبعین کو ملتی ہے، اور یہ کہ کشف و الہام بدکاروں کو نہیں حاصل ہوتا، بلکہ خواص کو ہوتا ہے، جن کے دل حقیقت ایمان سے منور ہو چکے ہیں۔

یہ بحث قدرے طویل ہو گئی ہے، دراصل بات یہ ہے کہ جب ہمارے بعض نئے رفقائے حلقہ سے کشف قبور کے متعلق اظہار ہوتا ہے تو بات ذرا آگے چلتی ہے۔ نور بصیرت سے محروم مولوی نما لوگ جب سنتے ہیں تو چیں بہ جبیں ہوتے ہیں اور جھوٹے مدعیان ولایت و خلافت و سجادگی جو اعلیٰ حضرت خلیفہ مجاز، پیر طریقت، رازدان شریعت، قطب الاقطاب اور نہ جانے کیا کیا بنے بیٹھے ہیں۔ جب یہ باتیں سنتے ہیں تو دل ہی دل میں اپنی تہی دامنی پر نادم ہوتے ہیں، مگر اپنا جھوٹا وقار قائم رکھنے کے لئے بھانت بھانت کی بولیاں بولتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ نسلاً بعد نسل یہ کمالات تو ہمارے نام رجسٹری ہو چکے ہیں، مگر رحمت الٰہی کو ایک خاص خاندان میں محدود کر دینے کی آخر کوئی دلیل؟ کوئی کہتا ہے کہ میاں کشف و الہام کوئی چیز نہیں، اصل چیز تو رضائے الٰہی کا حصول ہے، درست اگر شاید انہیں یہ معلوم نہیں کہ کشف و الہام رضائے الٰہی کا ثمرہ ہی تو ہیں۔ جن پر اللہ ناراض ہو، بھلا انہیں یہ انعام کیونکر عطا فرمائیگا۔ کوئی حسد کی آگ ذرا علمی رنگ میں اگلتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ کشف ظنی چیز ہے اس کی کوئی اہمیت نہیں، بجا، مگر یہ بھی تو فرمایئے کہ کیا کتب فقہ میں مذکور تمام مسائل قطعیہ ہی ہیں، کیا ذخیرہ احادیث کی تمام حدیثیں متواتر اور قطعی ہیں، کیا وتر، سنت، نفل کی تعیین نصوص قطعیہ سے ثابت ہے؟ اگر محض ظنی ہونے کے احتمال پر کشف کی کوئی اہمیت نہیں تو فقہ اسلامی سے کیا سلوک کریں گے؟ کوئی یہ کہتا ہے کہ اس میں غلطی کا احتمال ہے، اس کا جواب دیا جا چکا ہے کہ دین نقل ہے اور نقل خبر ہے اور خبر میں احتمال صدق و کذب دونوں کا ہے۔ تو پھر کیا اس احتمال پر پورے دین کو چھوڑ دینا چاہئے؟ کوئی کہتا ہے کہ کشف و الہام کوئی حجت شرعی نہیں، اس کا تفصیلی جواب گزر چکا ہے، مختصر یہ ہے کہ اس کے انکار سے متواترات کا انکار لازم آتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ کشف تو کافر کو بھی ہو جاتا ہے یہ محض فریب ہے، جس گروہ کے لئے اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہو کہ لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ اسے کشف ہو سکتا ہے؟ وہ جنت دوزخ دیکھ سکتا ہے۔ ملائکہ اور انبیاء کے ارواح سے ملاقات کر سکتا ہے؟ سیدھی سی بات ہے کہ اگر کافر کو کشف ہو جائے تو لازماً اپنے پیشواؤں اور آباء واجداد کو دوزخ میں جلتا ہوا دیکھ لے گا تو کیا پھر بھی کفر پر قائم رہ سکتا ہے، اور اہل ایمان کو جنت میں دیکھ کر کفر پر ہی اڑا رہے گا؟ کافر کا عقیدہ ظلمت، عمل ظلمت، قول میں ظلمت، قلب میں ظلمت، کیا اندھیرے میں چیزیں نظر آتی ہیں۔ خوب سمجھ لو کہ کافر کیلئے کشف نہیں۔ (سب سے پہلے کشف کی حقیقت معلوم کر لینی چاہئے۔

الکشف عند الصوفیة هو انکشاف حقائق الالٰهیة للصوفی بعد اتخاذه طرقا مخصوصة للوصول الیٰ ذٰلک، واهل الکشف عندهم الذین وصلوا الی مقام سام فی الصوفیة فیشاهدون حقیقة العالم الروحانی من غیر نظر قلبی بل بنور یقذفه الله فی قلوبهم. (المنجمد))

صوفیوں کی اصطلاح میں کشف کی حقیقت یہ ہے: اگر کافر کو کشف ہوتا ہے تو ماننا پڑے گا کہ کافر اصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کافر کے دل میں وہ نور ڈال دیتا ہے کہ اسے حقائق الٰہیہ کا انکشاف ہو جاتا ہے۔ اگر اسے درست تسلیم کر لیا جائے تو پھر ایمان لانے کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے؟

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم باب جنود القلب میں فرمایا ہے کہ والکشف مفتاح الفوز الاکبر جب کافر کو کشف اصطلاحی ہو جاتا ہے تو گویا اس کے ہاتھ میں فوز اکبر کی مفتاح آ گئی۔ کیا اس کا تصور کیا جا سکتا ہے؟

کافر کے کشف کی حقیقت امام ربانیؒ کے زبانی سنئے، فرماتے ہیں:

"کثرت جوع البتہ شفا بخش است و صفائی قلب می بخشد و جمع دیگر را صفائے نفس صفائی قلب ہدایت افزا و نور بخش است و صفائی نفس ضلالت نما ست و ظلمت افزا افلاسفہ یونان و براہمہ جوگیہ ہند ہمہ را ریاضت گرسنگی صفائی نفس بخشیدہ بضلالت و خسارت دلالت نمودہ۔ افلاطون بے خرد اعتماد بر صفائی نفس خود نمودہ صورۃ کشفیہ خیالیہ خود را مقتدائے خود ساختہ عجب ورزید.... ندانست کہ ایں صفا از پوست رقیقہ امارہ او نگزشتہ است و امارہ او بہ ہماں خبث و نجاست خود است پیش ازیں نیست کہ نجاست مغلظہ را بغلاف رقیق نمائند۔ (مکتوبات امام ربانی مکتوب نمبر ۳۱۳)۔

معلوم ہوا کہ کافر اگر ریاضت کرے تو اس کو صفائے نفس حاصل ہو سکتی ہے، مگر کشف عند الصوفیہ کا تعلق تو صفائی قلب سے ہے اور کافر کو صفائی قلب حاصل ہو ہی نہیں سکتی۔ پھر کشف کیونکر ہو۔

حضرت لاہوریؒ فرماتے ہیں۔

یاد رکھئے۔علم اور چیز ہے، تربیت اور چیز ہے، امراض روحانی کا فقط ایک علاج ہے، اور وہ اللہ والوں کی صحبت ہے، ان کی صحبت میں، اللہ کے پاک نام کی برکت سے اللہ کی رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

میں کیا عرض کروں، ان کے جوتوں کی خاک کے ذروں میں وہ موتی ملتے ہیں جو بادشاہوں کے تاجوں میں نہیں ہوتے، بشرطیکہ عقیدت، ادب اور اطاعت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ان میں سے ایک موتی حلال وحرام کی تمیز دوسرا موتی ہے کشف قبور........ جو سرپھرے نوجوان ان باتوں کو نہیں مانتے ان سے کہا کرتا ہوں کہ چودہ سال کا خرچ میرے پاس جمع کرادو، تو میں تمہیں ایسے اللہ والوں کی صحبت میں بٹھاؤں گا جو تمہاری تربیت کریں گے، پھر ایک منٹ میں تم بتا سکو گے کہ قبر هذا المقبور روضة من رياض الجنة وقبر هذا المقبور حضرة من حضر نيران. (مجلس ذکر حصہ اول ۷۰،۶۹)

حضرت لاہوریؒ نے کشف قبور کو جو کشف اصطلاحی کی ایک فرد ہے، ایک موتی قرار دیا ہے، جو اللہ والوں کی صحبت میں اللہ کے پاک نام کے ذکر کی برکت سے حاصل ہوتا ہے۔اور کہیں نہیں ملتا۔اور ظاہر ہے کہ کافر ان دونوں شرائط سے محروم ہے۔پھر اسے کشف کیونکر ہو؟

اور حضرت لاہوریؒ تو کشف قبور کو ہی کمال سمجھتے ہیں جو بڑی مدت کے بعد اللہ تعالیٰ کی عنایت سے حاصل ہوتا ہے۔بلکہ آپ تو سکھانے کی دعوت دیتے ہیں فرماتے ہیں:

سنو! ہوش کرو، مجھے اللہ تعالیٰ نے باطن کی آنکھیں دی ہیں اور مجھے علم ہے کہ جو نوجوان علمائے کرام کو گالیاں دیتے مرگئے ہیں ان کی قبریں جہنم کا گڑھا بنی ہوئی ہیں۔اگر تم کو یقین نہیں آتا تو آؤ، میرے پاس آکر بیٹھ جاؤ، میں نے یہ فن چالیس سال میں سیکھا ہے۔تمہیں چار سال میں سکھادوں گا۔(خدام الدین)

حضرت کے اس اعلان میں بیک وقت کئی باتیں پائی جاتی ہیں۔

اپنے کمال کا دعویٰ بھی ہے اور دوسروں کو کامل بنانے کا اعلان بھی ہے۔جن دوموتیوں کا مندرجہ بالا بیان میں ذکر ہوا ہے، ان میں سے ایک موتی یعنی کشف قبور کے لئے چالیس سال صرف کرنے کا بیان بھی ہے۔اور چار سال میں سکھانے کا دعویٰ بھی ہے اور یقین پیدا کرنے کے لئے کشف قبور کو ذریعہ بھی قرار دیا گیا ہے۔

حیرت ہوتی ہے کہ حضرت لاہوری جیسی شخصیت جس چیز کو ۴۰ سال کی محنت کے بعد حاصل کرے، وہ کافر کو کفر کی حالت میں رہ کر محض تپسیا سے حاصل ہو جائے۔

کشف قبور کے متعلق بوجوہ ایک غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے کہ یہ کشف کونی ہے اس کے متعلق بنیادی طور پر یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ کشفِ قبور میں مٹی کے گڑھے کا کشف نہیں ہوتا، بلکہ مقبور کی حالت کا کشف ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت لاہوریؒ کا ایک اقتباس گزر چکا ہے کہ صاحب کشف کو معلوم ہو جائیگا کہ مقبور روضۃ من ریاض الجنۃ میں ہے یا حفرۃ من حفر النیران میں ہے یعنی کشفِ قبور میں عذاب وثواب کا انکشاف ہوتا ہے، جو برزخ میں میت کو ہو رہا ہے۔اب عذاب وثواب کو عالم کون سے کون تعبیر کرسکتا ہے، اور کشف قبور میں اہل ایمان اور اولیاء اللہ کے درجات اور منازل کا انکشاف ہوتا ہے۔

عالم کون عالم موجودات ظاہریہ پر بولا جاتا ہے۔جس کو قرآن نے عالم ظاہر، عالم محسوسات اور عالم شہادت بھی بیان کیا ہے اور عالم شہادت عالم غیب کے مقابلے میں ہے۔پس جس کشف کا تعلق عالم غیب سے ہو، اسے کشفِ کونی کہنا کہاں درست ہے۔کشف کونی یہ ہے کہ عالم کون کی موجود اور ظاہر چیزیں جو نظر سے اوجھل ہیں، زمین پر ہیں ان کی حالت منکشف ہو جائے کیونکہ انہی چیزوں کا تعلق عالم شہادت سے ہے ویعبرون من عالم الشهادة بالارض (عبقات) یعنی عالم شہادت کو زمین سے تعبیر کرتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ کشف کونی میں عالم کونی کی اشیاء کی صورتیں منکشف ہوتی ہیں، جن کا ایمانیات سے کوئی تعلق نہیں۔اور عالم غیب کی اشیاء پر ایمان لانا فرض ہے، مثلاً ثواب وعذاب قبر پر ایمان لانا ضروری ہے اور یہ عالم غیب سے ہے، عالم کون سے اس کا کوئی تعلق نہیں، اور ثواب وعذاب قبر کا انکار کرنا کفر ہے جیسا کہ علامہ انور شاہ کاشمیریؒ نے عرف شذی ۳۸۹ پر فرمایا۔

عذاب القبر ثبت متواتر القدر المشترك وقال به اهل السنة والجماعة قاطبة ومنكر المتواتر هذا لا ريب فيه تبديعه ومنكر التواتر بالقدر المشترك كافر ان كان التواتر بديهيا وفاسق مبتدع ان كان نظريا.

ترجمہ: عذاب وثواب قبر مشترک وتواتر سے ثابت ہے اور اس پر تمام اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے اور اس تواتر کے منکر کے بدعتی ہونے میں تو ذرہ شک نہیں اور منکر تواتر قدر مشترک کافر ہے اگر تواتر بدیہی ہے اور بدعتی ہے اور بدتر فاسق ہے اگر تواتر نظری ہے اور عذاب وثواب قبر کا ثبوت جس تواتر سے ہے وہ بدیہی ہے۔پس ثابت ہوا کہ عذاب وثواب قبر عالم آخرت کی چیزیں ہیں، جن پر ایمان لانا فرض ہے، اور عالم کون کے پہاڑ، درخت، انسان، حیوان وغیرہ کی صورتوں پر ایمان لانا ضروری نہیں۔ یومنون بالغیب کی تفسیر میں صاحب مظہری فرماتے ہیں ۱:۱۹

فالمراد به ما غاب من ابصارهم من ذات الله تعالىٰ وصفاته والملائكة والبعث والجنة والنار والصراط والميزان وعذاب القبر	عالم غیب سے مراد وہ چیزیں ہیں کو حاسہ بصر سے باہر ہیں جیسے ذات و صفات باری تعالےٰ، ملائکہ، قیامت، جنت، دوزخ، پل صراط، میزان اور عذاب قبر وغیرہ

وغیرہ.

اسی طرح تفسیر قرطبی ۱:۱۶۳ پر ہے:۔

كل ما اخبر به الرسول عليه الصلوٰة والسلام مما لا تهتدی اليه العقول من اشراط الساعة وعذاب القبر والحشر والنشر والصراط والميزان والجنة والنار.

غیب سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کی خبر نبی کریم ﷺ نے دی ہے، جن تک عقل کی رسائی نہیں ہو سکتی جیسا اشراط قیامت، عذاب قبر حشر نشر پل صراط ۔میزان ۔جنت ۔دوزخ۔

اور تفسیر خازن اور معالم میں ہے:۔

والغيب ما كان مغيب عن العيون قال ابن عباس الغيب ههنا كل ما امرت بالايمان به فيما غاب عن بصرک من الملائكة والبعث والجنة والنار والصراط والميزان.

غیب وہ چیزیں ہیں جنہیں آنکھیں نہ دیکھ سکیں ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں غیب سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کے ساتھ تمہیں ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے جو باصرہ کی دسترس سے باہر ہے، جیسے فرشتے ، قیامت، جنت، دوزخ، پل صراط اور میزان۔

غوث زماں سید عبد العزیز دباغ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔لیکن انہیں (کفار کو) قبر النبی ﷺ اور وہ نور جو وہاں سے پھیل کر برزخ تک جا پہنچتا ہے، یا مثلاً اولیائے عارفین کی ذوات مبارکہ، یا ارواح مومنین جو صحن ہائے قبور میں ہیں، نہ ہی کسی فرشتہ کو دیکھ سکیں گے اور نہ ہی جنت قلم لوح اور نہ ان انوار کا مشاہدہ کر سکیں گے

ثابت ہو گیا کہ ثواب وعذاب قبر کا تعلق عالم کون سے نہیں، امور آخرت سے ہے اس لئے کشف قبور کشف کونی نہیں بلکہ کشف الٰہی میں داخل ہے۔

کشف قبور کو کشف کونی کہنے والوں نے بلاشبہ ٹھوکر کھائی، مگر کشف قبور کو علم غیب سے متعلق تسلیم کرنیوالوں نے تو کمال ہی کر دیا۔ اس قسم کے بعض پڑھے لکھے جہلا کہتے ہیں ''کشف قبور علوم غیب سے ہے اور جو شخص کشف قبور کا دعویٰ کرے وہ مشرک ہے''۔

سُبحان اللہ! کیا اجتہاد ہے، ان جہلا کو نہ اس بات کا علم ہے کہ علم غیب کسے کہتے ہیں، نہ انہیں کرامت اولیاء اور خرق عادت سے واقفیت ہے، حالانکہ محض نام کا عالم بھی اتنا جانتا ہے کہ علم غیب جس کا دعویٰ کفر ہے، وہ ہے جس پر کسی قسم کی دلیل قائم نہ ہو جو مخصوص باری تعالےٰ ہے اور کشف تو ایک دلیل ہے اور اعلام من اللہ میں داخل ہے۔ اس پر علم غیب کا اطلاق کرنا نری جہالت ہے۔ ان حضرات کے دماغ میں علم کی جو آندھیاں چلتی ہیں تو عقائد و نظریات میں توازن برقرار نہیں رکھ سکتے۔ مثلاً جواہر القرآن ۱:۱۹ پر:۔

امر دوم۔ ذات باری تعالےٰ ۔فرشتے ۔کتب سماوی ۔ انبیاء متقدمین علیہم الصلوٰۃ والسلام احوال برزخ وعلامات قیامت حشر نشر۔صراط ۔میزان ۔ جنت ۔دوزخ ۔ثواب وعذاب قبر یہ تمام احکام عالم غیب کے ہیں، اور عالم غیب کے امور جو نصوص قطعیہ سے ثابت ہیں، مثلاً عذاب قبر حشر، نشر وغیرہ ان کا انکار کفر ہے۔''

یعنی ''مفسر'' صاحب اقرار کرتے ہیں کہ عذاب قبر نصوص قطعیہ سے ثابت ہے ۔اسکا انکار کفر ہے۔اب ملاحظہ ہو جواہر القرآن ۴: ۹۰۴، ۹۰۵

''عذاب قبر نہ روح کو ہوتا ہے نہ بدن کو ہوتا ہے۔

پھر سوال یہ ہے کہ کس کو ہوتا ہے؟ صاف ظاہر ہے کہ عذاب قبر کا انکار فرما رہے ہیں، اور صاحب جواہر القرآن عذاب قبر کے منکر کو کافر قرار دے چکے ہیں۔

یعنی صاحب جواہر القرآن جلد اول نے صاحب جواہر القرآن جلد دوم کو کافر قرار دے دیا۔

جلد دوم والے صاحب جواہر القرآن کا عقیدہ وہی ہے جو معتزلہ میں سے بھی صرف دو آدمیوں کا عقیدہ تھا۔

ولم ينكر احد منهم (من المعتزلة) الا ضرار بن عمرو وبشر المريسى اعرف شذى ص ۳۸۹

اور لطف یہ کہ صاحب جواہر القرآن اہل سنت والجماعت بھی ہیں اور شیخ القرآن بھی ہیں۔

جفائیں بھی ہیں، فریب بھی ہے، نمود بھی ہے، سنگھار بھی ہے
اور اس پہ دعویٰ حق پرستی اور اس پہ یاں افتخار بھی ہے

(مرتب)

القاء ہے تو شیطانی، اور اگر کوئی فرشتہ نظر آیا جیسا بدر میں ہوا تو وہ عذاب کے لئے، انعام باری تعالیٰ نہیں۔

بعض ظاہر بین جو اس سلسلے میں دھوکہ کھا جاتے ہیں ہم انہیں حقیقت سے روشناس کرائے دیتے ہیں کہ کافر مسلسل مجاہدہ سے بھوکا پیاسا رہ کر بدن کو کمزور کر لیتا ہے اور بدن میں خون اور چربی کم ہو جاتی ہے تو اسے ایک طرح کی یکسوئی حاصل ہو جاتی ہے اور قلب پر بعض مادی چیزوں کا عکس پڑتا ہے۔ یہ ہے کافر کے کشف کی حقیقت۔ اسے حقائق اشیاء برزخ کے حالات، جنت، دوزخ اور عرش و کرسی کہاں نظر آئیں، کیونکہ وَاِنَّمَا هُوَ نُوْرٌ'' يَخْتَصُّ بِهِ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ.

محاکمہ مابین علمائے ظواہر و علمائے باطن از روئے کتاب اللہ

علمائے ظواہر کشف والہام کی مخالفت کو جائز سمجھتے ہیں اور صوفیہ کرام اس کی مخالفت کو حرام سمجھتے ہیں، بشرطیکہ قواعد شرعیہ کے خلاف نہ ہو۔ مافوق کے مخالف نہیں، اس پر عمل نہ کرنے سے گو دینی عقاب وطرد تو لاحق نہ ہوگا کہ موجب جزا عذاب ہو مگر دنیوی اور بدنی تکلیفوں کا یقیناً موجب ہوگا۔ لہذا جسمانی اور دنیوی تکلیفوں سے بچنے کے لئے کشف والہام پر عمل ضروری ہوا۔ اس قانون کو اچھی طرح ذہن نشین کرلیں۔

اس تقریر سے کشف والہام کا موجب علم ہونا ثابت ہوا پس علمائے ظواہر کے قول کے مطابق ناقابل التفات قرار دینا غلط ٹھہرا۔ پھر یہ ثابت ہوا کہ موجب وجوب نہیں، پس صوفیہ کرام کا موجب وجوب قرار دینا درست نہ ہوا پس حق دونوں کے بین بین ہے۔ یعنی موجب علم ہے۔ قابل عمل ہے، مگر موجب وجوب نہیں۔ اب اس کی تفصیل ملاحظہ ہو

قال تعالی۔ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ وَقَوْلُهٗ تَعَالٰی فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا۔

۱۔ اس سے عصمت اور تصرف یعنی وسوسہ شیطان کا اجتماع ہوا۔ معلوم ہوا کہ وسوسہ شیطانی فی نفسہ گناہ نہیں، نہ منافی کمالات ہے، جب تک موصل الی المعصیت نہ ہوجائے۔

۲۔ حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کو خطاب جو اکل شجرہ سے پہلے ہوا وہ الہامی خطاب تھا نہ کہ وحی شرعی جیسا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ اور نَادٰهُمَا رَبُّهُمَا میں امام رازیؒ نے فرمایا کہ دونوں کو خطاب تھا اور حضرت حوا کو بلا واسطہ حضرت آدمؑ کے ہوتا تھا۔

لِاَنَّهٗ مَا كَانَ مَعَ آدَمَ فِي الْجَنَّةِ مِنَ الْبَشَرِ اِلَّا حَوَّا وَاِنَ الْخِطَابَ كَانَ يَاتِيْهَا مِنْ غَيْرِ وَاسِطَةِ اٰدَمَ بِدَلِيْلِ قَوْلِهٖ تَعَالٰى وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ

(اربعین فی اصول دین: ۳۳۹)

''کیونکہ حضرت آدمؑ کے ہمراہ جنت میں کوئی انسان سوائے حضرت حواؑ کے موجود نہ تھا اور حضرت حواؑ کو جو خطاب خدا کی طرف سے ہوتا بغیر واسطہ حضرت آدمؑ کے ہوتا، جیسا آیت ولا تقربا سے ظاہر ہے۔

۳۔ اس الہام پر عمل نہ کرنے سے حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کو جسمانی اور دنیوی مصائب پیش آئے نہ کہ دینی عقاب، اگرچہ قرآن نے حضرت آدمؑ کے لئے عَصٰىٓ اٰدَمُ فرمایا ہے، مگر یہ معصیت لغوی ہے۔ معصیت شرعی قرآن سے ثابت نہیں، قرآن نے بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا ہی جرم بیان کیا ہے۔ حالانکہ یہ جرم نہیں، کیونکہ زوجین کے بدنوں کا ایک دوسرے کے سامنے کھل جانا شرعی جرم نہیں۔

پس ثابت ہوا کہ الہام موجب علم ہے قابل عمل ہے، اس پر عمل نہ کرنے سے بدنی اور دنیوی تکلیف ہوئی، دینی عقاب لاحق نہ ہوا یعنی موجب وجوب نہیں۔

اسی طرح حضرت مریمؑ کو پانچ طرح کا الہامی خطاب ہوا۔

۱. وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ...تا........ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا

یہ خطاب تربیت جسمانی کیلئے ہے۔

۲. وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ .....تا .... وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ.....

یہ خطاب تربیت روحانی کے لئے ہے۔

۳. يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ ...تا ... وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ

یہ خطاب تکلیف شرعی کا ہے۔

۴. اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ .... وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ.

اس خطاب میں حضرت عیسیٰؑ کی بشارت ہے۔

۵. فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَا ...... فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا۔

یہ خطاب حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے بعد تسلی کے لئے ہے، ان میں سے چار خطاب ملائکہ کی طرف سے ہیں جو مامور من اللہ تھے۔

فوائد:

۱۔ ملائکہ کا انسان سے کلام کرنا ثابت ہوا۔

۲۔ حضرت مریمؑ کا واقعہ بیان کرکے بتایا کہ انبیاء کے متبعین کو یہ کمالات بطور میراث ملتے ہیں تم بھی نبی کریم ﷺ کے متبع بن جاؤ۔ تمہیں یہ کمالات پہلے انبیاء کے متبعین سے بڑھ کر ملیں گے۔

۳۔ جو اللہ کا ہو رہے اللہ اس کا ہو رہتا ہے۔ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو غیروں سے بچایا۔ غیبی رزق دیا، عزت بچائی۔ تم بھی اس کے ہو رہو سب کچھ ملے گا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ سے مزید تاکید فرمادی۔

۴۔ بتایا کہ میں اپنے بندوں کی امداد کے لئے بڑی بڑی ہستیوں کو مقرر کرتا ہوں۔ دیکھا حضرت مریم علیہ السلام کی کفالت ایک نبیؑ کو سونپی اور ملائکہ میں سے حضرت جبرئیلؑ کو مقرر کیا۔

۵۔ جبرئیلؑ ولی اللہ کے پاس آ سکتے ہیں، صرف وحی شرعی اور وحی احکامی کا سلسلہ ختم ہوا، کیونکہ دین مکمل ہو چکا ہے۔

۶۔ حضرت مریمؑ کو کشف والہام کے ذریعے ہدایات دی گئیں۔

۷۔ حضرت مریمؑ نے ان ہدایات پر عمل کیا۔

پس ثابت ہو گیا کہ کشف والہام موجب علم بھی ہے اور قابل عمل بھی۔ اولیاء اللہ کی شان میں جو احادیث متعلقہ باب میں بیان کی گئی ہیں، اور جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام قیامت کے دن اولیاء اللہ پر غبطہ کریں گے۔ ان احادیث کی آیات سے مطابقت ثابت ہوتی ہے، مثلاً حضرت زکریاؑ نبی نے حضرت مریمؑ کے پاس بے موسم پھل دیکھ کر غبطہ کیا۔ اور طالب اولاد ہوئے، اسی طرح حضرت خضرؑ اور حضرت موسیٰؑ کے واقعہ سے بھی غبطہ ثابت ہوتا ہے۔

ظن غالب یہ ہے کہ گزشتہ شریعتوں میں یہ اصول تھا کہ جو کشف والہام کسی صحیح متبع انبیاء کو ہوا اور وہ عام قانون کے خلاف ہو تو وہ کشف اس قانون کا مخصص ہوگا۔ مثلاً قانون یہ تھا کہ نابالغ بچہ کو خواہ کافر ہو قتل نہ کیا جائے مگر کسی مخفی علت کے تحت حضرت خضر علیہ السلام نے کافر بچہ کو قتل کر دیا تو یہ خلاف قانون نہ ٹھہرا بلکہ اس قانون کا مخصص قرار پایا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

خلاصہ: کشف والہام اولیاء اللہ کے لئے خاص ہیں، نائب وحی ہیں، آسمانی علوم کا واسطہ ہیں، گو وحی کے مقابلہ میں کمزور واسطہ ہیں۔ یعنی موجب علم ہیں۔ قابل عمل ہیں، موجب وجوب نہیں۔

سوال: علم تصوف اور کشف والہام کا تعلق علم ظاہری سے ہے، بے علم کو کیوں کر کشف ہو سکتا ہے؟ اس سلسلے کے بے علم بھی کشف و مکاشفات کا اظہار کرتے ہیں، کیا یہ ممکن ہے۔

الجواب: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے حالات میں ایمان اور علم کے ترتیب کو پیش نظر رکھنے سے یہ عقدہ خود بخود حل ہو سکتا ہے، صحابہ کرام کو پہلے ایمان کی دولت نصیب ہوئی، جو بجائے خود اجمالی علم کا ثمرہ تھا، لیکن دین کا تفصیلی علم ایمان کے بعد حاصل ہوا، اسی طرح تصوف کا تعلق تزکیہ باطن سے ہے، جو بمنزلہ ایمان ہے، اس کے حصول کے لئے شیخ کامل سے عقیدت اور اس کا اتباع لازمی ہے، علم تفصیلی شرط نہیں اور ظاہر ہے کہ تزکیہ باطن سے کشف والہام حاصل ہو جاتا ہے، پس کشف والہام کے لئے بھی علم شرط نہیں، ہاں اس کی حفاظت اور مزید ترقی کے لئے علم ظاہری کی ضرورت ہے، اور یہ علم ظاہری یا تو اکتساب سے حاصل ہوتا ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے شرح صدر کے طور پر عطا ہوتا ہے۔

كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالىٰ. اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلىٰ نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ. (الزمر)

سو جس شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھول دیا اور وہ اپنے پروردگار کے نور پر ہے، کیا وہ شخص اور اہل قساوت برابر ہیں۔ سو جن لوگوں کے دل خدا کے ذکر سے متاثر نہیں ہوتے، ان کے لئے بڑی خرابی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ذکر الٰہی سے شرح صدر اور نور باطن عطا ہو جاتا ہے، اور تصوف کی ابتدا اور انتہا ذکر الٰہی ہے، اس لئے تصوف وسلوک کے حصول سے یقیناً کشف ہو جاتا ہے کسی کو کم کسی کو زیادہ۔

کشف کو محفوظ رکھنے کے لئے اور کشف کی تکمیل کے لئے علم کی اس لئے بھی ضرورت ہے کہ روح کے کلام میں اجمال ہوتا ہے، رموز و اشارات ہوتے ہیں، اس کلام کو ٹھیک طور پر سمجھنے کے لئے آٹھ، دس برس کا عرصہ لگتا ہے جب کہیں جا کر عالم برزخ کی اصطلاحات پورے طور پر سمجھ میں آتی ہیں اس سے پہلے کشف میں غلطی کا امکان رہتا ہے۔

علم ظاہری کی ضرورت اس لئے بھی ہے کہ اس کے بغیر منازل سلوک تو طے ہو جاتے ہیں مگر مناصب نہیں دیئے جاتے، اکثر قانون صوفیہ کا دیکھا ہے اور مشاہدہ سے بھی معلوم ہوا ہے کہ قطب، غوث، قیوم، فرد اور قطب وحدت کے مناصب خلفائے اربعہ کی نسل میں ہی رہے ہیں۔ یہ قاعدہ اکثریہ ہے، کلیہ نہیں۔

کشف علم اور مناصب کا ذکر آ گیا تو یہ بات بھی سمجھ لیجئے کہ ذکر الٰہی سے کشف قبور تو لازماً ہو جاتا ہے، بعض اوقات اتنا تیز کشف ہوتا ہے کہ قبور کی طرف محض خیال کرنے سے پورے حالات منکشف ہو جاتے ہیں، سینکڑوں آدمی ایسے ہوتے ہیں جن کو لوگوں نے غوث اور قطب سمجھ رکھا ہے انہیں حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر ان کی قبروں کا طواف کرتے رہتے ہیں، حالانکہ یہ حرکت عقیدہ توحید کے سراسر منافی ہے اور صاحب قبر پر وہ کچھ گزر رہی ہوتی ہے کہ خدا کی پناہ! ایک مزار پر جانے کا اتفاق ہوا روضہ بنا ہوا ہے قبر پر چادریں چڑھی ہوئی ہیں۔ بوسے دیئے جا رہے ہیں مگر صاحب قبر زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے، کتے کی طرح اٹھ اٹھ کر حملہ کرتا ہے۔

ایک اور ایسے ''غوث'' کے مزار پر ہر ہفتہ میلہ لگتا ہے، حالانکہ صاحب قبر کافر سادھو ہے، کسی نے غلطی سے دفن کر دیا۔ رفتہ رفتہ غوث بن گیا، اور روضہ کھڑا کر دیا گیا۔ اس کو ایسا دردناک اور بھیانک قسم کا عذاب ہو رہا ہے کہ اس سے کوئی بات معلوم نہیں کی جا سکتی۔

حقیقت یہ ہے کہ اس ملک میں غوث کا منصب صرف چند ایک ہستیوں کو ملا ہے۔ سب سے پہلے غوث عبدالہادی شاہ رحمۃ اللہ علیہ بھیرہ والے ان کا مدفن پوشیدہ ہے۔ پھر حضرت بہاؤ الحق ذکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ اور بو علی قلندر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ قلعہ لاہور میں ایک غوث مدفون ہیں، علی ہجویریؒ نام ہے۔ یہ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے الگ دوسری شخصیت ہیں، نام وہی ہے، ان کا مدفن پوشیدہ ہے، ان کی طرف سے قبر کا نشان بتانے کی سخت ممانعت ہے۔ ایک غوث ریاست دیر کی طرف ہوئے ہیں۔ ان کا نام گل بادشاہ رحمۃ اللہ علیہ تھا ان کے علاوہ اس ملک میں کوئی غوث نہیں ہوا۔ ہاں بڑی بڑی ہستیاں گزری ہیں، مگر وہ قطب کے منصب تک ہی ہیں۔

(۱۸) رویت انبیاء و ملائکہ

رویت انبیاء و ملائکہ وارواح کا معاملہ کشف سے تعلق رکھتا ہے یہ چیزیں مقصود بالذات نہیں، ہاں کبھی اس راہ کے مسافر کو یہ نعمتیں ضمناً حاصل ہو جاتی ہیں۔ پچھلے کئی ابواب میں بیان ہو چکا ہے کہ تصوف وسلوک میں مقصود بالذات رضائے الٰہی کا حصول ہے اس کی تکرار کی ضرورت اس لئے پڑتی ہے کہ مروجہ تصوف میں سب سے زیادہ بے اعتنائی اسی سے برتی جاتی ہے۔ صحیح اسلامی تصوف تو محبت الٰہی اور اتباع سنت ہی کا نام ہے اس کی ابتداء اور انتہا یہی ہے۔

اَمَّا الْبِدَايَةُ فَالْاِشْتِغَالُ بِالْعُبُوْدِيَّةِ وَ اَمَّا النِّهَايَةُ فَقَطْعُ النَّظْرِ عَنِ الْاَسْبَابِ وَ تَفْوِيْضِ الْاُمُوْرِ كُلِّهَا اِلَى اللّٰهِ. كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ.

تصوف کی ابتدا اللہ کی عبادت میں مشغول ہونا ہے۔ اور اس کی انتہا اسباب سے نظر اٹھا لینا اور تمام امور کو اللہ کے سپرد کر دینا ہے ہر جاندار کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے پھر لوٹ کے ہمارے پاس آنا ہے۔

رویت انبیاء کا ثبوت

رسول کریم ﷺ انبیائے کرامؑ اور ملائکہ کی حالت بیداری میں رویت مختلف فیہ نہیں ہے اگر کچھ اختلاف ہے تو اس میں کہ مرئی یعنی جو دیکھے جاتے ہیں ان کی ذات مقدسہ بعینہٖ ہے یا اس کی شکل ہے ایک قلیل بلکہ اقل جماعت کا خیال ہے کہ یہ مرئی صورت عین ذات نہیں بلکہ صورت مثالیہ ہوتی ہے۔ اکثر علمائے ظواہر و باطن حالت بیداری میں رویت رسول ﷺ بعینہٖ کے قائل ہیں۔

۱۔ علامہ ابن تیمیہ نے اقتضائے صراط مستقیم میں اس پر اظہار رائے کیا ہے اور اس کے قائل ہیں فرماتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانے میں ایک آدمی نے حضور اکرم ﷺ کی زیارت کی آپ ﷺ نے اسے فرمایا کہ عمرؓ کو کہو کر صلوٰۃ استسقاء کے لئے لوگوں کو باہر نکالو۔

۲۔ شاہ ولی اللہؒ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ میں نے قرآن مجید حضور اکرم ﷺ سے پڑھا۔

وَاِنْ سَاَلْتَنِيْ عَنِ الْخَبْرِ الصِّدْقِ فَاِنِّيْ تَلْمِيْذُ الْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ بِلَا وَاسِطَةٍ كَمَا اَنِّيْ اُوَيْسِيّ لِرُوْحِ حَضْرَةِ الرِّسَالَةِ ﷺ.

اگر سچ پوچھو تو (میں تعلیم قرآن میں اویسی ہوں جس طرح فیض باطنی میں اویسی ہوں) میں نے روح نبی اکرم ﷺ سے بلا واسطہ قرآن مجید پڑھا۔ جیسے فیض باطنی حاصل کیا۔

(الفوز الکبیر ۴۷)

مزید تفصیل کے حضرت شاہ ولی اللہؒ کی فیوض الحرمین اور تفہیمات الٰہیہ ملاحظہ ہوں۔

۳۔ علامہ سیوطیؒ نے ایک مستقل کتاب "تنویر الحلک فی امکان رویۃ النبی ﷺ والملک" لکھی ہے اس کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

۴۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔

وَمِنْ اَوَّلِ الطَّرِيْقَةِ تَبْتَدِاُ الْمُشَاهَدَاتُ وَالْمُكَاشِفَاتُ حَتّٰى اِنَّهُمْ فِيْ يَقْظَتِهِمْ يُشَاهِدُوْنَ الْمَلَائِكَةَ وَاَرْوَاحَ الْاَنْبِيَاءِ وَيَسْمَعُوْنَ مِنْهُمْ اَصْوَاتًا وَيَقْتَبِسُوْنَ مِنْهُمْ فَوَائِدَ. (المنقذ من الضلال: ۵۰)

طریقہ سلوک کی ابتداء ہی مشاہدات اور مکاشفات شروع ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ سالکین بیداری میں انبیاء کے ارواح اور ملائکہ کا مشاہدہ کرتے ہیں ان کا کلام سنتے ہیں اور ان سے فوائد حاصل کرتے ہیں۔

مگر امام غزالیؒ دیگر صوفیہ اور علماء سے اتنا اختلاف کرتے ہیں کہ رویت مثال کے قائل ہیں عین ذات کے قائل نہیں۔

رویت عین ذات اور صورت مثالی میں اختلاف

علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ نے امام غزالیؒ کی رائے سے اختلاف کیا ہے۔

قَالَ (اَيْ غَزَالِيْ) اِنَّمَا هُوَ مِثَالُ رُوْحِهٖ ﷺ الْمُقَدَّسَةِ عَنِ الصُّوْرَةِ وَالشَّكْلِ وَشَبَّهَ رُؤْيَةَ اللّٰهِ فِي الْمَنَامِ بِذَالِكَ فَلَا اَدْرِيْ مَا اَرَادَ بِهٖ رَحِمَهُ اللّٰهُ. (اليواقيت الجواهر ۱:۱۳۳)

امام غزالی نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کی روح کی مثال کی زیارت ہوتی ہے نہ بعینہٖ جسم مقدس کی اور اس کو رویت باری فی المنام سے تشبیہ دی ہے میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس سے آپ کا ارادہ کیا ہے۔

پھر علامہ شعرانی فرماتے ہیں کہ شیخ صالح عطیہ ابناسی، شیخ قاسم مغربی اور قاضی ذکریا نے امام سیوطیؒ سے سنا ہے کہ:

يَقُوْلُ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقْظَةً بِضْعًا وَسَبْعِيْنَ مَرَّةً.

فرماتے ہیں۔ میں نے حضور اکرم ﷺ کو ستر سے زیادہ مرتبہ بیداری میں دیکھا۔ علامہ سیوطیؒ نے اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی ہے۔

هَلِ الرُّؤْيَةُ لِذَاتِ الْمُصْطَفٰى بِجِسْمِهٖ وَرُوْحِهٖ اَوْ لِمِثَالِهٖ وَفَصَّلَ الْقَاضِيْ اَبُوْ بَكْرِ بْنِ الْعَرَبِيْ فَقَالَ رُؤْيَةُ النَّبِيِّ ﷺ بِصِفَةِ الْمَعْلُوْمَةِ اِدْرَاكٌ عَلٰى

کیا رویت رسول ﷺ بجسمہٖ ہے یا صورت مثالی کا دیکھنا ہے اور قاضی ابوبکر ابن العربی نے اس پر محاکمہ کیا اور فرمایا کہ صفت معلومہ کے ساتھ حضور ﷺ کی رویت حقیقت پر محمول ہوگی اور غیر صفت معلومہ کے ساتھ رویت مثالی پر محمول ہوگی قاضی موصوف کا

الْحَقِيْقَةِ وَرُؤْيَتُهٗ عَلٰى غَيْرِ صِفَتِهٖ اِدْرَاکٌ لِلْمِثَالِ وَهٰذَا الَّذِیْ قَالَهُ الْقَاضِیْ فِیْ غَايَةِ الْحُسْنِ وَلَا يَمْتَنِعُ رُؤْيَةُ ذَاتِهِ الشَّرِيْفَةِ بِجَسَدِهٖ وَرُوْحِهٖ وَذَالِکَ لِاَنَّهٗ ﷺ

محاکمہ بہت خوب ہے اور حضور ﷺ کی رویت جسدی وروحی میں کوئی امر مانع نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ اور دیگر انبیاء زندہ ہیں۔ عبداللہ بن سلام نے

لِلْفتاوی. ۲ : ۳۵۰) قَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ ثُمَّ اَتَيْتُ عُثْمَانَ لِاُسَلِّمَ عَلَيْهِ وَهُوَ مَحْصُوْرٌ" فَقَالَ مَرْحَبًا يَا اَخِیْ اِنِّیْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فِیْ هٰذِهِ الْخَوْخَةِ فَقَالَ يَا عُثْمَانُ حَصَرُوْکَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ عَطَّشُوْکَ قُلْتُ نَعَمْ فَاَدْلٰی لِیْ دَلْوًا فِيْهِ مَاءٌ" فَشَرِبْتُ حَتّٰی رَوِيْتُ حَتّٰی اَنِّیْ لَاَجِدُ بَرْدَهٗ بَيْنَ ثَدْيَیَّ وَبَيْنَ کَتِفَیَّ فَقَالَ اِنْ شِئْتَ نَصَرْتُ عَلَيْهِمْ وَاِنْ شِئْتَ اَفْطَرْتَ عِنْدَنَا فَاخْتَرْتُ اَنْ اَفْطَرَ عِنْدَهٗ. فَقُتِلَ ذٰلِکَ الْيَوْمِ وَهٰذَا الْقِصَّةُ مَشْهُوْرَةٌ" عَنْ عُثْمَانَ مُخَرَّجَةٌ فِیْ کُتُبِ الْحَدِيْثِ بِالْاَسْنَادِ اَخْرَجَهَا ابْنِ اَبِیْ اُسَامَةَ فِیْ مُسْنَدِهٖ وَغَيْرُهٗ وَقَدْ فَهِمَ الْمُصَنِّفُ مِنْهَا اِنَّهَا رُؤْيَةُ يَقْظَةٍ وَاِنْ لَمْ يَصْلُحْ عَدُّهَا فِی الْکَرَامَاتِ لِاَنَّ رُؤْيَةَ الْمَنَامِ يَسْتَوِیْ فِيْهَا کُلُّ اَحَدٍ. (الْحَادِی لِلْفتاوی ۲ : ۳۴۸)

204

کہ حضرت عثمانؓ نے مجھے خوش آمدید کہا اور فرمایا میں نے حضور اکرم ﷺ کو اس کوچہ میں دیکھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہ لوگوں نے تمہیں محصور کرلیا ہے۔ عرض کیا جی ہاں۔ پھر فرمایا انہوں نے پیاسا رکھا عرض کیا جی ہاں۔ پھر حضور نے میری طرف ڈول بڑھا دیا جس میں پانی تھا۔ میں نے پانی پیا اور سیر ہوگیا۔ حتیٰ کہ میں اسکی ٹھنڈک سینے میں محسوس کرتا ہوں۔ پھر فرمایا اگر تو چاہے تو میں تمہاری مدد کروں، اگر تو چاہے تو آج ہمارے پاس افطاری کرے تو میں نے اسکو پسند کیا کہ آپ کے ساتھ افطاری کروں۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ اسی روز شہید کردیئے گئے اور یہ قصہ مشہور ہے اور کتب احادیث میں باسناد موجود ہے اس کو ابن ابی اسامہ نے اپنی مسند میں اخراج کیا ہے اور دوسروں نے بھی۔ اور محقق بات یہ ہے کہ مصنف اس روایت سے رویت رسول ﷺ کو بیداری میں سمجھا۔ ورنہ اس روایت کو کرامت کے ضمن میں بیان کرنا ٹھیک نہ ہوگا۔ کیونکہ خواب میں رویت رسول ﷺ میں تو سب لوگ مساوی ہیں۔

حالت بیداری میں رویت کی بنیاد

حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث کے الفاظ سے یہ مفہوم اخذ کیا گیا اور یہی روایت اسکی بنیاد ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَسَيَرَانِیْ فِی الْيَقْظَةِ. (فتح الباری مع بخاری ۱۲ : ۳۱۰)

میں نے حضور اکرم ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ جس شخص نے مجھے خواب میں دیکھا قریب ہے کہ وہ بیداری میں بھی دیکھ لے گا۔

مشائخ کے اقوال

مِنْهُمْ مَنْشُوْرًا. (الْحَادِی لِلْفتاوی ۲ : ۳۳۵) قَالَ اَبُوْ عَبْدِاللّٰهِ الْقُرَشِیُّ سَافَرْتُ اِلَی الشَّامِ فَلَمَّا وَصَلْتُ اِلٰی قُرْبِ ضَرِيْحِ الْخَلِيْلِ عَلَيْهِ السَّلَامُ تَلَقَّانِی الْخَلِيْلُ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اجْعَلْ ضِيَافَتِیْ عِنْدَکَ الدُّعَاءِ لِاَهْلِ مِصْرَ فَدَعَا لَهُمْ فَفَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُمْ قَالَ الْيَافِعِیُّ وَقَوْلُهٗ تَلَقَّانِی الْخَلِيْلُ قَوْلٌ حَقٌّ" لَا يُنْکِرُهٗ اِلَّا جَاهِلٌ" بِمَعْرِفَتِهٖ مَا يَرِدُ اِلَيْهِمْ مِنَ الْاَحْوَالِ الَّتِیْ يُشَاهِدُوْنَ فِيْهَا مَلَکُوْتَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَيَنْظُرُوْنَ الْاَنْبِيَاءَ اَحْيَاءً غَيْرَ اَمْوَاتٍ کَمَا نَظَرَ النَّبِیُّ ﷺ اِلٰی مُوْسٰی فِی الْاَرْضِ وَنَظَرَهٗ اَيْضًا هُوَ وَجَمَاعَةٌ" مِنَ الْاَنْبِيَاءِ وَسَمِعَ مِنْهُمْ مُخَاطِبَاتٍ. (الْحَادِی لِلْفتاوی ۲ : ۳۳۳)

قَالَ رَجُلٌ" لِلشَّيْخِ اَبِی الْعَبَّاسِ الْمُرْسِیْ يَا سَيِّدِیْ صَافِحْنِیْ بِکَفِّکَ هٰذِهٖ فَاِنَّکَ

الحادی بھائی محمد کا منشور بھی تھا۔

206

ابو عبداللہ قرشی کہتے ہیں کہ میں نے شام کا سفر کیا۔ جب حضرت ابراہیمؑ کے مزار مقدس پر پہنچا تو آپ مجھے ملے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کے ہاں میری مہمانی یہ ہے کہ اہل مصر کے لئے دعا فرمائیں آپ نے دعا فرمائی تو اہل مصر کی مصیبت دور ہوگئی۔ امام یافعی فرماتے ہیں کہ قرشی کا یہ قول ہے کہ میری ملاقات حضرت ابراہیمؑ سے ہوئی۔ اس کا انکار صرف جاہل ہی کرتے گا جو صوفیہ کے احوال سے ناواقف ہے۔ وہ لوگ آسمان اور زمین کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ انبیاء کو زندہ دیکھتے ہیں جیسا حضور ﷺ نے حضرت موسیٰؑ کو زمین پر دیکھا اور ان کو مع جماعت کے آسمان پر دیکھا اور ان سے باتیں سنیں۔

ایک شخص نے شیخ ابو العباس المری سے عرض کیا مجھ سے مصافحہ کیجئے کیونکہ بڑے ملکوں میں پھرے ہیں۔ اور بڑے بڑے مردان خدا سے مصافحہ کیا

صافحت بكفي هذه إلا رسول الله ﷺ قال وقال الشيخ لو حجب عني رسول الله ﷺ طرفة عين ما عددت نفسي من المسلمين.

ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ میں نے یہ ہاتھ سوائے رسول اکرم ﷺ کے کسی سے نہیں ملائے اور فرمایا کہ اگر حضور ﷺ کی ذات ایک لمحہ کیلئے بھی میری آنکھ سے اوجھل ہو جائے تو میں اپنے آپ کو مسلمان نہیں سمجھتا۔

وقال البارزي وقد سمع من جماعة من الاولياء في زماننا وقبله انهم رأوا النبي ﷺ في اليقظة حيا بعد وفاته.

علامہ بارزی نے کہا کہ محقق بات یہ ہے کہ ایک جماعت اولیاء نے ہمارے زمانے میں بھی اور اس سے پہلے بھی رسول اکرم ﷺ کو بعد وفات زندہ حالت بیداری میں دیکھا۔

از بعض صالحین حکایات دریں باب آمدہ و بصحت رسیدہ و حکایات و روایات مشائخ بسیار است نزدیک بحد تواتر رسیدہ۔ (اشعۃ اللمعات ۳: ۶۳۹)

علمائے امت کی تحقیق

علامہ ابن حجر کی اس پر بحث فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

هل تمكن رؤية النبي ﷺ في اليقظة فأجاب بقوله انكر ذلك جماعة'' وجوزه' اخرون وهو الحق فقد اخبر بذالك من رؤيتهم من الصالحين بل استدل بحديث البخاري من رآني في المنام فسيراني في اليقظة اى بعيني رأسه وقيل بعين قلبه ثم قال وفي شرح ابن ابي جمرة للاحاديث التي انتقلها من البخاري ترجيح لقاء الحديث على عمومه في حياته ومماته لمن له' اهلية'' للاتباع السنة ولغيره قال ومن يدعي الخصوص بغير تخصيص منه ﷺ فقد تعسف ثم الزم منكر ذلك بانه' غير مصدق بقول الصادق وبانه' جاهل'' بقدرة القادر وبانه' منكر'' بكرامات الاولياء مع ثبوتها بدلائل السنة الواضحة ومراده' بعموم ذلك وقوع رؤية اليقظة الموعودة بها لمن راٰه' في المنام ولو مرة واحدة تحقيقا لوعده الشريف الذي لا يخلف واكثر ما يقع ذالك للعامة قبل الموت عند الاحتضار فلا تخرج روحه' حتى يراه.

کیا رسول اکرم ﷺ کی زیارت بیداری میں ممکن ہے؟ علامہ ابن حجر نے جواب دیا کہ ایک جماعت منکر ہے اور ایک جماعت قائل ہے اور یہی جماعت حق پر ہے۔ رویت کی خبر صالحین (کی ایسی جماعت) نے دی ہے (جس پر اتہام نہیں لگایا جا سکتا) بلکہ جواز کی دلیل حدیث بخاری سے پیش کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ عنقریب بیداری میں دیکھے گا۔ تو کسی نے سر کی آنکھوں سے دیکھنا مراد لیا ہے۔ کسی نے دل کی آنکھوں سے۔ پھر ابن حجر نے شارح بخاری عبداللہ ابن ابی جمرہ کا قول پیش کیا جنہوں نے بخاری کی حدیث کی شرح کرتے ہوئے خواب کی حدیث کو عموم پر ترجیح دی ہے خواہ حیات میں ہو۔ خواہ ممات میں مگر کامل متبع سنت کے لئے ہے۔ پھر شارح مذکور نے فرمایا جس نے تخصیص حدیث کا دعویٰ کیا ہے اس نے تعسف کیا ہے۔ پھر اسکو الزام دیا ہے کہ جب حضور ﷺ نے تخصیص نہیں فرمائی تو وہ کیوں کرتا ہے۔ پھر یہ کہ فرمان نبوی ﷺ کا منکر ہے پھر یہ قدرت قادر سے جاہل ہے۔ اور وہ کرامات اولیاء کا منکر ہے۔ حالانکہ کرامات واضح سنت رسول ﷺ سے ثابت ہیں اور مراد شارح مذکور کی عموم حدیث سے رسول اکرم ﷺ کی زیارت بیداری میں ہے جس کا وعدہ حضور ﷺ نے خواب والے کو دیا ہے اگرچہ زیارت ایک دفعہ ہو وعدہ پورا کرنے کیلئے کافی ہے اس میں تخلف جائز نہیں اور اکثر عوام الناس کو قریب موت زیارت ہو جاتی ہے اور روح اس کے جسد سے خارج نہیں ہوتی جب تک زیارت نہ ہو جائے۔

بخاری کی اس روایت کا صحیح مفہوم تو یہی ہے جو رویت یقظہ سے بیان کیا گیا ہے۔ البتہ مسلم میں فکانما رانی ہے اور ابن ماجہ میں فقد رانی ہے۔ ان میں احتمال ہیں۔ اور بخاری کی اس حدیث میں یہ تاویل کرنا کہ عنقریب اس کی صحیح تعبیر دیکھ لے گا کتنا تعسف ہے۔ فسیرانی کا مفعول ضمیر متکلم آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس ہے اور تعبیر خواب کو مفعول بنانا تاویل بعید ہے۔ درحقیقت مفعول ضمیر متکلم حضور ﷺ کی ذات اقدس ہے۔ اس کی تائید ان احادیث سے ہوتی ہے جو لیلۃ المعراج کے سلسلے میں آئی ہیں۔ کہ حضور ﷺ نے انبیاء کو دیکھا۔ ان سے باتیں کیں، استفادہ کیا، یہ تھا معجزہ حضور ﷺ کا اور یہی ہوئی کرامت اولیاء کی۔

وقد تقرر ان ماجاز للانبياء معجزة جاز للاولياء كرامة.

(تفسیر ابن کثیر ۵: ۲۶۸)

یہ بات جمہور کے نزدیک ثابت ہو چکی ہے کہ جو چیز انبیاء کے لئے معجزہ ہے اولیاء کے لئے کرامت ہے

اور ابن کثیر نے فرمایا۔

انا لا نجوز ظهور الكرامة ہم کسی مدعی ولایت سے ظہور کرامت

عَلَى الْوَلِيِّ عِنْدِ ادِّعَاءِ الْوِلَايَةِ اِلَّا اِذَا اَقَرَّ عِنْدَ ذٰلِكَ الدَّعْوٰی بِكَوْنِهٖ عَلٰی دِیْنِ ذٰلِكَ النَّبِیِّ وَمَتٰی كَانَ الْاَمْرُ كَذٰلِكَ صَارَتْ تِلْكَ الْكَرَامَةُ لِذٰلِكَ النَّبِیِّ مُعْجِزَةً" وَمُؤَیِّدَةً" رِسَالَتَهٗ.

(تفسیر ابن کثیر ۵: ۲۶۸)

کے اس وقت قائل ہوں گے جب وہ اس دعویٰ کے ساتھ یہ اقرار بھی کرے کہ میں اس نبی کے دین پر ہوں۔ اور جب دعویٰ اس صورت میں ہوا تو یہ کرامت اس نبی کا معجزہ ہوگا اور اس کی رسالت کی تائید ہوگی۔

لیکن بعض ظاہر بین علماء جب اس کو نہیں سمجھ سکتے تو سرے سے انکار کر دیتے ہیں۔ جیسا امام رازی نے فرمایا۔

فَاِنَّ وَرَاءَ هَا اَسْرَار" دَقِیْقَةً" وَاُمُوْر" عَمِیْقَةً" فَمَا لَمْ یَصِلْ اِلَیْهَا لَمْ یُصَدِّقْ بِهَا

اس سے آگے دقیق اور عمیق اسرار ہیں۔ جب تک انسان ان امور تک نہ پہنچے تو ان کی تصدیق اس کے لئے محال ہے

فائدہ: نبی کا معجزہ نہ عین نبوت ہے نہ جزو نبوت، نہ شرط نبوت بلکہ اک دلیل اور سند ہے اور کمالات نبوت کی علامات میں سے ہے۔ یہی معجزہ منتقل ہو کر نبی ﷺ کی امت میں اس کے صحیح وارثوں میں کرامت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ کشف، رویت انبیاء، ملائکہ اور ارواح کرامت کی قسم سے ہیں۔

رویت جنات وشیاطین

کیا جنات اور شیطان کو دیکھنا ممکن ہے۔ قرآن میں آتا ہے کہ جن اور شیاطین نہیں دیکھے جاتے ہیں وہ ہمیں دیکھتے ہیں۔

انه یراکم هو وقبیله من حیث لا ترونهم

اور حدیث میں آتا ہے کہ عذاب وثواب قبر ثقلین نہیں دیکھ سکتے۔ رویت عذاب وثواب کا قائل ہونا قرآن وحدیث کے خلاف ہے اور امام شافعیؒ نے تو مدعی رویت جن کی شہادت بھی مردود قرار دی ہے۔

رویت جنات کا ثبوت

وَاسْتَدَلَّ الْخَطَّابِیُّ بِهٰذَا الْحَدِیْثِ عَلٰی اَنَّ اَصْحَابَ سُلَیْمَانَ كَانُوْا یَرَوْنَ الْجِنَّ فِیْ اَشْكَالِهِمْ وَهَیْئَتِهِمْ حَالَ تَصَرُّفِهِمْ قَالَ وَاَمَّا قَوْلُهٗ تَعَالٰی اِنَّهٗ یَرَاكُمْ هُوَ وَقَبِیْلُهٗ... الخ فالمراد الاكثر الاغلب من احوال بنی ادم.

علامہ خطابی نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں ذکر ہے (کہ نبی اکرم ﷺ نے جن کو باندھنا چاہا تھا کہ صبح مدینے کے لڑکے اس سے کھیلیں مگر بھائی سلیمان کی دعا کی وجہ سے یہ ارادہ ترک کر دیا تھا) کہ حضرت سلیمانؑ کے صحابی جنوں سے کام لیتے وقت انہیں دیکھتے تھے۔ رہا فرمان باری تعالیٰ کہ شیطان اور اس کا کنبہ تمہیں اس جگہ سے دیکھتا ہے کہ تم انہیں نہیں دیکھتے۔ تو یہ حکم اکثر اور اغلب پر ہے۔ یہ نہیں کہ جن دیکھے نہیں جا سکتے۔

اس پر علامہ ابن حجر نے اعتراض کیا ہے اور فرمایا ہے:

بِاَنَّ نَفْیَ رُؤْیَةِ الْاِنْسِ الْجِنَّ عَلٰی هَیْئَتِهِمْ لَیْسَ بِقَاطِعٍ مِّنَ الْاٰیَةِ بَلْ ظَاهِرُ اِنَّهٗ مُمْكِن" فَاِنَّ نَفْیَ رُؤْیَتِهَا اِیَّاهُمْ مُقَیَّد" بِحَالِ رُؤْیَتِهِمْ لَنَا وَلَا یَنْفِیْ اِمْكَانُ رُؤْیَتِنَا لَهُمْ فِیْ غَیْرِ تِلْكَ الْحَالَةِ وَیَحْتَمِلُ الْعُمُوْمَ. (فتح الباری ۶: ۲۹۲)

نفی رویت جنات آیت سے قطعی طور پر ثابت نہیں بلکہ صرف احتمال ہے کیونکہ ہماری عدم رویت مقید ہے۔ ان کی رویت کے وقت سے نہ کہ عام۔ ہاں احتمال عموم کا بھی ہے۔

اور علامہ بیہقی نے مناقب امام شافعی میں ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

یَقُوْلُ مَنْ زَعَمَ اَنَّهٗ یَرَی الْجِنَّ اَبْطَلْنَا شَهَادَتَهٗ اِلَّا اَنْ یَّكُوْنَ نَبِیًّا.

حضرت ربیع فرماتے ہیں کہ میں نے امام شافعی سے سنا کہ جس شخص نے کہا کہ میں جنوں کو دیکھتا ہوں ہم اس کی شہادت مردود قرار دیتے ہیں سوائے اس کے کہ دیکھنے والا نبی ہو۔

فائدہ: علامہ بیہقی نے جو قول امام شافعی کا نقل کیا ہے اس سے یہ معلوم ہوا کہ امام شافعی کی مراد رویت بصری ہے جو بطور عادت کے ہے نہ کہ خرق عادت۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ روحانی اور قلبی آنکھ سے دیکھا جا سکتا ہے جو الا ان یکون نبیا کی استثناء سے ظاہر ہے۔ اور یہ مسلم ہے کہ کشف از قبیل کرامت ہے اور کرامت معجزہ کی فرع ہے نبی کا جنات کو دیکھنا معجزہ ہوا اور ولی کا دیکھنا کرامت ہوا۔

۲۔ علامہ آلوسی کے بیان سے معلوم ہوا کہ عادت کے طور پر رویت ممکن نہیں لیکن کرامت کے طور پر ممکن ہے اس سے حدیث ثقلین کا مسئلہ بھی حل ہو گیا کہ عذاب و ثواب قبر عادت کے طور پر معلوم نہیں ہو سکتے ہاں خرق عادت کے طور پر معلوم ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ کشف قبور کے سینکڑوں واقعات رسول اکرم ﷺ سے اور صحابہؓ سے احادیث میں موجود ہیں۔ لہذا نفی سے نفی عادت کی ہوئی اور ثبوت سے ثبوت خرق عادت کا ہوگا۔ رہا یہ سوال کہ یہ کیسے ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب یہ خرق عادت ہے تو عادت سے کیسے بتایا جا سکتا ہے اور کیونکر معلوم ہو سکتا ہے۔ ہاں کم از کم چھ ماہ مسلسل صرف کرو اگر خدا کو منظور ہوا تو دیکھ لو گے۔

خرق عادت اور اہل سنت والجماعت کا مسلک

کشف و کرامت کا تعلق خرق عادت سے ہے اور اہل سنت کے نزدیک کرامت معجزہ کی فرع ہے۔ اس کے انکار سے متواترات کا انکار لازم آتا ہے۔ جن لوگوں نے اس کا انکار کیا ہے وہ غلط فہمی سے امور خرق عادت کو امور عادیہ طبعیہ پر قیاس کرتے ہیں۔ اس صورت میں وہ قدرت قادر کے انکار کا ارتکاب کرتے ہیں۔

عِنْدَ اَهْلِ السُّنَّةِ اَنَّ الرُّؤْيَةَ لَا يَشْتَرِطُ لَهَا عَقْلاً عُضْوٌ مَخْصُوْص" وَلَا مُقَابَلَةٍ وَلَا قُرْبَ وَاِنَّمَا تِلْكَ اُمُوْر عَادِيَة" يَجُوْزُ حُصُوْلُ الْاِدْرَاكِ مَعَ عَدَمِهَا عَقْلاً وَكَذَالِكَ حَكَمُوْا بِجَوَازِ رُؤْيَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى فِى الْاٰخِرَةِ خِلَافاً لِاَهْلِ الْبِدَعِ بِوُقُوْفِهِمْ مَعَ الْعَادَةِ. (فتح الباری. ۱:۳۴۷)

اہل سنت کا رویت کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ اس کے لئے کسی خاص اندام یعنی آنکھ کا ہونا شرط نہیں۔ نہ مرئی کا مقابل اور قریب ہونا شرط ہے۔ کیونکہ یہ امور عادیہ ہیں اور رویت عقلاً جائز ہے بغیر ان امور عادیہ کے اسی وجہ سے آخرت میں رویت باری تعالیٰ کے جواز کا حکم کیا ہے۔ اس کے برعکس اہل بدعت رویت کو عادت پر موقوف جانتے ہیں۔

اور یہ واضح بات ہے کہ جس شخص کو نبی کریم ﷺ کی زیارت خواب میں ہوتی ہے وہ مرد صالح ہے۔ اس کے قلب میں نور ہے۔ اگر کاملین میں سے کوئی اس کی تربیت کرنے والا ہو تو وہ بیداری میں بھی یقیناً حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہو جائے گا۔

"وبعض می گویند کہ ایں بشارت است بر نیاں کہ جمال او را در خواب کہ آخر بعد از انقطاع و ارتفاع کدورات نفسانیہ و قطع علائق جسمانیہ بمرتبہ بر سند کہ بے حجاب کشفاً وعیاناً در بیداری بایں سعادت فائز باشند چنانچہ اہل خصوص از اولیاء را مے باشد۔ (اشعۃ اللمعات ۳:۶۴۰)

البتہ ان حجابات کے دور کرنے کے لئے مناسب ذرائع اور وسائل اختیار کرنے پڑیں گے جن سے تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب ہو جائے۔ حجاب اٹھا تو زیارت ہو جائے گی اور وہ وسیلہ جس سے حجابات دور ہوتے ہیں ذکر الٰہی ہے۔ اس سے قلب میں نور پیدا ہوتا ہے۔ ملائکہ اور انبیاء سے مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ ذکر الٰہی کے ساتھ چند شرائط ہیں۔ (۱) صحیح عقائد ضروری ہے شرک و بدعت کو دل سے نکال دے۔ (۲) اعمال صالحہ کا عادی ہو جائے۔ (۳) حرام سے بچنے کی پوری کوشش کرے۔ (۴) کامل کی صحبت اختیار کرے اور اس کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کرے۔ نبی کریم ﷺ کی قبل نبوت زندگی پر نگاہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ

اِنَّ اللّٰهَ بَغَّضَ اِلَيْهِ الْاَوْثَانِ وَحَبَّبَ اِلَيْهِ خِلَالَ الْخَيْرِ وَلُزُوْمَ الْوَحْدَةِ فِرَارًا مِّنْ قُرَنَاءَ سُوْءٍ فَلَمَّا لَزِمَ ذَالِكَ اَعْطَاهُ اللّٰهُ عَلٰى قَدْرِ نِيَّتِهٖ وَوَهَبَ لَهُ النُّبُوَّةَ كَمَا يُقَالُ الْفَوَاتِحُ عُنْوَانُ الْخَوَاتِيْمِ وَقَالَ ابْنُ الْمُنِيْرِ كَانَ مُقَدَّمَةَ النُّبُوَّةِ فِىْ حَقِّ النَّبِيِّ ﷺ اَلْهِجْرَةُ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى عَزَّ وَجَلَّ بِالْخَلْوَةِ فِىْ غَارِ حِرَاءٍ. (فتح الباری. ۱:۷)

اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کے دل میں بتوں کے خلاف بغض ڈال دیا تھا اور اچھی عادتوں کو محبوب بنا دیا تھا اور حضور ﷺ نے تنہائی اور برے ساتھیوں سے دوری کو پسند فرمایا۔ جب آپ نے ان اوصاف حمیدہ کو اپنایا تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی نیت کے مطابق دیا اور نبوت عطا فرمائی جیسے کہا جاتا ہے کہ ابتدا کا خاتمہ کا عنوان ہوتا ہے اور ابن منیر شارح بخاری نے کہا کہ یہ نبوت کا مقدمہ تھا کہ آپ ﷺ نے مخلوق سے خالق کی طرف ہجرت کی اور غار حرا میں تنہائی اختیار فرمائی۔

قلب کی بحث میں تفصیل سے بیان ہو چکا کہ اصل دانا بینا قلب ہے۔ معاصی کے ارتکاب سے اس پر غبار بیٹھ جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ اس کی بینائی ختم ہو جاتی ہے۔ یہی دل کا سب سے خطرناک مرض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی حقیقت کو کہیں یوں بیان کیا ہے کہ ران علی قلوبھم۔ کبھی فرمایا اثم قلبہ اور کہیں فرمایا کہ فانھا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور یعنی ان کے سر کی آنکھیں اندھی نہیں بلکہ ان کے سینے میں دل اندھے ہیں۔ یہاں "عمی" اور بصر کا تقابل عدم اور ملکہ کا ہے۔ اندھے کا لفظ اس پر بولا جاتا ہے جس کے شان سے دیکھنا ہو گی من شانہ ان یکون بصیرا۔ پتھر اور دیوار کو کوئی اندھا نہیں کہتا۔ معلوم ہوا کہ قرآن مجید نے دل کو اس لئے اندھا فرمایا اس کے شان سے بینائی تھی۔

سوال: یہ آیتیں تو کفار کے حق میں نازل ہوئیں جن کے دلوں پر کفر کی ظلمت چھا چکی تھی اور وہ حق کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔

الجواب: اثر تو ایک ہے یعنی عدم رویت قلوب ہاں موثر اور سبب مختلف ہو سکتے ہیں۔ کفار کے عدم رویت قلب کا سبب ظلمت کفر ہے اور مسلمان کے عدم رویت قلب کا سبب ظلمت عصیاں ہے فسق و فجور، مخالفت سنت اور اتباع ہوئی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ اثر واحد ہو تو موثر اور سبب بھی واحد ہو امراض قلب کے ماہر معالج انبیاء علیہم السلام تھے انہوں نے قلب کی صحت کا نسخہ ذکر الٰہی بتایا جس سے قلب سلیم اور مطمئن ہو جاتا ہے۔ قلب کے لئے غذائے صالحہ شریعت حقہ کی پیروی اور احکام الٰہی کی پابندی بتایا اور غذائے فاسدہ یعنی شرک و بدعت اور اتباع ہوئی سے منع فرمایا۔ انبیاء علیہم السلام کے بعد ان کے صحیح جانشینوں نے ان کی نیابت کی جن کو صوفیہ کرام اور علمائے ربانی کہا جاتا ہے مگر آج انکے وجود عنقا ہیں۔ مشیخت اور سجادہ نشینی، علم و فضل اور وعظ و تبلیغ کے دعوے تو موجود ہیں مگر حقیقت غائب ہے۔ امام ولی اللہ دہلویؒ نے اپنے زمانے کے حالات کا جو نقشہ تفہیمات الٰہیہ میں کھینچا ہے آج کے حالات اس سے بھی بدتر ہو گئے ہیں فرماتے ہیں:

''اے سجادہ نشینو! جو اپنے آباء کی مسندوں پر بغیر کسی استحقاق کے جمے بیٹھے ہو تم نے وہ طریقہ تو چھوڑ دیا جو اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے ذریعے انسانوں کی ہدایت کیلئے نازل فرمایا تھا۔ اور اپنی خواہشات کی اتباع کو تم نے دین بنالیا اور ہر شخص پیشوا بنا بیٹھا ہے اور اپنے آپکو ہادی اور مہدی سمجھتا ہے حالانکہ وہ حقیقت میں ضال اور مضل ہے۔ ہم ان لوگوں کو قطعاً پسند نہیں کرتے جو محض دنیوی اغراض اور مادی مفاد کی خاطر لوگوں سے بیعت لیتے پھرتے ہیں۔ یہ لوگ راہزن اور ڈاکو ہیں جھوٹے اور فتنہ پرداز ہیں۔ لوگو! خبردار! ان ڈاکوؤں سے ہوشیار رہنا۔ تمہیں تو صرف اس شخص کو اپنا مرشد اور پیشوا بنانا ہے جو کتاب و سنت کی طرف دعوت دے......الخ

حقیقت یہ ہے کہ جب سے عقابوں کے نشیمن زاغوں کے تصرف میں آنے لگے ہیں وہ مقام جہاں سے رشد و ہدایت کے چشمے پھوٹتے تھے آج بیہودگی اور عیاشی، بے دینی اور آوارگی کے مرکز بن گئے ہیں۔ جہاں دین کے علاوہ سب کچھ موجود ہے اور جہاں سے دین داری اور ہدایت کے علاوہ سب کچھ ملتا ہے۔ دنیا بن رہی ہے اور عاقبت بگڑ رہی ہے اور بقول عارف الہ آبادی اسے ایک کاروبار بنا لیا گیا ہے۔

مردہ سمجھو ان کو کہ جو پہنچے ہوں خدا تک۔ مرشد ہے وہی جو ہے گورمنٹ رسیدہ

اور علماء کا جو نقشہ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں کھینچا ہے وہ چھٹی صدی ہجری کے علماء سے متعلق ہے فرماتے ہیں:

أَنْتُمْ كَالْمُنْخُلِ يَخْرُجُ مِنْهُ الدَّقِيْقُ الطَّيِّبُ وَتَبْقَى فِيْهِ النُّخَالَةُ كَذَالِكَ أَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ الْحِكْمَةَ مِنْ أَفْوَاهِكُمْ وَيَبْقَى الْغِلُّ فِيْ قُلُوْبِكُمْ أَفْسَدَتْكُمْ أُجُوْرُكُمْ فَصَلَاحُ الدُّنْيَا عِنْدَكُمْ أَحَبُّ إِلَيْكُمْ مِنْ صَلَاحِ الْآخِرَةِ فَأَيُّ النَّاسِ أَخْسَرُ مِنْكُمْ لَوْ تَعْلَمُوْنَ.

امام غزالیؒ کو اپنے زمانہ کے علماء سے شکایت ہے کہ تم چھلنی کی مانند ہو جس سے باریک اور عمدہ آٹا نکل جاتا ہے اور چھان اس کے اندر رہ جاتا ہے۔ مگر آج کے علماء (الا ماشاء اللہ) کی حالت یہ ہے کہ وہ اس موٹی چھلنی کی مانند ہیں جس سے چھان بھی خارج ہوتا رہتا ہے اور وہی حصہ چھلنی کے اندر رہ جاتا ہے جو سب سے زیادہ ردی اور بیکار ہو۔ اسی طرح ان کے منہ سے اگر کبھی کبھار حکمت کی ایک آدھ بات نکلتی ہے تو اس کے ساتھ دس باتیں ایسی بھی نکلتی ہیں جو تہذیب اور شرافت کا ماتم کرتی ہوئی فضا میں پھیل جاتی ہیں۔

اور مغرب زدہ امراء اور جوانوں کی یہ حالت ہے کہ شیکسپیئر اور کارلائل کا کلام ان کا قرآن ہے اور مغرب کی بے حیائی اور فحاشی کی اندھی تقلید ان کی سنت ہے۔ اور نائٹ کلب اور بال روم کی حاضری دینا ان کی نماز ہے۔ اور کمزوروں اور بیکسوں کی تحقیر اور تذلیل ان کا جہاد ہے اور پیسہ ان کا ایمان ہے۔ سود اور رشوت کے ذریعہ بنک بیلنس بنانا ان کا مقصد حیات ہے۔

ذالک ھو الخسران المبین۔

جب ہمارے فکر و عمل کی حالت یہ ہے ہمارے عوام اور خواص کی ذہنیت اس قسم کی ہے تو قلوب کی کیفیت کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے۔ جب ان کے قلوب نور بصیرت سے محروم ہیں تو اپنے اوپر قیاس کر کے صلحائے امت اور اصحاب بصیرت کا انکار کر دیں یا رویت رسول ﷺ کا انکار کر دیں تو ہم انہیں معذور سمجھتے ہیں۔ کیونکہ کسی شخص کو نابینا آدمی سے یہ گلہ نہیں ہوتا کہ وہ دیکھتا کیوں نہیں۔ بلکہ ان کی حالت قابل رحم ہے۔ ان کے دل روگی ہیں۔ ان کے قلوب بیمار ہیں۔ اس لئے ہمارا مخلصانہ مشورہ یہی ہے کہ کسی معالج روحانی کی خدمت میں جا کر اپنے قلوب کا علاج کرائیں۔

دل بینا بھی کر خدا سے طلب — آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

(۱۹) رسول کریم ﷺ سے روحانی

بیعت

سوال: آپ نے کہیں ذکر کیا ہے کہ ابتدائی منازل سلوک طے کرانے کے بعد ہمارے سلسلہ میں نبی اکرم ﷺ سے روحانی بیعت کراتے ہیں، کیا اس کا ثبوت حققین صوفیہ میں بھی ملتا ہے؟

الجواب: علامہ ابن حجر نے فرمایا:

وَقَالَ تَاجُ ابْنِ عَطَاءِ اللّٰهِ عَنْ شَيْخِهِ الْعَارِفِ الْكَامِلِ اَبِي الْعَبَّاسِ الْمَرْسِيِّ صَافَحْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بِكَفِّيْ هٰذِهِ	تاج ابن عطاء اللہ نے فرمایا کہ میرے شیخ عارف کامل ابو العباس المرسی نے فرمایا کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے آپ کا ہاتھ پکڑ کر مصافحہ کیا۔
وَقَالَ عَلِيٌّ وَفَا فَرَاَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ قُبَالَةَ وَجْهِيْ فَعَانَقَنِيْ فَقَالَ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ. (فتاوی الحدیثیہ. ۲: ۲۵۶)	اور عارف علی وفا نے فرمایا کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو روبرو دیکھا۔ پھر آپ نے میرے ساتھ معانقہ فرمایا۔ پھر فرمایا اللہ تعالی کی نعمت بیان کیا کر۔

از شیخ ابو السعود آوردہ کہ مصافحہ می کرد آنحضرت ﷺ را بعد ہر نماز۔ (اشعۃ اللمعات ۳: ۶۴)

اور آخر میں امام الہند شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ کی زبانی تفصیل سنئے۔

چوں ایں معرفت جلیلہ بخاطرم جا گرفت آں حضرت ﷺ تبسم کناں سر از جیب مراقبہ بیرون آوردند و دو دست خویش برداشتند و اشارت فرمودند بہ بیعت و مصافحہ۔ ایں فقیر برخاست و زانو بزانو متصل ساختہ و دو دست خود درمیان دو دست آں حضرت ﷺ نہادہ بیعت کردو بعد از فراغ از بیعت چشم فرو بستند۔ (الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ: ۷)	جب یہ معرفت میرے دل میں جا گزیں ہوئی، حضور اکرم ﷺ نے مسکراتے ہوئے مراقبہ سے سر مبارک اٹھایا، اور اپنے دونوں مبارک ہاتھوں سے میری طرف مصافحہ اور بیعت کا اشارہ فرمایا۔ یہ فقیر اٹھا، اپنے زانو حضور اکرم ﷺ کے زانوؤں کے ساتھ ملائے، اور اپنے دونوں ہاتھ حضور اکرم ﷺ کے مبارک ہاتھوں کے درمیان رکھے اور بیعت کی۔ بیعت لینے سے فارغ ہوئے تو حضور اکرم ﷺ نے آنکھیں بند فرمالیں۔

****

(۲۰) کلام بالارواح

کلام بالارواح یا کشف قبور کا انکار دراصل دعویٰ بلا دلیل سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا اس موضوع پر بحث کرنے کے لئے علمی اور نقلی دلائل سے رہنمائی حاصل کی جائے تو اقرار کئے بغیر نہیں بنتی اور یہ ماننا پڑتا ہے کہ اہل اللہ پر یہ اللہ تعالیٰ کا خاص انعام ہے جو نبی کریم ﷺ کے صحیح جانشینوں کو میراث نبوی ﷺ کے طور پر اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے۔

سب سے پہلے اس امر پر غور کرنا چاہئے کہ کلام بالارواح کی شریعت میں اصل بھی ہے یا نہیں پھر یہ دیکھنا چاہئے کہ سابقین سے اس کی نقل بھی ملتی ہے یا نہیں۔ پھر یہ دیکھنا ہے کہ اسلاف میں اس کی ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں جنہیں حقیقت نفس الامری کہا جاسکتا ہے۔

اگر ان تینوں صورتوں میں دلائل قاطعہ مل جائیں تو انکار کرنا جہالت یا ضد اور عناد کے بغیر کچھ نہیں۔

(۱) بیت المقدس میں تمام انبیاء علیہم السلام کو رسول خدا ﷺ کی اقتداء کے لئے جمع کیا گیا تھا پھر ارواح انبیاء سے مکالمہ ہوا۔ (ابن کثیر ۲:۱۸)

فقال ابراهیم علیه السلام الحمد الله الذی اتخذنی خلیلا و اعطانی ملکا عظیما وجعلنی امتا قانتا یوتم بی وانقذنی من النار وجعلها علیّ بردا وسلاما ثم ان موسیٰ علیه السلام اثنی علی ربه فقال الحمد الله الذی کلمنی تکلیما وجعل هلاک ال فرعون ونجاة بنی اسرائیل علی یدی وجعل من امتی قوما یهدون بالحق وبه یعدلون ثم ان داؤد علیه السلام اثنی علی ربه فقال الحمد الله الذی جعل لی ملکا عظیما وعلمنی الزبور ولان لی الحدید و سخر لی الجبال یسبحن والطیر ......الخ

حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے مجھے خلیل بنایا ہے اور مجھے عظیم ملک عطا کیا۔ اور مجھے اطاعت شعار امت بنایا اور مجھے آگ میں سے نکالا اور آگ کو میرے لئے ٹھنڈک اور سلامتی بنادیا۔ پھر موسیٰ نے اپنے رب کی ثناء بیان کی اور کہا تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے مجھ سے خوب کلام کی اور میرے ہاتھ سے فرعون کو ہلاک کیا اور بنی اسرائیل کو نجات دی اور میری امت سے ایسے لوگ پیدا کئے جو حق و ہدایت پر قائم رہے اور رہنمائی کرتے رہے۔ پھر اسی طرح حضرت داؤدؑ نے کہا کہ تعریف اس اللہ کیلئے ہے جس نے مجھے سلطنت عطا کی مجھے زبور کی تعلیم دی۔ میرے لئے لوہے کو نرم کردیا اور میرے لئے پہاڑوں کو مسخر کردیا کہ میرے ساتھ مل کر پہاڑ اور پرندے تسبیح پڑھتے ہیں

یہ واقعہ کلام بالارواح کی اصل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ:

۱۔ زندہ انسان ارواح کی کلام سن سکتا ہے۔ جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے انبیاءؑ کے ارواح کی کلام سنی۔

قال النبی ﷺ انی اری ما لا ترون واسمع ما لا تسمعون المراد بهما الموصولة فیهما مغیبات وامور فی الملاء الاعلیٰ اطلعه الله تعالیٰ علیها وغیره ﷺ لا یراها کرویة الملائکة والجنة والنار وعذاب القبر والاطلاع علی الموتی واحوال البرزخ سماعه لاصوات المعذبین فی القبور .

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا میں دیکھتا ہوں جو چیزیں تم نہیں دیکھتے۔ اور اس کلام کو سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے۔ ان دونوں جملوں میں ما موصولہ ہے اور اس سے مراد مغیبات ہیں اور وہ امور ہیں جو ملاء اعلیٰ میں واقع ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو اس پر مطلع فرمایا جو دوسرے لوگ نہیں دیکھتے۔ جیسے ملائکہ کو دیکھنا۔ جنت دوزخ، عذاب قبر کو دیکھنا، برزخ کے حالات اور ان لوگوں کی آوازیں جو قبروں میں عذاب سے دوچار ہیں۔

اس حدیث سے اور اس کی شرح سے جہاں معلوم ہوتا ہے کہ کلام بالارواح کی شریعت میں اصل موجود ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عذاب قبر مغیبات میں سے ہے اور مغیبات پر ایمان لانا فرض ہے اس لئے کشف قبور کو نئی کہنا علمی لغزش ہے۔

بحث کی دوسری شق کے متعلق چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔ (الحاوی للفتاویٰ ۲:۲۹۱)

الثانی ان النبی ﷺ فی حیاته کان یری الانبیاء ویجتمع بهم فی الارض کما تقدم انه رای عیسیٰ فی الطواف وصح انه ﷺ مر علی موسیٰ وهو

امر دوم یہ کہ نبی ﷺ اس دنیوی زندگی میں انبیاء کو دیکھتے اور ان سے ملاقات کرتے تھے جیسا کہ گذر چکا ہے کہ انہوں نے عیسیٰ کو طواف میں دیکھا اور یہ صحیح ہے کہ آپ ﷺ موسیٰ کے پاس سے گذرے جبکہ وہ قبر میں نماز

يصلي في قبره وصح انه ﷺ قال الانبياء احياء يصلون فكذلك اذا نزل عليه الصلوة والسلام الى الارض يرى الانبياء ويجتمع بهم ومن جملتهم النبي ﷺ فياخذ عنه ما يحتاج اليه من احكام الشريعة

پڑھ رہے تھے۔ اور یہ صحیح ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں۔ اسی طرح جب عیسیٰؑ زمین پر واپس آئیں گے انبیاء کو دیکھیں گے اور ان سے ملاقات کریں گے۔ ان میں سے ایک حضور ﷺ ہیں اور عیسیٰؑ، حضور اکرم ﷺ سے احکام شریعت حاصل کریں گے جن احکام کے وہ محتاج ہوں گے۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی یہ میراث جن لوگوں کو ملتی ہے ان میں کون سی ایسی خوبی ہے جو دوسرے لوگوں میں نہیں پائی جاتی۔ جب ایسے حضرات کے حالات کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ سارے کے سارے اصحاب تصوف وسلوک ہی گذرے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اس دولت کے ملنے کا واحد ذریعہ تصوف وسلوک ہے اس علم وفن کی فضیلت کے متعلق علامہ وزیر فرماتے ہیں۔
(الروض الباسم ۲: ۵۷)

هٰذَا بَحْرٌ" عَمِيْقٌ" لَا سَاحِلَ لَهٗ، لَا يَصِحُّ رُكُوْبُهٗ، اِلَّا فِيْ سُفُنِ الْمُكَاشَفَةِ وَلَيْلٌ" جَهِيْمٌ" لَا يُحْسِنُ مَسْرَاهُ اِلَّا بَعْدَ طُلُوْعِ اَهِلَّةِ الْمُشَاهَدَةِ .... اِنَّ ذَالِكَ مِنَ الْعُلُوْمِ الضَّرُوْرِيَّةِ التَّجْرِبِيَّةِ الْمُتَوَاتِرَةِ عَنْ اَرْبَابِ الرِّيَاضَاتِ وَمُلَازِمَةِ الْخَلْوَاتِ فَاِنَّهُمْ يَرَوْنَ فِي الْيَقْظَةِ مِثْلَ مَا يَرَاهُ النَّاسُ فِي النَّوْمِ وَيَسْمَعُوْنَ مُخَاطَبَاتٍ مِنْ غَيْرِ رُؤْيَةِ الْمُخَاطِبِ.

یہ (علم سلوک) بہت گہرا سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں۔ مکاشفہ کی کشتی کے بغیر اس سمندر میں سفر کرنا درست نہیں اور یہ ایک سیاہ رات ہے جس میں مشاہدہ کے چاند کے طلوع ہونے کے بغیر سفر کرنا درست نہیں۔ یہ علوم ضروری اور بدیہی ہیں تجربہ سے تواتر کے ساتھ اصحاب ریاضت سے ثابت ہیں جنہوں نے تخلیہ کو لازم سمجھا اور وہ بیداری میں وہ چیزیں دیکھتے ہیں جو دوسرے لوگ خواب میں دیکھتے ہیں اور وہ مخاطب کو دیکھے بغیر اس کا کلام سن لیتے ہیں۔

اب ان حضرات کے واقعات دیکھئے جن کو اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت عطا فرمائی تھی۔

(الحاوی للفتاویٰ ۲: ۴۴۳)

قَالَ الشَّيْخُ عَبْدُالْقَادِرِ الْجِيْلَانِيُّ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَبْلَ الظُّهْرِ فَقَالَ لِيْ يَا بُنَيَّ لِمَ لَا تُكَلِّمُ؟ قُلْتُ يَا اَبَتَاهُ! اَنَا رَجُلٌ اَعْجَمِيٌّ" كَيْفَ اَتَكَلَّمُ عَلٰى فُصَحَاءِ بَغْدَادَ فَقَالَ اِفْتَحْ فَاكَ فَفَتَحْتُهٗ فَتَفَلَ فِيْهِ سَبْعًا وَقَالَ تَكَلَّمْ عَلَى النَّاسِ وَادْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ فَصَلَّيْتُ الظُّهْرَ وَجَلَسْتُ وَحَضَرَنِيْ خَلْقٌ" كَثِيْرٌ" فَارْتَجَّ عَلَيَّ" فَرَاَيْتُ عَلِيًّا قَائِمًا بِاِزَائِيْ فِي الْمَجْلِسِ فَقَالَ لِيْ مِثْلَ مَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ظہر سے پہلے حضور اکرم ﷺ کی زیارت کی حضور ﷺ نے فرمایا۔ بیٹا تم بات کیوں نہیں کرتے۔ عرض کیا ابا جان میں عجمی ہوں فصحائے بغدادی کی طرح کلام کیسے کر سکتا ہوں۔ فرمایا اپنا منہ کھول میں نے منہ کھولا۔ حضور ﷺ سات مرتبہ میرے منہ میں لعاب دہن ڈالا اور فرمایا کہ لوگوں کو حکمت اور موعظہ حسنہ کے ذریعے اللہ کی طرف دعوت دے پھر میں نے ظہر کی نماز پڑھی اور بیٹھ گیا۔ ایک ہجوم میرے گرد جمع ہوگیا۔ پھر میں نے حضرت علیؓ کو اپنے پاس کھڑا ہوا دیکھا۔ انہوں نے بھی مجھے وہی کچھ فرمایا جو حضور ﷺ نے فرمایا تھا۔

یہی واقعہ امام یافعیؒ نے کفایۃ المعتقد صفحہ ۳۸۷ پر درج فرمایا ہے۔

الحاوی للفتاویٰ ۲: ۴۴۳

قَالَ فِيْ تَرْجَمَةِ الشَّيْخِ خَلِيْفَةَ بْنِ مُوْسَى النَّهْرَمَلِكِيْ كَانَ كَثِيْرُ الرُّؤْيَةِ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَقْظَةً وَمَنَامًا فَكَانَ يُقَالُ اَنَّ اَكْثَرَ اَفْعَالِهٖ مُتَلَقَّاةٌ" مِنْهُ ﷺ اِمَّا يَقْظَةً اِمَّا مَنَامًا وَرَاٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ وَاحِدَةٍ سَبْعَ عَشْرَةَ مَرَّةً

شیخ خلیفہ بن موسیٰ کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ خواب اور بیداری میں کثرت سے حضور ﷺ کی زیارت کیا کرتے تھے اور کہا جاتا تھا کہ ان کے اکثر کام حضور اکرم ﷺ کی تلقی سے ہوتے تھے خواہ تلقی خواب میں ہو یا بیداری میں اور انہوں نے حضور ﷺ کو ایک رات میں سترہ مرتبہ دیکھا۔

علامہ الکمال الادفوی نے اپنی کتاب الطالع السعید میں ترجمہ علامہ صفی ابی عبداللہ محمد بن یحییٰ الاسوانی میں فرمایا:

كان مشهورا بالصلاح وله مكاشفات وكرامات كتب عنه ابن دقيق العيد و ابن النعمان والقطب العسقلاني وكان يذكر انه يرى النبي ﷺ ويجتمع به

وہ بہت صالح مشہور تھے۔ ابن دقیق العید ابن النعمان اور قطب عسقلانی نے ان کے مکاشفات اور کرامات کا ذکر کیا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی زیارت کی اور مجلس کی۔

شیخ عبدالغفار بن نوح نے اپنی کتاب الوحید میں فرمایا۔

کان الشیخ ابی العباس المرسی وصلة بالنبی ﷺ رد علیہ السلام ویجاوبہ اذا تحدث معہ

شیخ ابی العباس المرسی کی نبی کریم ﷺ سے ملاقات ہوتی تھی۔ جب آپ سلام کہتے تو حضور اکرم ﷺ جواب دیتے اور جب حضور سے گفتگو کرتے تو حضور اس کا جواب دیتے تھے۔

ابن فارس کی کتاب الفتح الالہیہ فی مناقب السادۃ الوفائیہ میں ہے۔

قَالَ (ای ابن فارس) کُنْتُ وَاَنَا ابْنُ خَمْسِ سِنِیْنَ اَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ عَلٰی رَجُلٍ یُقَالُ لَهٗ الشَّیْخ یَعْقُوْب فَاَتَیْتُهٗ یَوْمًا فَرَاَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَقْظَةً لَا مَنَامًا وَعَلَیْهِ قَمِیْصٌ اَبْیَضُ قُطْنٌ ثُمَّ رَاَیْتُ الْقَمِیْصَ عَلَیَّ فَقَالَ لِیَ اِقْرَأْ فَقَرَاْتُ عَلَیْهِ سُوْرَةَ وَالضُّحٰی وَاَلَمْ نَشْرَحْ ثُمَّ غَابَ عَنِّیْ فَلَمَّا اَنْ بَلَغْتُ اِحْدٰی وَعِشْرِیْنَ سَنَةً اَحْرَمْتُ لِصَلَاةِ الصُّبْحِ بِالْقَرَافَةِ فَرَاَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ قُبَالَةَ وَجْهِیْ فَعَانَقَنِیْ وَقَالَ لِیْ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ.

ابن فارس کہتے ہیں کہ جب میں پانچ برس کا تھا تو شیخ یعقوب سے قرآن مجید پڑھتا تھا ایک روز میں ان کے پاس آیا تو میں نے نبی کریم ﷺ کو عین بیداری میں دیکھا۔ آپ ﷺ نے ایک سفید سوتی قمیض پہن رکھی تھی پھر میں نے دیکھا کہ وہ قمیض میں نے پہنی ہوئی ہے پھر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا پڑھ! میں نے سورۃ والضحیٰ اور الم نشرح پڑھی پھر حضور غائب ہو گئے۔ جب میری عمر ۲۱ برس کی ہوئی میں نے قرافہ میں صبح کی نماز کی نیت باندھی تو میں نے حضور ﷺ کو اپنے سامنے دیکھا پھر حضور ﷺ نے معانقہ فرمایا اور فرمایا اپنے رب کی نعمت بیان کر۔

معجم شیخ برہان الدین بقاعی میں بیان ہوا ہے۔

قال حدثنی الامام ابو الفضل بن ابی الفضل النویری ان سید نور الدین الایحی والد الشریف عفیف الدین لما ورد الی روحۃ الشریفۃ قال السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ الله وبرکاتہ سمع من کان بحضرتہ قائلا من القبر یقول وعلیک السلام یا ولدی.

کہتے ہیں امام ابو الفضل النویری نے مجھ سے بیان کیا کہ سید نور الدین جب روضۃ اطہر پہ حاضری دیتے تو کہتے السلام علیک ایھا النبی ﷺ۔ جو لوگ وہاں موجود ہوتے وہ قبر مبارک سے یہ آواز سنتے کہ وعلیک السلام یا ولدی۔

حافظ محب الدین بن النجار نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے جس کو علامہ سیوطی نے الحاوی للفتاوی صفحہ نمبر ۲۴۷ پر بیان فرمایا ہے کہ شیخ عبدالواحد بن عبدالملک نے بیان فرمایا کہ:

حججت وزرت النبی ﷺ فبینا انا جالس عند الحجرۃ اذا دخل الشیخ ابو بکر الدیار بکری ووقف بازاء وجہہ النبی ﷺ وقال السلام علیک یا رسول الله فسمعت صوتا من داخل الحجرۃ وعلیک السلام یا ابابکر وسمعہ من حضرہ

میں نے حج کیا اور نبی ﷺ کی زیارت کی جب میں روضہ اطہر کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ ابو بکر دیار بکری آئے اور مواجہ شریف کے سامنے کھڑے ہو کر کہا السلام علیک ...الخ میں نے روضہ اطہر کے اندر سے یہ آواز سنی وعلیک السلام....الخ اور میرے علاوہ جو لوگ وہاں موجود تھے انہوں نے بھی یہ آواز سنی۔

طبقات الشعرانی ۲:۷۳ سید محمد شاذلیؒ کے ترجمہ میں بیان کیا۔

وکان رضی الله عنہ کثیر الرویا لرسول الله ﷺ وکان یقول قلت لرسول الله ﷺ ان الناس یکذبوننی فی صحتہ رویتی لک فقال رسول الله ﷺ من کذبک فیہا لا یموت الا یہودیا او نصرانیا او مجوسیا.

سید محمد شاذلی کثرت سے حضور اکرم ﷺ کی زیارت کیا کرتے تھے وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور! لوگ میری رویت کا انکار کرتے ہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے تیری تکذیب کی وہ یہودی یا نصرانی یا مجوسی ہو کر مرے گا

طبقات شعرانی ۲:۷۵

وکان (ای شاذلیؒ) یقول رایت النبی ﷺ فسالتہ عن الحدیث المشہور اذکر الله حتیٰ یقولوا مجنون وفی صحیح ابن حبان اکثروا من ذکر الله یقولوا مجنون فقال ﷺ صدق ابن حبان فی روایتہ وصدق راوی اذکروا الله فانی قلتھما معا مرۃ قلت ھذا ومرۃ قلت ھذا.

سید محمد شاذلی فرماتے تھے کہ میں نے نبی ﷺ کی زیارت کی اور مشہور حدیث اذکروا الله...الخ کے متعلق پوچھا کہ ابن حبان نے اکثروا من ذکر الله لکھا ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ابن حبان بھی سچا ہے اور پہلی حدیث کا راوی بھی سچا ہے میں نے ایک دفعہ وہ الفاظ کہے اور دوسری مرتبہ دوسرے الفاظ۔

پھر اسی صفحہ پر ہے کہ پھر رسول کریم ﷺ اور میرے مابین حجاب حائل ہو گیا اور رویت ختم ہو گئی تھی۔

وَكُنْتُ اِشْتَغَلْتُ بِقِرَاءَةِ جَمَاعَةٍ فِي الْفِقْهِ وَوَقَعَ بَيْنِي وَبَيْنَهُم جِدَالٌ " فِيْ اِدْحَاضِ حُجَجِ بَعْضِ الْعُلَمَاءِ فَتَرَكْتُ الْاِشْتِغَالَ بِالْفِقْهِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَلْفِقْهُ مِنْ شَرِيْعَتِكَ فَقَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ يَحْتَاجُ اِلٰى اَدَبٍ بَيْنَ الْاَئِمَّةِ.

میں ایک جماعت کو فقہ پڑھانے میں مشغول تھا میرے اور ان کے درمیان بعض علماء کے دلائل کے بارے میں اختلاف واقع ہوگیا۔ میں نے فقہ کا مشغلہ چھوڑ دیا۔ پھر میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور! کیا فقہ کا علم آپ کی شریعت میں سے نہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں مگر فقہا کے دلائل کے رد کرنے میں ادب اور احتیاط لازم ہے۔

طبقات شعرانی۔۱:۱۶

قال (ای عبداللہ بن ابی جمرہ) انا اجتمع بالنبی ﷺ یقظۃ

عبداللہ ابن ابی جمرہ فرماتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ بیداری میں زیارت اور مجلس کرتا رہتا ہوں۔

طبقات ۲:۸۸

ومنھم سیدنا شمس الدین حنفی یَقُوْلُ رَاَیْتُ جَدِّیْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فِیْ خَیْمَةٍ عَظِیْمَةٍ وَالْاَوْلِیَاءُ یَجِیْئُوْنَ فَیُسَلِّمُوْنَ عَلَیْهِ وَاحِدٌ بَعْدَ وَاحِدٍ.

ان میں سے ایک شمس الدین حنفی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔ میں نے اپنے جد بزرگوار یعنی حضور اکرم ﷺ کو ایک بڑے خیمہ میں دیکھا اور دیکھا اولیاء کرام ایک ایک کرکے آتے ہیں اور سلام عرض کرتے ہیں۔

طبقات ۲:۱۴۷

ومنھم الشیخ مخلص وَلَمَّا حَجَّ وَزَارَ النَّبِیَّ ﷺ سَمِعَ رَدَّ السَّلَامِ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

ازانجملہ شیخ مخلص ہیں جب انہوں نے حج کیا اور روضۂ اطہر پر حاضری دی تو حضور اکرم ﷺ سے سلام کا جواب سنا۔

الیواقیت والجواہر۔۱:۱۳۲

وَمِنْهُمْ السَّیُوْطِیْ یَقُوْلُ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فِی الْیَقَظَةِ بِضْعًا وَسَبْعِیْنَ مَرَّةً وَقُلْتُ لَهٗ فِیْ مَرَّةٍ مِنْهَا هَلْ اَنَا مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ نَعَمْ فَقُلْتُ مِنْ غَیْرِ عَذَابٍ یُسْبِقُ فَقَالَ لَکَ ذٰلِکَ قَالَ الشَّیْخُ العطیہ وَسَاَلْتُ الشَّیْخَ جلال الدین السیوطی مَرَّةً اَنْ یَجْتَمِعَ بِالسُّلْطَانِ الغوری فِیْ ضرورۃ وقعت لی فقال لی یا عطیہ انا اجتمع بالنبی ﷺ یقظۃ واخشی ان اجتمعت بالغوری ان یحتجب ﷺ عنی۔

ازانجملہ علامہ سیوطی ہیں وہ فرماتے ہیں۔ میں نے رسول کریم ﷺ کو بیداری میں ستر سے زائد مرتبہ دیکھا۔ ایک مرتبہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں جنتی ہوں؟ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں۔ پھر میں نے عرض کیا بغیر کسی عذاب کے؟ فرمایا تمہارے لئے ایسا ہی ہے۔ شیخ عطیہ کہتے ہیں۔ میں نے علامہ سیوطی سے ایک مرتبہ اپنی ایک ضرورت کے سلسلے میں سلطان غوری سے ملنے کو کہا تو علامہ سیوطی نے فرمایا کہ میں بیداری میں حضور اکرم ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوتا ہوں۔ اگر میں سلطان غوری کی خدمت میں جاؤں تو مجھے حضور اکرم ﷺ سے شرم آتی۔

الیواقیت والجواہر۔۱:۹

وسئل الحافظ ابو عبداللہ الذھبی عن قول الشیخ محی الدین ابن العربیؒ فی کتابہ الفصوص انہ ما صنفہ الا باذن من حضرت النبویہ ﷺ فقال الحافظ ما اظن ان مثل ھذا الشیخ محی الدین یکذب اصلا مع ان الحافظ الذھبی کان من اشد المنکرین علی الشیخ و علیٰ طائفۃ الصوفیۃ ھو و ابن تیمیۃ.

علامہ ذہبی سے شیخ محی الدین ابن عربی کے اس قول کے متعلق سوال کیا گیا کہ " میں نے کتاب فصوص حضور اکرم ﷺ کے حکم سے تصنیف کی " حافظ ذہبی نے کہا میں یہ گمان نہیں کرسکتا کہ شیخ محی الدین جیسا شخص جھوٹ بولے حالانکہ علامہ ذہبی ایسے شخص ہیں جو ابن عربی اور صوفیاء کے سخت مخالف ہیں۔ وہ اور ابن تیمیہ دونوں شدید مخالفین میں سے ہیں۔

اور طبقات شعرانی میں شیخ علامہ عبداللہ بن ابی جمرہ، سید شمس الدین حنفی، الشیخ مخلص اور کئی دیگر اولیائے کرام کے حالات میں اس بات کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے کہ یہ حضرات حالت بیداری میں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ کلام روحانی کیا کرتے تھے۔

اسی طرح الیواقیت والجواہر میں متعدد اولیائے کرام کے متعلق کلام بالارواح کے سلسلے میں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ان حضرات کی ملاقات مکالمہ اور استفادہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

اب ہم ایک ایسی ہستی کا ذکر کرتے ہیں جو اپنے یہاں خوب جانی پہچانی ہے وہ ہیں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی۔

تفہیمات الہیہ ۲۳۹

۱۔ سألته ﷺ سؤالا روحانيا عن معنى قوله كنت نبيا وآدم منجدل بين الماء والطين ففاض على روحي من روحه الكريم .... الخ.

میں نے حضور اکرم سے کنت نبیا.... الخ حدیث کے معنی کے متعلق روحانی طور پر سوال کیا تو حضور ﷺ کے روح پر فتوح سے میرے دل پر القا ہوا.... الخ

۲۔ سألته ﷺ سؤالا روحانيا عن معنى قوله كان في عماء.

میں نے حضور ﷺ سے کان فی عما کے متعلق روحانی طور پر سوال کیا۔

۳۔ سألته ﷺ سؤالا روحانيا عن التسبب وتركها ايهما احسن لي ففاض منه ﷺ على روحي .... الخ

میں نے حضور اکرم ﷺ سے روحانی طور پر سبب کے اختیار اور ترک کے متعلق سوال کیا تو حضور ﷺ کی طرف سے میرے دل پر القا ہوا..الخ

۴۔ سألته ﷺ سؤالا روحانيا عن سر تفضيل الشيخين على عليؓ مع انه اشرفهم نسبا واقضاهم حكما واشجعهم جنانا والصوفة اكثرهم ينتسبون اليه ففاض على قلبي منه ﷺ وجهين وجها ظاهرا ووجها باطنا فالوجه الظاهر اقامة العدل في الناس وتاليفهم و ارشادهم الى ظاهر الشريعة وهما بمنزلة الجوارح في ذلك والوجه الباطن الى مراتب الفناء والبقاء وعلومه الروية كلها انما ينبع من الوجه الظاهر.

میں نے حضور اکرم ﷺ سے حضرت علیؓ پر شیخین کی تفضیل کے راز کے متعلق روحانی طور پر عرض کیا کہ حضرت علیؓ نسب کے اعتبار سے افضل ہیں۔ فیصلہ کے اعتبار سے اقضی ہیں اور سب سے زیادہ شجاع ہیں اور صوفی تمام کے تمام انہیں کی طرف منسوب ہیں تو حضور اکرم ﷺ سے میرے قلب پر القا ہوا کہ میری نبوت کے دو پہلو ہیں ایک ظاہر ایک باطن ظاہری پہلو کا تعلق لوگوں میں عدل قائم کرنا ان کی تالیف اور ان کی ہدایت کا سامان کرنا۔ اس معاملے میں وہ دونوں (شیخین) میرے دست و بازو کی حیثیت رکھتے ہیں اور باطنی پہلو کا تعلق فنا و بقاء کے مراتب وغیرہ سے ہے۔ مگر ان سارے پہلوؤں کا منبع اور ماخذ ظاہری پہلو ہے۔ یعنی شریعت ہے۔

تفہیمات الٰہیہ ۲: ۲۵۰

سألته ﷺ سؤالا روحانيا عن شيعة فاوحى الي ان مذهبهم باطل وبطلان مذهبهم يعرف من لفظ الامام ولما افقت عرفت ان الامام عندهم هو المعصوم المفترض الطاعة الموحى اليه وحيا باطنيا وهذا هو معنى النبي فمذهبهم يستلزم انكار ختم النبوة

میں نے حضور اکرم ﷺ سے شیعہ کے متعلق روحانی طور پر سوال کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ان کا مذہب باطل ہے اور اس کے بطلان کی وجہ لفظ امام سے ظاہر ہے۔ جب میں نے غور کیا تو یہ راز مجھ پر کھلا کہ شیعہ کے نزدیک امام معصوم ہوتا ہے اور اس کی اطاعت فرض ہے۔ اس پر باطنی وحی ہوتی ہے۔ اور یہی اوصاف نبی کے ہوتے ہیں اس لئے ان کے عقیدہ سے انکار ختم نبوت لازم آتا ہے۔

تفہیمات الٰہیہ ۲: ۲۵

سألته ﷺ عن هذه المذاهب وهذه الطرق ايها اولى عنده بالاخذ واحب ففاض على قلبي منه ﷺ ان المذاهب والطرق كلها سواء والافضل بواحد على الآخر.

میں نے حضور اکرم ﷺ سے ان مذاہب (مذاہب اربعہ) چار سلسلوں (تصوف) کے متعلق سوال کیا کہ ان میں سے افضل کون سا ہے اور آپ کو سب سے زیادہ پسند کون سا ہے۔ تو حضور ﷺ کی طرف سے مجھ پر القا ہوا کہ تمام مذاہب اور تمام سلسلے یکساں ہیں۔ اور کسی کو کسی پر فضیلت نہیں۔

تفہیمات الٰہیہ میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کے بیسیوں واقعات درج ہیں جن سے اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے کہ آپ نے بے شمار علمی اور دینی مسائل میں حضور ﷺ کے روح پر فتوح سے استفادہ کیا جس کا واحد ذریعہ کلام بالا رواح تھا۔

اس کے بعد زمانی اعتبار سے اور قریب آجایئے۔

نقش حیات مدنی ص ۱۰۷ اور شیخ الاسلام ص ۶۱۔

''مواجہ شریفہ میں جب کہ آپ بیدار ہیں آنحضرت ﷺ کی زیارت اس طرح ہوتی ہے کہ آپ میں اور ذات اقدس سرور کائنات ﷺ میں کوئی حجاب کسی قسم کا نہیں ہے۔''

''اور شیخ الاسلام ۱۶۴ پر مولانا رشید احمد صدیقی بیان کرتے ہیں:

کہ حضرت مدنی نے تقریباً دو بجے شب راقم الحروف اور چوہدری محمد مصطفی انسپکٹر مدارس کو طلب فرمایا دونوں فوراً حاضر ہوئے ارشاد فرمایا کہ بھائی اصحاب باطنی نے ہندوستان کی تقسیم کا فیصلہ کر دیا اور ہندوستان کی تقسیم کے ساتھ بنگال اور پنجاب کو تقسیم کر دیا۔ راقم الحروف نے عرض کیا کہ اب ہم لوگ جو تقسیم کے مخالف

ہیں کیا کریں۔ آپ نے فرمایا کہ ہم لوگ ظاہر کے پابند ہیں اور جس بات کو حق سمجھتے ہیں اسکی تبلیغ پوری قوت سے کریں گے"۔ بلغۃ الحیران ص ۸ مولانا حسین علیؒ فرماتے ہیں:

رایت رسول اللہ ﷺ عانقنی وذھب بی فی معانقۃ علی الصراط (ای پل صراط) رایت ان رسول اللہ ﷺ کتب لی ضمینۃ ختم علیہ بیدہ المبارک وکان معہ اکثر الاکابر دعوت عند بیت اللہ الحرام ثم جئت عند رسول اللہ ﷺ فقلت الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ فعانقنی ﷺ وعلمنی اللطائف والاذکار ورأیتہ انہ یسقط فامسکتہ واعصمتہ عن السقوط وقعدت عند مزار الامام الربانی فقال لی فی المکاشفۃ بیان مسئلۃ التوحید اعلیٰ درجۃ عن السلوک و رایت الانبیاء کلھم من ادم الی نبینا ﷺ کلھم ینادون باعلی نداء ان من دعا غیر اللہ تعالیٰ معتقدا انہ یعلم ویسمع فھو کافر.

میں نے حضور اکرم ﷺ کی زیارت کی آپ نے مجھے بغل میں لے لیا اور پل صراط پر چل دیے۔ میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ نے میرے لئے ضمانت نامہ لکھا اور اپنے دست مبارک سے اسپر مہر لگائی اور آپ ﷺ کے ساتھ بہت سے اکابر تھے میں نے بیت اللہ کے پاس دعا کی پھر حضور نے معانقہ فرمایا اور مجھے لطائف و اذکار سکھائے اور میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ گرنے لگے ہیں۔ میں نے حضور کو تھام لیا اور گرنے سے بچالیا اور میں امام ربانیؒ کے مزار پر بیٹھا تھا۔ آپ نے مکاشفہ میں فرمایا۔ سلوک سے بھی اونچا درجہ مسئلہ توحید کا بیان ہے۔ اور میں نے حضرت آدم سے لیکر حضور اکرم ﷺ تک تمام انبیاء کی زیارت کی تمام انبیاء کرامؑ نہایت بلند آواز سے فرمارہے ہیں کہ جو شخص غیر اللہ کو اس عقیدے کے ساتھ پکارے کہ وہ جانتا اور سنتا ہے وہ کافر ہے۔

ان اقتباسات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کلام بالا رواح کی اصل شریعت میں موجود ہے اور حضور اکرم ﷺ کے صحیح جانشینوں کو حضور ﷺ کی یہ میراث بطور انعام باری ملتی رہی ہے اور ایسے لوگ ہر دور میں موجود رہے ہیں۔

معلوم ہوا کہ کلام بالا رواح کی اصل نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے اور صحابہ کرامؓ سے اس پر عمل کرنے کی کثیر مثالیں ملتی ہیں۔ طوالت کے خوف سے یہاں ذکر نہیں کیا گیا۔ پھر اولیاء کرام کی مقدس جماعت نے حضور اکرم ﷺ اور صحابہؓ کی اس سنت پر عمل کیا۔ یہ سنت مدت سے قریباً مردہ ہوچکی تھی جس نے اس مردہ سنت کا احیاء کیا وہ تو حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق سو شہیدوں کے ثواب کا مستحق ہے اس کے برعکس جو لوگ اس کا انکار کرتے ہیں وہ درحقیقت حضور ﷺ کی سنت کا انکار کرتے ہیں۔ صحابہ کے عمل اور ان کی فضیلت کا انکار کرتے ہیں اور اولیائے کرام کی مقدس جماعت جس کی تعداد سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں تک پہنچتی ہے ان کا انکار کرتے ہیں اور ان پر طعن کرکے اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں۔ رہا یہ سوال کہ ایسے منقول واقعات کی حیثیت کیا ہے؟ کیا ان سے استدلال کیا جاسکتا ہے اس سلسلے میں مولانا عبدالحی لکھنویؒ کی تحقیق کا ماحصل قابل غور ہے۔

الذین یرجع الیٰ اقوالھم فیھم[23] المھمات وتجعل اخبارھم من القطعیات کابی نعیم، وان کثیر والسمعانی وابن حجر المکی وابن حجر العسقلانی والسیوطی وعلی القاری وشمس العلماء الکردی والنووی، وعبدالوھاب الشعرانی. وشیخ الاسلام الذھبی ومن ینحد حذ وھم افتری ھولاء قد ادرجوا فی تصانیفھم ما یری انہ کذب او اعتمدوا علی نقل ما ینقلہ ارباب الکذب کلا واللہ ھم ائمۃ محتاطون لا یناقشون فیما یکتبون فان شککت فی ذلک فارجع الی الطبقات ینکشف لک احوال صدق ھولاء الثقات .... وان وقوع مثل ھذا وان استبعد من العوام لکن لا یستبعد ذالک من اھل اللہ تعالیٰ فانھم اعطوا من ربھم قوۃ ملکیۃ وصلوا بھا الیٰ ھذہ الصفات لا ینکرہ الا من ینکر صدور الکرامات وخوارق الصادرۃ

ایسے لوگ ہیں کہ اہم امور میں ان کے اقوال کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور ان کے بیان کو قطعیت کا درجہ حاصل ہے۔ جیسے ابونعیم ابن کثیر، سمعانی ابن حجر مکی، ابن حجر عسقلانی، علامہ سیوطی، ملا علی قاری، شمس العلماء کردی، نووی اور عبدالوہاب الشعرانی اور شیخ الاسلام ذہبی اور اسی پایہ کے لوگ ہیں۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ ان حضرات نے اپنی تصانیف میں جھوٹ ملا دیا ہے یا جھوٹے لوگوں کی نقل پر اعتماد کر بیٹھے ہیں۔ خدا کی قسم ایسا ہرگز نہیں وہ امام ہیں بڑے محتاط ہیں اور جو لکھ دیتے ہیں اس میں مناقشہ نہیں کیا جاتا اور تجھے اس میں شک ہو تو طبقات کی طرف رجوع کر تجھ پر ان معتبر حضرات کی صداقت کھل جائے گی۔ عوام سے تو ایسی باتوں کا امکان ہے۔ لیکن ان اہل اللہ سے ان باتوں کا امکان نہیں کیونکہ انہیں اپنے رب کی طرف سے قوت ملکہ عطا ہوئی ہے اور اس قوت کی وجہ سے ان صفات تک پہنچے ان کا انکار صرف وہی کرتا ہے جو کرامات کے صدور کا منکر ہو اور

.... والجاهل المتعسف لا ينفعه شيء وان طولنا هنا لك .... فان شك في ذلك شاك علم قطعا انه متعصب خارج عن حد الخطاب لا يليق معه الا الزجر والعتاب.

جہاں تک جاہل متعصب کا تعلق ہے اسے کوئی چیز فائدہ نہیں دے سکتی۔ اگر کوئی اس امر میں شک کرے تو وہ قطعی طور پر متعصب ہے وہ اس قابل نہیں کہ اس سے گفتگو کی جائے وہ تو زجر و توبیخ کے لائق ہے۔

علامہ سیوطی نے بھی ابن ابی جمرہ کے حوالے سے اسی قسم کا خیال ظاہر کیا ہے۔
الحاوی ۲:۴۳۹

قال (ای ابن ابی جمرہ) والمنكر لهذا لا يخلو اما ان يصدق بكرامات الاولياء او يكذب بها فان كان ممن يكذب بها فقد سقط البحث معه فانه يكذب ما اثبته السنة بالدلائل الواضحة وان كان مصدق بها فهذه من ذلك القبيل لان الاولياء يكشف لهم بخرق العادة عن اشياء في العالمين العلوي والسفلي عديدة فلا ينكر هذا مع التصديق بذالك

ابن ابی جمرہ فرماتے ہیں کہ اس کا منکر یا تو کرامات اولیاء کی تصدیق کرتا ہے یا تکذیب۔ اگر تکذیب کرتا ہے تو اس سے بحث فضول ہے کیونکہ وہ اس حقیقت کو جھٹلا رہا ہے جو سنت سے واضح دلائل سے ثابت ہے۔ اور اگر وہ تصدیق کرنے والا ہے وہ اسی قبیل سے ہے۔ کیونکہ اولیاء پر تو عالم سفلی اور علوی سے خرق عادت کے طور پر بیشمار چیزیں منکشف ہوتی ہیں اور اس تصدیق کے ساتھ انکار جمع نہیں ہو سکتا۔

پھر ص ۱۰۲ پر فرماتے ہیں۔

وان اعتبر مثل هذا الشك ارتفع الامان عن كتب التواريخ واسماء الرجال فانهم يكتبون

اگر اس قسم کا شک معتبر قرار دیا جائے تو تاریخ اور اسماء رجال کی کتابوں سے اعتبار اٹھ جاتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے یہ واقعات لکھے ہیں۔

اور الرفع والتکمیل کے ص ۶۴ پر فرمایا:

ومن زعم ان الناس اتفقوا على الخطاء في ذلك فهو اولىٰ بالخطاء منهم ولو لا جواز الاعتماد ذلك لتعطل كثير من المصالح قلت من كذب العلماء المتقدمين فهو اكذب الكاذبين.

اگر کسی کو یہ خیال ہو کہ ان حضرات نے غلط باتوں پر اتفاق کر لیا ہے تو وہ خود ایک بہت بڑی غلطی کا شکار ہے اگر ان حضرات پر اعتماد نہ کیا جائے تو بے شمار امور میں تعطل پیدا ہو جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں جو علمائے متقدین کی تکذیب کرتا ہے وہ بہت بڑا کذاب ہے۔

ان حضرات کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ کشف قبور اور کلام بالارواح کا انکار کرنا نری جہالت ہے ایسا منکر اس قابل نہیں کہ علمی سطح پر اس سے کوئی گفتگو کی جائے۔

اس سلسلے میں ایک پہلو ابھی تشنہ ہے کہ یہ نعمت صرف مخصوص حضرات کو ہی کیوں عطا کی جاتی ہے۔

اس کی حکمت حافظ ابن قیم نے بیان فرمائی ہے۔ کتاب الروح ص ۸۱

فاذا شاء الله سبحانه ان يطلع علىٰ ذلك بعض عبيده اطلعه وغيبه عن غيره اذلو اطلع العباد كلهم لزالت كلمة التكليف والايمان بالغيب ولما تدافن الناس كما في الصحيحين عنه ﷺ لو لا تدافنو الدعوت الله ان يسمعكم من عذاب القبر ما اسمع .

جب اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو (عذاب قبر) پر مطلع کرنا چاہے کر دیتا ہے اور بعض بندوں سے پوشیدہ رکھتا ہے کیونکہ اگر تمام لوگوں کو مطلع کر دے تو مکلف ہونے اور غیب پر ایمان لانے کا سوال اٹھ جائے اور لوگ دفن کرنا چھوڑ دیتے جیسا کہ صحیحین میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اگر تم دفن کرنا نہ چھوڑ دیتے تو میں اللہ سے دعا کرتا کہ تمہیں عذاب قبر سنا دیتا۔ جیسا کہ میں سنتا ہوں۔

اور صفحہ ۸۲ پر فرماتے ہیں:

فروية هذالنار في القبر كروية الملائكة والجن تقع احيانا لمن شاء الله ان يريه ذلك

قبر میں جہنم کی آگ کا دیکھنا ایسا ہی ہے جیسا ملائکہ اور جنوں کو دیکھنا۔ جب اللہ چاہے کبھی کبھی دکھا دیتا ہے۔

اور صفحہ ۸۱ پر فرماتے ہیں:

وقدرة الرب تعالىٰ اوسع واعجب من ذلك وقد ارانا الله من ايات قدرته في هذه الدار ما هو اعجب من ذلك بكثير ولكن النفوس مولعة بالتكذيب بمالم تحط به علما الا من وفقه الله تعالىٰ وعصمه .... فلبس مع الزنادقة

اور اللہ تعالیٰ کی قدرت اس سے بھی وسیع اور عجیب ہے اس نے اس دنیا میں ہمیں اپنی قدرت کی ایسی کثیر نشانیاں دکھائی ہیں جو اس سے بھی بڑھ کر عجیب ہیں۔ لیکن انسان جن باتوں کا علم نہیں رکھتا۔ ان کی تکذیب کی احمقانہ جرأت کر بیٹھتا ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ جسے

والملاحدة الا مجرد تكذيب الرسول.

اپنے فضل سے بچالے۔ زندیق اور ملحد، رسول ﷺ کی تکذیب کے سوا کر ہی کیا سکتے ہیں۔

اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس کی حکمت یوں بیان فرمائی ہے۔ فتح الباری ۱۵۲:۳)

والظھر ان الله تعالیٰ صرف ابصار العباد واسماعھم من مشاھدة ذٰلک وسترہ عنھم ابقاء علیھم لئلا یتدافنوا او لیست للجوارح الدیبویة قدرة علیٰ ادراک امور الملکوت الا من شاء الله تعالیٰ

اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کے مشاہدہ سے عام لوگوں کی نگاہ کو روک رکھا ہے ایسا نہ ہو کہ وہ دفن کرنا ہی چھوڑ دیں اور ان مادی اعضاء کو یہ قدرت ہی نہیں دی گئی کہ عالم ملکوت کے امور کا مشاہدہ کر سکیں۔

فوائد: حافظ ابن قیم کے بیان سے چند امور کی وضاحت ہوتی ہے۔

۱۔ عذاب وثواب قبر کے متعلق اللہ تعالیٰ اپنے خاص خاص بندوں کو مطلع فرماتے ہیں۔

۲۔ عوام کو مطلع نہ کرنے میں حکمت یہ ہے کہ اس دار التکلیف میں ایمان بالغیب کا سوال اٹھ جاتا ہے اور لوگ ڈر کے مارے مردوں کو دفن کرنا ہی چھوڑ دیتے۔

۳۔ عذاب وثواب قبر کا تعلق عالم ملکوت سے ہے عالم کونی سے نہیں لہذا کشف قبور کشف کونی نہیں جن حضرات نے اسے کشف کونی کہا ہے انہوں نے ٹھوکر کھائی ہے۔

۴۔ کشف قبور میں اموات اور عذاب وثواب کو دیکھنا ایسا ہی ہے جیسے جنات اور ملائکہ کو دیکھنا۔ کیونکہ روح اور عذاب وثواب قبر بھی لطیف اور جنات و ملائکہ بھی لطیف ہیں۔

۵۔ عذاب وثواب قبر بھی ملکوت سے ہے اور عالم ملکوت کی چیزیں مادی آنکھوں سے نہیں دیکھی جاسکتیں۔ اور باتیں مادی کانوں سے نہیں سنی جاسکتیں۔ بلکہ اس کا ذریعہ قلب اور روح کی آنکھیں اور کان ہیں اور یہ خاص اولیاء اللہ کو عطا ہوتی ہیں اس لئے کشف قبور اور کلام بالارواح اللہ کے خاص بندوں کا حصہ ہے۔

۶۔ کشف قبور اور کشف ملائکہ کا انکار صرف ملحدین، زندیق اور مکذبین رسول ﷺ ہی کرتے ہیں۔

گذشتہ صفحات میں اولیائے کرام کے متعدد واقعات درج کئے گئے ہیں کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ مکالمہ یا معانقہ یا مصافحہ کیا اور حضور ﷺ سے استفادہ کیا۔ اس سلسلے میں علامہ سیوطی کا ایک قول پیش کر دینا ضروری ہے جو قول فیصل کی حیثیت رکھتا ہے۔ الحاوی ۴۵۳:۲

فحصل من مجموع ھذہ النقول والاحادیث ان رسول الله ﷺ حي بجسدہ وروحہ وانہ یتصرف ویسیر حیث ای اقطار الارض وفی الملکوت وھو بھیئتہ التی کان علیھا قبل وفاتہ لم یبدل منہ شيء وانہ مغیب عن الابصار کما غیبت الملائکة مع کونھم احیاء باجسادھم فاذا اراد الله فرع الحجاب عمن اراد اکرامہ برویتہ راہ علیٰ ھیئة التی ھو علیھا لا مانع من ذٰلک ولا داعی الی التخصیص بروية المثال.

ان ساری احادیث اور منقولات کا ماحصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے جسد اور روح کے ساتھ زندہ ہیں آپ زمین کے جس حصے میں اور عالم ملکوت میں جانا چاہیں جاسکتے اور تصرف کرسکتے ہیں جیسا زندگی میں کرسکتے تھے اور آپ ﷺ اسی ہیئت میں زندہ ہیں جس ہیئت میں قبل از وفات تھے اس میں تغیر نہیں آیا اور آپ ایسے ہی پوشیدہ ہیں جیسے ملائکہ جو کہ زندہ ہیں۔ جب اللہ چاہے اور جس شخص کے لئے حجاب اٹھا دیتا ہے اور اسے حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف کرتا ہے اور وہ شخص حضور اکرم ﷺ کو اسی ہیئت پر دیکھتا ہے اس میں کوئی مانع نہیں اور عالم مثال سے اس رویت کا کوئی تخصص نہیں۔

الحاوی للفتاوی ۴۶۰:۲

قلت اظھر من ھذا ان یحمل علی الحالة التی تعتری ارباب الاحوال ویشاھدون فیھا یا یشاھدون ویسمعون ما یسمعون والصحابة رضی الله عنھم ھم روس ارباب الاحوال.

میں کہتا ہوں اس سے ظاہر ہے کہ ارباب حال کو یہی حالت پیش آتی ہے اور اسی حالت میں مشاہدہ کرتے ہیں اور سنتے ہیں جو سنتے ہیں اور صحابہ کرامؓ تو ارباب حال کے سردار ہیں۔

علامہ سیوطیؒ کے قول سے کئی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

۱۔ حضور اکرم ﷺ روح مع الجسد کے زندہ ہیں۔

۲۔ حضور اکرم ﷺ کی یہ حیات ایسی ہے کہ عوام کی نگاہ سے اوجھل ہیں۔ جیسے ملائکہ زندہ ہیں مگر عوام کی نگاہ سے اوجھل ہیں۔

۳۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی خاص بندے کو حضور اکرم ﷺ کی زیارت کرانا چاہتا ہے تو وہ حجاب اٹھا دیتا ہے

۴۔ یہ ساری باتیں ان احادیث اور علمائے ربانی اور اولیائے کرام سے منقول واقعات کا ماحصل ہے جو اس سلسلے میں مختلف کتابوں میں محفوظ ہیں اور ہم تک پہنچی ہے۔

اس کے باوجود اس حقیقت کے انکار میں جو آوازیں اٹھ رہی ہیں یا اٹھائی جارہی ہیں اس کا سبب کیا ہے؟ سید محمد حریری بیوتی نے اپنی کتاب، کتاب الروح وماہیتہا ص ۴۶ پر بیان کیا ہے۔

وانما الناس تنكرعن هذه الكرامات لكثافة حجابهم وتلبيهم بالذنوب وتعلقهم بالدنيا وانهم يريدون الاطلاع علىٰ اسرار الاولياء مع استحالة ذلك لما هم فيه احص بالذكر منهم جفاة العلماء المتمسكين باعرض الدنيوى الزائل الا شحاء بطبعهم المتعاكفين على اباب الحكام والامراء يريدون ان يرو هذا الاسرار بنفوسهم الملوثة ولما لم يصلوا الى شيء منها ينكرونا الكرامات ويحصرونها فى علمهم الظاهرى المحدود وكلهم او غالبهم شر ووبال علىٰ انفسهم وعلى الناس فهم كبنى اسرائيل يومنون بالانبياء عليهم الصلوٰة والسلام ولما يرونهم ينكرون جحدا او حدا وبغضا اعاذنا الله منها.

لوگ ان کرامت کا انکار بوجہ حجاب کی کثافت، گناہوں کی آلودگی اور دنیا سے تعلق کے کرتے ہیں۔ اس کے باوجود وہ چاہتے ہیں کہ اولیاء کے اسرار سے مطلع ہو جائیں جو محال ہے ان منکرین میں ان ظالم علماء کا ذکر خصوصیت سے آتا ہے جو عارضی دنیوی اغراض سے چمٹے ہوئے ہیں جو حریص الطبع ہیں اور حکام اور امراء کے دروازوں پر جبہ سائی کر رہے ہیں۔ پھر چاہتے ہیں کہ ان اسرار کو دیکھ لیں حالانکہ ان کے نفوس ان آلودگیوں سے ملوث ہیں جب انہیں یہاں تک رسائی نہیں ہوسکتی تو کرامات اولیاء کا انکار کر دیتے ہیں اور اسے محدود علم ظاہری میں محصور سمجھتے ہیں وہ سب کے سب یا غالب اکثریت اپنی جانوں کے لئے، اور دوسرے لوگوں کے لئے شر اور وبال ہیں اور وہ بنی اسرائیل کی مانند ہیں جو انبیاء علیہم السلام پر ایمان لاتے ہیں، مگر جب انہیں دیکھتے ہیں تو وہ، حسد اور بغض کی وجہ سے انکار کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے۔

طبقات شعرانی ۲:۷۵ حضرت شاذلیؒ کا فرمان:

رايت رسول الله ﷺ فقال لى عن نفسه لست بميت وانما موتى عبارة عن تسترى عمن لا يفقه عن الله تعالىٰ واما من يفقه عن الله فها انا اراه ويرانى.

میں نے حضور اکرم ﷺ کی زیارت کی مجھے حضور ﷺ نے خود فرمایا میں مردہ نہیں ہوں میری موت عبارت ہے اس شخص سے پوشیدہ ہونا جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بصیرت حاصل نہیں اور جسے اللہ تعالیٰ بصیرت دے تو میں اسے دیکھتا ہوں اور وہ مجھے دیکھتا ہے۔

اور تفسیر جمل ۴:۶۱۰

قال القرطبى والذى يزيح الاشكال ما قاله بعض مشائخنا ان الموت ليس بعدم محض بالنسبة بالانبياء عليهم الصلوٰة والسلام والشهداء فانهم موجودون احياء وان لم نراهم.

قرطبی کہتے ہیں کہ وہ جواب جو اشکال کو زائل کر دیتا ہے۔ وہ بات ہے جو ہمارے بعض مشائخ نے فرمائی ہے کہ موت بہ نسبت انبیاء اور شہداء کے عدم محض نہیں کیونکہ وہ زندہ موجود ہیں اگرچہ ہم نہیں دیکھتے۔

اسی طرح کتاب الروح ص ۴۳

ان موت الانبياء انما هو راجع الى ان غيبوا عنا بحيث لا ندركهم وان كانوا موجودين احياء وذلك كالحال فى الملائكة فانهم احياء موجودون ولا نراهم

ابن قیم نے فرمایا انبیاء کی موت اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ وہ ہم سے غائب کئے گئے ہیں اس حیثیت سے کہ ہم انہیں نہیں دیکھتے اگرچہ وہ موجود ہیں زندہ ہیں اور یہ زندگی ان کی مثل فرشتوں کے ہے پس وہ فرشتے زندہ ہیں موجود ہیں اور ہم انہیں نہیں دیکھتے۔

اور آخر میں صاحب روح المعانی کا ایک قول سن لیجئے۔ کرامات اولیاء کا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وھذا امر مقرر عند السادة الصوفية شهور فيما بينهم وهو غير طي المسافة وانكار من ينكر كلا منها عليهم مكابرة لا تصدر الا من جاهل او معاند. (روح المعانی ۲۳: ۱۳)

اور یہ بات بڑے بڑے صوفیوں میں مشہور ہے اور درست اور یہ مسافت کو طے کئے بغیر ہے اور جو شخص اس کا انکار کرتا ہے وہ صرف اپنی بڑائی جتانے کے لئے ایسا کرتا ہے اور یہ حرکت صرف ایک جاہل اور دشمن ضدی، عنادی ہی کر سکتا ہے۔

علماء میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو اختلاف رائے رکھنے کے باوجود حق و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیتے مثال کے طور پر ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے۔

۲۶ نومبر ۱۹۷۱ء مطابق ۷ شوال المکرم موضع چکڑالہ میں قاضی شمس الدین صاحب تشریف لے گئے۔ مسجد غازی خیل میں بعد جمعہ انہوں نے تقریر فرمائی۔ سینکڑوں کا مجمع تھا۔ موافق و مخالف سب موجود تھے۔ قاضی صاحب کو حاجی عبداللہ اور مولوی سلیمان صاحب نے دعوت دی تھی۔ مولوی صاحب نے ہماری کتاب ''اسرار الحرمین'' قاضی صاحب کے سامنے میز پر رکھ دی۔ غرض یہ تھی کہ قاضی صاحب اس کتاب کے خلاف تقریر فرمائیں اور ان کے عقیدہ انکار کرامات اولیاء کو تقویت پہنچے گی۔ قاضی صاحب نے کتاب کی تصدیق اور تائید کرتے ہوئے ایک غلطی کی نشاندہی کی کہ کتاب میں حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مکالمہ درج ہے جو روحانی طور پر ہوا۔ اس میں حضرت فاطمہؓ کے کلام میں ایک لفظ ''شکیت'' درج ہے۔ مگر لفظ ''شکوت'' ہونا چاہئے۔ کیونکہ صحیح عربی لفظ یہی ہے اور حضرت فاطمہؓ تو فصحائے عرب میں سے تھیں۔ مگر قاضی صاحب نے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ میں نہیں کہہ سکتا کہ مولانا کو کلام کے سمجھنے میں غلطی ہوئی یا کاتب سے سہواً ہوا۔ اس کے علاوہ باقی کتاب بالکل صحیح ہے اس میں شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں پھر اپنا واقعہ بیان کیا کہ میں مولانا حسین علی صاحبؒ کے پاس موجود تھا۔ محمد طاہر پنج پیری اور ایک اور شخص بھی موجود تھا کہ آپ کا لانگری نور محمد کشمیری روتا روتا آیا ہاتھ میں ایک خط تھا مولانا نے وجہ پوچھی تو کہا کہ حضرت میری والدہ فوت ہو گئی ہے مولانا نے یہ بات سن کر تھوڑی دیر کے لئے آنکھیں بند رکھیں اور فرمایا کہ تمہیں کسی نے دھوکا دیا ہے۔ تمہاری ماں زندہ ہے اور اس وقت اپنے گھر کے صحن میں جھاڑو دے رہی ہے لیکن دیکھنا یہ بات میری زندگی میں کسی کو نہ بتانا پھر نور محمد گھر گیا تو واقعہ ہو بہو ایسا ہی پایا جیسے مولانا نے اپنے کشف سے فرمایا تھا۔

قاضی صاحب نے اپنی تقریر میں یہ بھی فرمایا کہ میں ۲۴ سال تک مولانا حسین علیؒ کی خدمت میں اس فن کی تحصیل کے لئے حاضر ہوتا رہا مگر میری قسمت میں نہیں تھا مجھے حاصل نہ ہو سکا۔ مگر اپنی محرومی کی وجہ سے اصل شے کا انکار کر دینا کہاں کی دانائی ہے۔ صوفیہ کے منازل سلوک کے متعلق کتابوں کے حوالے پیش کروں مگر وقت کی قلت مانع ہے البتہ صوفیاء کو اپنے منازل کا اظہار نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ ان کو نقصان ہوتا ہے اس پر مولوی محمد سلیمان صاحب نے کہا کہ صوفیہ تو ظاہر کر دیتے ہیں۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ بعض ایسے منازل ہیں کہ سالک ان مقامات سے آگے ترقی کر جائے تو اسے کوئی نقصان نہیں ہوتا۔

****

(۲۱) تصوف اور اصحاب تصوف وسلوک

پر چند اعتراضات

اور ان کے جوابات

پہلا اعتراض تصوف ایک بدعت ہے

انسان بھی عجیب مجموعہ اضداد ہے۔ اس نے زندگی کو مختلف خانوں میں تقسیم کر رکھا ہے اور ہر شعبہ زندگی میں پیدا ہونے والے مسائل کے لئے ایک الگ اصول قائم کر رکھا ہے۔ اور مختلف شعبہ ہائے زندگی کے اصول مختلف ہی نہیں بلکہ متضاد بھی ہیں مثلاً جسمانی صحت ایک شعبہ ہے جس کے لئے یہ اصول بنا رکھا ہے کہ صحت بگڑ جائے تو اس کے علاج کے لئے کسی ماہر طبیب یا ڈاکٹر سے مشورہ لیا جائے۔ کسی عطائی سے مشورہ لینے میں نقصان کا خطرہ ہے۔ اور اپنی سمجھ کے مطابق بھی خود علاج شروع نہ کیا جائے کیونکہ جان کا خطرہ ہے۔ اسی طرح ایک شعبہ قانونی معاملات ہیں اس سلسلے میں حرف آخر کسی ماہر قانون کی رائے کو سمجھتے ہیں۔ یہ اصول بالکل درست ہیں لیکن جہاں دین و ایمان کا معاملہ آیا ہر شخص ایک مجتہد کی طرح نہایت آزادی سے جو چاہے گا منہ سے نکال دے گا۔ اور لطف یہ کہ ہر بے تکی بات کو سند اور حرف آخر ہی سمجھے گا۔ دین کے معاملے میں اس اصول کی کارفرمائی سے عجیب مشکل پیش آتی ہے۔ (شاید ایسے حالات سے متاثر ہو کر کہا گیا ہے کہ:

تنگ بر مارا گذار دیں شدہ ہر لئیمے رازدار دیں شدہ

تصوف کو بدعت کہنے کا معاملہ بھی اسی قسم کے مجتہدین کی ذہنی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔

اس کتاب میں ایک باب ''تصوف کا ثبوت'' کے عنوان سے موجود ہے۔ اس سوال کا تفصیلی جواب اور علمی تحقیق کا ذخیرہ اس باب میں ملے گا۔ اور اگر کسی کو اس سے زیادہ تفصیل درکار ہے اور علم سے کوئی رشتہ ہے تو فتح الباری، اقتضائے صراط مستقیم، الاعتصام اور فتح الملھم کے متعلقہ حصوں کو ایک نظر دیکھ لے۔

حقیقت یہ ہے کہ تصوف کو بدعت کہنا دین کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی اگر آدمی بر خود غلط بھی ہو تو اس سے بھی بڑی بڑی ٹھوکریں کھا سکتا ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کسی دستور کی عبارت میں تمام جزئیات کا بیان نہیں ہوتا بلکہ صرف اصول وکلیات بیان ہوتے ہیں۔ اسلام کا دستور قرآن ہے۔ اس میں دین کے تمام اصول وکلیات موجود ہیں۔ ان اصول وکلیات کی عملی تعبیرات اسوہ نبوی میں موجود ہیں اور ان اصول وکلیات سے جزئیات کا استخراج کا طریقہ بھی حضور ﷺ نے سکھا دیا۔ علماء حق جو ورثۃ الانبیاء ہیں اس طریق استخراج کے مطابق وقت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے جزئیات کا استخراج کرتے رہے ہیں۔

اصول اور کلیات مقاصد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان ذرائع و وسائل کو ڈھونڈ نکالنا جو مقاصد کے حصول میں ممد ثابت ہوں اور انہیں ذرائع سمجھ کر ہی اختیار کیا جائے دین کے خلاف کیونکر ہو سکتا ہے۔ ہاں یہ وسائل اس صورت میں بدعت ہوں گے جب انہیں جزو دین یا اصل دین سمجھا جائے۔ ورنہ یہ وسائل مقاصد کے حکم میں ہوں گے۔ کیونکہ ذرائع اور وسائل مقصد کا موقوف علیہ ہیں۔ مثلاً قرآن مجید میں حکم ہوا

یآ یھا الرسول بلغ ما انزل الیک یا حضور ﷺ نے فرمایا: بلغوا عنی ولو ایۃ

یہ حکم دیا گیا کہ تبلیغ کرو۔ پس تبلیغ کرنا مقصد ٹھہرا ذریعہ کی تعیین نہیں کی۔ زبان سے ہو، تحریر سے ہو، عمل سے ہو، منبر پر چڑھ کر ہو، کرسی پر بیٹھ کر ہو، مسجد میں ہو، میدان میں ہو، گاڑی میں بیٹھ کر ہو، موٹر میں ہو، تقریر میں لاؤڈ سپیکر استعمال کیا جائے۔ یہ تمام ذرائع ہیں اور چونکہ یہ ذرائع اشاعت دین کیلئے ہیں لہذا یہ مقدمہ دین ہیں۔ یا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا: فاذکرو اللہ ذکرا کثیرا.

اب یہ کہ تنہا ذکر کریں، حلقہ میں بیٹھ کر کریں، زبان سے کریں، قلب و روح سے کریں، چلتے پھرتے کریں، بیٹھ کر کریں یا لیٹے ہوئے کریں، انگلیوں پر گن کر کریں یا تسبیح کے ذریعہ کریں۔ تمام وسائل و ذرائع ہیں اور ذکر الٰہی مقصد ہے۔ ان ذرائع کو بدعت کہنا حصول مقصد میں رکاوٹ پیدا کرنا نہیں تو اور کیا ہے۔

میں مسلک کے لحاظ سے دیوبندی ہوں۔ شرک و بدعت کا دشمن ہوں۔ انسان پرستی اور قبر پرستی کا دشمن ہوں، نذر نیاز کھانا، مقررہ اوقات پر عرس کرنا، غیروں کے مال پر نظر رکھنا میرے مسلک کے خلاف ہے۔ میرا مسلک یہ ہے کہ دائیں ہاتھ میں کتاب اللہ، بائیں ہاتھ میں سنت رسول اللہ ﷺ اور سامنے سلف صالحین کی اختیار کردہ صراط مستقیم اور بس۔ امور کشفیہ کا اعتبار ہوگا جب کتاب و سنت سے متصادم نہ ہوں ورنہ القائے شیطانی ہوگا۔ میرا سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ ہے جس میں روح سے بھی فیض لیا جاتا ہے۔ مگر روح سے فیض لینے سے مراد وہ نہیں جو جہلاء سمجھتے ہیں بلکہ روح سے کسب فیض کی حقیقت گذشتہ کسی باب میں بیان ہو چکی ہے ہاں مبتدی کے لئے روح سے فیض حاصل کرنا محال ہے۔

میں تصور شیخ کا حامی نہیں اور ہمارے سلسلہ میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ وظائف لسانی میں ہمارے ہاں سب سے بڑا وظیفہ تلاوت قرآن مجید ہے۔ پھر استغفار اور درود شریف۔ حلقہ ذکر میں صرف اللہ ھو کا ذکر کرایا جاتا ہے یا ہر مقام پر آیات قرآنی کا وظیفہ بتایا جاتا ہے۔ سیر کعبہ میں لبیک کا وظیفہ اور فنا فی الرسول میں درود شریف۔ باقی تمام منازل سلوک میں سوائے اسم اللہ کے کوئی دوسرا ذکر نہیں بتایا جاتا۔

رفقاء کو جمع کر کے توجہ کرنا، سانس کے ذریعے ذکر کرنا وغیرہ مقصود نہیں سمجھتا بلکہ وسیلہ اور مقدمہ مقصود کا سمجھتا ہوں۔ نہ خود حلقہ بنانا دین ہے نہ توجہ کرنا ہی دین ہے۔ نہ صرف ناک سے سانس لینا ہی دین ہے، ہاں یہ مقدمات دین اوراد و وظائف ہیں۔ ہمارے سلسلہ میں ان کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں جو سنت سے ثابت نہ ہوں۔ ہمارے اختیار کردہ وظائف و معمولات میں سے اگر کسی چیز پر بدعت کا اطلاق ہوتا ہے تو ثبوت پیش کیجئے۔ کتاب وسنت کی واضح تعلیمات ہمارے سامنے ہیں۔ انہیں کو مشعل راہ، مصدر ہدایت اور معیار ہدایت سمجھتے ہیں اور بس۔

دوسرا اعتراض:

اظہار کشف والہام جائز نہیں

یہ بات یونہی مشہور ہو چکی ہے کہ امور کشفیہ کو ظاہر نہ کیا جائے۔ عوام تو کیا خواص تک اس اظہار کو حرام سمجھتے ہیں اور اس پر نکیر کرتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ اول اظہار علم سلوک ضروری ہے بطور اظہار نعمت کے۔ دوم یہ کہ سلوک دین کا شعبہ ہے اور اظہار دین ضروری ہے۔ سوم یہ کہ اظہار کی ضرورت انکار کے مقابلے میں ہوتی ہے اور انکار حد سے گذر چکا ہے اور یہ شعبہ دین کا انکار ہے اسلئے اظہار ضروری ہے۔

تحدیث نعمت اور اظہار دین

تحدیث نعمت از روئے حکم باری تعالیٰ ضروری ہے۔ صاحب تفسیر مظہری نے
وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ
میں فرمایا کہ صوفیہ کرام کے اس اظہار پر نکیر نہ کی جائے اور ارشاد الطالبین میں مذکور ہے کہ:

فَمَنْ اَنْكَرَ عَلٰى هٰؤُلَاءِ الرِّجَالِ فِىْ مِثْلِ هٰذِهِ الْمَقَالِ فَكَاَنَّهٗ اَنْكَرَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ.

جس نے اس قسم کی باتوں میں صوفیہ کا انکار کیا گویا اس نے آیت قرآنی کا انکار کیا

اور مشکوٰۃ باب اللباس فصل دوم میں حضرت عمر بن شعیب سے روایت ہے:

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ يُّرٰى اَثَرُ نِعْمَتِهٖ عَلٰى عَبْدِهٖ

اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ اس کی نعمت کا اظہار کیا جائے جو بندہ پر ہوئی۔

اور اللمعات شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ:

جا معلوم شود کہ پوشیدہ کردن نعمت و کتمان آں روا نیست و گویا موجب کفران نعمت است و ہم چنیں ہر نعمتے کہ دادے تعالیٰ بر بندہ داد مثل علم و فضل، باید کہ ظاہر کند تا مردم بشناسند و استفادہ نمایند و در مصداق مما رزقنھم ینفقون داخل شود۔ اللمعات شرح مشکوٰۃ ۲: ۵۴۸)

اس سے معلوم ہوا کہ نعمت کا چھپانا جائز نہیں۔ گویا یہ نعمت کی ناشکری ہے۔ اسی طرح وہ نعمت جو اللہ تعالیٰ نے بندہ پر فرمائی مثلاً علم اور فضیلت (خواہ علم ظاہری ہو یا باطنی) اس کا اظہار ضروری ہے تاکہ لوگ واقف ہو جائیں اور اس سے فائدہ اٹھائیں اور وہ قرآن مجید کی آیت ''جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس سے خرچ کرتے ہیں'' کے مصداق میں داخل ہو جائے۔

فائدہ: اظہار کمالات باطنیہ برائے فائدہ خلق جائز اور چھپانا ناجائز اور چھپانے والا ماخوذ ہوگا۔ ہاں مدار نیت پر ہے اور تفسیر جمل میں اسی آیت کے ضمن میں مذکور ہے۔

وَلِذٰلِكَ جَوَّزُوْا لِلْخَامِلِ اَنْ يُّثْنِيَ نَفْسَهٗ حَتّٰى يُعْرَفَ فَيُقْتَبَسَ مِنْهُ لَمْ يَكُنْ مِنْ بَابِ التَّزْكِيَةِ. (تفسیر جمل ۲: ۴۴۵)

اسی وجہ سے گمنام آدمی کے لئے جائز ہے کہ اپنے آپ کو ظاہر کرے کہ لوگ اس کو پہچان کر اس سے فائدہ اٹھائیں۔ تو اسکا اپنے اوصاف بیان کرنا فخر میں داخل نہ ہوگا

اور تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ:۔

قَالَ اجْعَلْنِىْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ .... مَدَحَ نَفْسَهٗ وَيَجُوْزُ لِلرَّجُلِ ذٰلِكَ اِذَا جَهِلَ اَمْرَهٗ لِلْحَاجَةِ. (تفسیر ابن کثیر ۲: ۴۸۲)

مجھے خزانوں پر مامور کر دے (حضرت یوسفؑ کا یہ فرمانا) اپنی مدح کا بیان ہے اور آدمی کے لئے ایسا اظہار اور مدح جائز ہے۔ جب لوگوں کو ضرورت ہو اور اسکا کمال پوشیدہ ہو۔

اور اسی آیت کے تحت تفسیر جمل ہے کہ:۔

اَمَّا اِذَا قَصَدَ تَزْكِيَةَ النَّفْسِ وَمَدْحَهَا اِيْصَالُ الْخَيْرِ وَالنَّفْعِ اِلَى الْغَيْرِ فَلَا يُكْرَهُ. ذٰلِكَ وَلَا

اگر کوئی شخص اپنی تعریف محض لوگوں کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے کرتا ہے تو یہ نہ مکروہ ہے نہ

يَحْرُمُ بَلْ يَجِبُ عَلَيْهِ ذٰلِكَ مِقَالَه' أَنْ يَكُوْنَ بَعْضُ النَّاسِ عِنْدَهُ عِلْم'' نَافِع'' وَلَا يَعْرِفُ بِهِ فَإِنَّه' يَجِبُ عَلَيْهِ أَنْ يَقُوْلَ أَنَا عَالِم''. (تفسير جمل ۳: ۵۳۸)

حرام، بلکہ اس کا اظہار واجب ہے۔ مثلاً ایک آدمی کے پاس علم ہے۔ اور نافع علم اور لوگوں کو اس کی واقفیت نہیں تو اس پر واجب ہے کہ یہ اعلان کرے کہ میں اس علم کا عالم ہوں۔

عدم اظہار مشروط بہ شرط ہے۔

جو شخص اظہار میں فخر سمجھتا ہو یا اس اظہار سے ایسا فائدہ اٹھانا چاہتا ہو جو شرعاً حلال نہیں تو اس کا اظہار ریا، خودنمائی اور فخر میں داخل ہوگا اور یہ ناجائز ہے۔

حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں ایک قانون کی نشاندہی کی ہے۔

وَمِنْ هٰذَا يُؤْخَذُ الْأَمْرُ بِكِتْمَانِ النِّعْمَةِ مَتٰى يُوْجَدُ وَيَظْهَرُ كَمَا وَرَدَ فِيْ حَدِيْثِ إِسْتَعِيْنُوْا عَلٰى قَضَاءِ الْحَوَائِجِ بِكِتْمَانِهَا فَإِنَّ كُلُّ ذِيْ نِعْمَةٍ مَحْسُوْد''. (تفسير ابن كثير ۳: ۴۶۹)

اس سے معلوم ہوا کہ نعمت کا اس وقت تک کتمان ضروری ہے جب تک وہ ظاہر ہو کر وجود میں نہ آجائے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اپنی حاجتوں کی امداد انہیں (پورا ہونے تک) پوشیدہ رکھ کر کرو کیونکہ ہر صاحب نعمت محسود ہوتا ہے۔

فائدہ:

۱۔ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ پر انعام کرنا چاہتا ہے اور اس بندہ کو بذریعہ کشف و الہام مطلع فرما دیتا ہے تو جب تک وہ انعام حاصل نہ ہو جائے اظہار نہ کرے شاید وہ نعمت روک لی جائے۔

۲۔ جس پر انعام زیادہ ہوگا اس کے حاسد بھی اسی نسبت سے بہت ہوں گے۔

۳۔ وہ اسرار و رموز جو اللہ تعالیٰ اور ولی اللہ کے درمیان خاص ہیں اور ان کے اظہار سے مخلوق کو کوئی فائدہ نہیں بلکہ اظہار فتنۂ مخلوق کا سبب بنے تو ان کا اظہار صحیح نہیں۔ ان امور کو ظاہر نہ کرے تاکہ صاحب اسرار بن جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ کمال خواہ کسی قسم اور کسی درجے کا ہو ظاہر ہو کر ہی رہتا ہے۔

نکورودی تاب مستوری ندارد چو بندی در ز روزن سر برآرد

اگر اظہار نہ ہو تو حق باطل میں تمیز کیسے ہو۔ حقیقی صوفیہ اور بے معنی مدعیان تصوف میں فرق کیونکر ظاہر ہو لوگوں کو کیسے معلوم ہو کہ صحیح اسلامی تصوف کیا ہے؟ عوام کی تو یہ حالت ہے کہ ہر دیوانے کو مجذوب سمجھنے کے لئے تیار ہیں اور مدعیان تصوف میں سے جسے چاہیں قطب زماں سمجھتے ہیں۔

تیسرا اعتراض

جب سماع موتی ممکن ہی نہیں تو ان سے رابطہ کیونکر قائم کیا جا سکتا ہے؟

اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ اصول پیش نظر رہے کہ جو معارف یا کمالات علمی روح اس دنیا میں رہ کر حاصل کرتی ہے وہ بعد از مفارقت بدن اس سے سلب نہیں کئے جاتے بلکہ ان مکسوبہ علوم و معارف میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے اور روح کے ادراکات وسیع ہو جاتے ہیں۔ ہاں روح سے وہ افعال و اعمال سلب ہو جاتے ہیں جو بدن کے وسیلہ سے کرتی تھی۔ دنیا میں روح مادی کانوں، آنکھوں اور زبان کی محتاج تھی کیونکہ مادیات کو سنانا اور دکھانا وغیرہ مقصود تھا۔ جب مادہ سے مفارقت ہوئی تو مادی آلات سلب ہو گئے۔ مگر روح میں بولنے، سننے اور دیکھنے کی قوت باقی رہی۔ یہ روح کی ذاتی صفات ہیں۔ پس روح زندہ ہے، کلام کرتی ہے۔ دیکھتی ہے، سنتی ہے، کلام کا جواب دیتی ہے۔

یہ ایک اتفاقی مسئلہ ہے۔ حضرت امام غزالیؒ نے احیاء میں مفصل بحث فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

فَقَلْبُ الْمُؤْمِنِ لَا يَمُوْتُ وَعِلْمُه' عِنْدَ الْمَوْتِ لَا يُمْحٰى وَصَفَائُهُ لَا يَتَكَدَّرُ. (احياء علوم الدين ۴: ۱۵)

مومن کا قلب نہیں مرتا۔ اس کا علم اس سے سلب نہیں کیا جاتا۔ اس کی صفائی کو مکدر نہیں کیا جاتا۔

دوسرا یہ بات کہ سماع موتی کا مسئلہ کشف سے تعلق رکھتا ہے اور اس میں گفتگو کا حق بھی اصحاب کشف کو ہے جیسا کہ صاحب کشف الاستار نے وضاحت فرمائی ہے۔

وَاعْلَمْ أَنَّ أَعْلَى الْكَلَامِ وَأَقْصَى الْمَرَامِ أَنَّ هٰذِهِ الْمَسْئَلَةَ لَيْسَتْ مِمَّا يَبْحَثُ فِيْهِ اللَّفَاظُوْنَ وَيَنْقُلُ النَّقَالُوْنَ بَلْ هُوَ مِنَ الْإِنْكِشَافِ الصَّفَائِيْ الَّذِيْ يَكْشِفُهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى بَعْضِ أَوْلِيَائِهِ. (كشف اسعار حاشيه در مختار. باب اليمين وفي الضرب والقتل)

خوب سمجھ لو کہ بہترین بات اور منتہائے مقصود یہ ہے کہ (سماع موتی) کا مسئلہ اس قبیل سے نہیں کہ لفظوں سے کھیلنے والے اس بحث میں پڑیں یا محض نقل کرنے والے اسے نقل کر دیں بلکہ یہ تو انکشاف صفائی سے ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے بعض اولیاء پر منکشف فرماتے ہیں۔

فائدہ: اس سے یہ مراد نہیں کہ کشف کوئی مستقل دلیل شرعی ہے۔ مگر جب دلیل قطعی کے مطابق ہو تو صاحب کشف کے لئے یقینی حجت ہے۔

بعد موت جسمانی روح کا علم اور حافظہ موجود رہتا ہے

قَالَ تَعَالٰى. قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ.

ارشاد ہوا کہ جا جنت میں داخل ہو۔ کہنے لگا کاش میری قوم کو یہ بات معلوم ہو جاتی کہ میرے پروردگار نے مجھے بخش دیا اور مجھے عزت داروں میں شامل کر دیا۔

(یٰس)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ قوم نے جو سلوک اس مرد مومن کے ساتھ کیا تھا وہ اسے یاد تھا۔ اس نے یہ بات بھی اظہار افسوس کے طور پر کی۔

روح سنتی بھی ہے

قَالَ تَعَالیٰ. وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى .... قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا.

اس وقت کو یاد کر جبکہ ابراہیمؑ نے عرض کیا۔ اے میرے پروردگار مجھ کو دکھلا دیجئے۔ آپ مردوں کو کس کیفیت سے زندہ کریں گے.....ارشاد ہوا۔ اچھا تو تم چار پرندے لو۔ پھر انہیں پال کر اپنے لئے ہلا لو۔ پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک ایک حصہ رکھ دو۔ پھر ان سب کو بلاؤ۔ دیکھو تمہارے پاس سب دوڑتے چلے آئیں گے

امام رازیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں معتزلہ کا رد ان الفاظ سے فرمایا:۔

وَمِمَّا دَلَّتِ الْاٰيَةُ عَلٰى حُصُوْلِ فَهْمِ النِّدَاءِ وَالْقُدْرَةِ عَلَى السَّعْيِ لِتِلْكَ الْاَجْزَاءِ حَالَ تَفَرُّقِهَا. كَانَ دَلِيْلًا قَاطِعًا عَلٰى اَنَّ الْبِنْيَةَ لَيْسَتْ شَرْطًا لِلْحَيَاةِ (تفسیر کبیر)

آیت اس حقیقت پر دال ہے کہ پرندوں کے اجزا نے آواز کو سنا، سمجھا اور چلنے پر قادر ہوئے باوجودیکہ اس بات کے کہ متفرق اجزاء تھے۔ پس یہ آیت اس امر پر دلیل قاطع ہوئی کہ حیات کے لئے وجود صحیح کا ہونا شرط نہیں

آیت اپنے مفہوم کے اعتبار سے واضح ہے۔ روح کے سماع میں تو اختلاف ہے ہی نہیں۔ اختلاف اس بات میں ہے کہ بدن سنتا ہے یا نہیں۔ نکیرین کے سوال و جواب کے وقت اعادہ روح کا کیا جاتا ہے جو احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ پس اختلاف اس میں ہے کہ نکیرین کے سوال و جواب کے بعد بدن سنتا ہے یا نہیں۔

سوال وجواب نکیرین کے وقت عودِ روح الی البدن

قَالَ شَيْخُ الْاِسْلَامِ الْاَحَادِيْثُ الصَّحِيْحَةُ الْمُتَوَاتِرَةُ تَدُلُّ عَلٰى عَوْدِ الرُّوْحِ اِلَى الْبَدَنِ وَقْتَ السُّوَالِ وَسُوَالُ الْبَدَنِ بِلَا رُوْحٍ قَوْلٌ "قَالَهُ طَائِفَةٌ" مِّنَ النَّاسِ وَاَنْكَرَهُ الْجُمْهُوْرُ. (کتاب الروح: ۶۲)

شیخ الاسلام نے فرمایا کہ صحیح اور متواتر احادیث نکیرین کے سوال کے وقت عود روح الی البدن پر دلالت کرتی ہیں مگر ایک جماعت متواتر احادیث کی مخالفت کرتی ہے اور جمہور علماء نے اس جماعت کی مخالفت کی ہے۔

اور علامہ سیوطیؒ نے فرمایا:۔

قَالَ ابْنُ تَيْمِيَه. اَلْاَحَادِيْثُ مُتَوَاتِرَةٌ" عَلٰى عَوْدِ الرُّوْحِ اِلَى الْبَدَنِ وَقْتَ السُّوَالِ وَسُوَالُ الْبَدَنِ بِلَا رُوْحٍ قَوْلٌ" طَائِفَةٌ" مِّنْهُمْ ابْنُ الزَّاغُوْنِيْ وَحَكٰى ابْنُ جَرِيْرٍ وَاَنْكَرَهُ الْجُمْهُوْرُ. شرح الصدر)

امام ابن تیمیہ نے فرمایا کہ سوال نکیرین کے وقت عود روح الی البدن کی احادیث صحیح اور متواتر ہیں۔ ایک گروہ سوال بلا روح کا قائل ہے جیسا ابن الزاغونی ابن جریر (اور کرامیہ) اور جمہور علماء ان کے مخالف ہیں۔

قَالَ السُّلَفِيْ. عَوْدُ الرُّوْحِ اِلَى الْجَسَدِ فِي الْقَبْرِ ثَابِتٌ" عَلَى الصَّحِيْحِ لِجَمِيْعِ الْمَوْتٰى وَاِنَّمَا الْخِلَافُ فِيْ اِسْتِمْرَارِهَا فِي الْبَدَنِ.

علامہ سلفی نے کہا کہ قبر میں عود روح الی البدن ثابت ہے اور تمام موتی کے لئے ہے اور یہی صحیح مذہب ہے۔ خلاف صرف روح کے بدن میں ہمیشہ رہنے میں ہے۔

وَسُئِلَ عَنِ الْمَيِّتِ اِذَا سُئِلَ هَلْ يَقْعُدُ اَمْ سُئِلَ وَهُوَ رَاقِدٌ" فَاَجَابَ يُقْعَدُ وَسُئِلَ عَنِ الرُّوْحِ هَلْ تَلْبَسُ الْجُثَّةَ كَمَا كَانَتْ قَالَ نَعَمْ لٰكِنْ ظَاهِرُ الْخَبَرِ اَنَّهَا تَحُلُّ فِيْ نِصْفِهِ الْاَعْلٰى.

شیخ الاسلام علامہ ابن حجر سے سوال کیا گیا کہ وقت سوال و جواب میت کو قبر میں بٹھایا جاتا ہے۔ یا حالت فراش میں ہی سوال ہوتا ہے۔ تو جواب دیا، بٹھایا جاتا ہے۔ پھر سوال ہوا روح بدن اوڑھ لیتی ہے۔ جواب دیا ہاں مگر احادیث میں آتا ہے کہ روح کا تعلق بدن کے اوپر کے حصے سے ہوتا ہے۔

پھر چند سطور کے بعد فرمایا:۔

وَهِيَ لَا تَزَالُ مُتَعَلِّقَةٌ" بِهٖ وَاِنْ بَلِيَ وَتَمَزَّقَ وَتَقَسَّمَ وَتَفَرَّقَ

اور یہ تعلق روح کا بدن سے ہمیشہ رہتا ہے۔ اگرچہ جسم ریزہ ریزہ اور چورا چورا ہو جائے۔

فائدہ۔ قبر میں میت سے سوال و جواب کے وقت روح کا تعلق بدن سے پیدا ہو جاتا ہے۔ روح کا تعلق جسم کے بالائی حصہ سے ہوتا ہے۔ کیونکہ قلب بالائی حصہ میں ہے اور سمجھنے کا آلہ ہے۔

قبر میں انبیاء کے جسم کا تعلق روح سے دائمی ہوتا ہے

فَجَاءَ اَبُوْ بَكْرٍ فَكَشَفَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَبَّلَهٗ فَقَالَ بِاَبِىْ اَنْتَ وَاُمِّىْ طِبْتَ حَيًّا وَّمَيِّتًا. وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ لَا يُذِيْقُكَ اللّٰهُ الْمَوْتَتَيْنِ

پھر حضرت ابوبکرؓ آئے۔ حضور اکرم ﷺ (کے چہرہ انور) سے کپڑا اٹھایا۔ بوسہ لیا اور کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں۔ آپ حیات میں اور بعد حیات پاکیزہ ہی رہے۔ اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے آپ کو اللہ تعالیٰ دوبارہ موت نہ دے گا۔

اسکی شرح میں ابن حجر نے فرمایا:

وَاَحْسَنُ مِنَ هٰذَا الْجَوَابِ اَنْ يُّقَالَ اِنَّ حَيَاتَهٗ فِى الْقَبْرِ لَا يَعْقُبُهَا مَوْتًا بَلْ يَسْتَمِرُّ حَيًّا وَالْاَنْبِيَاءُ اَحْيَاءٌ فِىْ قُبُوْرِهِمْ. (فتح الباری معہ بخاری ۲۰:۷)

صاحب فتح الباری نے فرمایا۔ کہ اس سے احسن جواب یہ ہے کہ کہا جائے کہ قبر مبارک میں حضور ﷺ کی زندگی ایسی دائمہ ہے جس کے بعد موت نہیں اور انبیاء قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

فائدہ: قبر میں سوال کے وقت روح کا جو تعلق بدن سے پیدا ہوتا ہے وہ انبیاء کے اجساد کے ساتھ دائمی رہتا ہے۔ اس تعلق کو توڑا نہیں جاتا۔ اسی تعلق کی وجہ سے انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔ اہل السنت والجماعت کا یہی مذہب ہے۔

عذاب قبر جسم اور روح دونوں پر ہوتا ہے

وَانْعَقَدَ الْاِجْمَاعُ عَلٰى عَذَابِ الْقَبْرِ عَلَى الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ جَمِيْعًا. (تفسیر مظهری ۸:۷۷)

اس پر اجماع امت ہے کہ ثواب و عذاب قبر روح اور جسم دونوں پر ہوتا ہے۔

وَقَدْ دَلَّتِ الْاَحَادِيْثُ مَالَا يُحْصٰى عَلٰى عَذَابِ الْقَبْرِ وَانْعَقَدَ عَلَيْهِ الْاِجْمَاعُ السَّلَفِ. (تفسیر مظهری ۱:۷۷)

اور بے شمار احادیث عذاب قبر پر دلالت کرتی ہیں اور اس پر سلف صالحین کا اجماع ہے۔

اَلْاَوَّلُ اَنَّ الْمَيِّتَ حَىٌّ'' فِىْ قَبْرِهٖ لِيُعَذَّبَ وَهٰذَا هُوَ مَذْهَبُ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ. (حاشیه خیالی ۱۱۸:)

اول یہ کہ میت قبر میں زندہ ہوتا ہے اسے عذاب دیا جاتا ہے اور یہی مذہب اہل سنت والجماعت کا ہے۔

اَحْيَاءُ الْمَوْتٰى فِىْ قُبُوْرِهِمْ وَمَسْئَلَةُ مُنْكَرٍ وَّنَكِيْرٍ لَّهُمْ وَعَذَابُ الْقَبْرِ لِلْكَافِرِ وَالْفَاسِقِ كُلُّهَا حَقٌّ'' عِنْدَنَا وَاتَّفَقَ عَلَيْهِ السَّلَفُ الْاُمَّةِ. (شرح مواقف ۵۱۷)

قبروں میں مردوں کا زندہ ہونا۔ منکر نکیر کا سوال ہونا۔ عذاب قبر کافر اور فاسق کے لئے ہونا سب حق ہے۔ اس پر سلف صالحین کا اتفاق ہے۔

فائدہ: ثواب و عذاب قبر چاہتے ہیں حیات کو۔ حیات چاہتی ہے تعلق روح کا بدن سے اور یہ چاہتا ہے عود روح الی الجسد کو اور عود روح متواترات سے ہے اور عذاب و ثواب روح و بدن دونوں پر اجماع امت ہے۔ اور یہی مذہب اہل السنت والجماعت کا ہے۔

سماع موتیٰ پر اجماع امت ہے

حضور اکرم ﷺ نے امت کو تعلیم دی ہے کہ جب قبرستان سے گزریں تو کہیں السلام علیکم دار قوم مومنین۔

وهذا خطاب لمن يسمع و يعقل ولو لا هذا لخطاب المعدوم والجماد والسلف مجموعون علىٰ هذا و تواترات الأثار منهم بان الميت يعرف بزيارت الحي له ويستبشر ثم قال والخطاب والنداء لموجود يسمع ويخاطب ويعقل ويرد وان لم يسمع المسلم الرد. (تفسير ابن كثير ۳:۳۳۹)

یہ خطاب (سلام کہنا) اس شخص کے لئے ہے جو سنتا ہے اور سمجھتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو بمنزلہ خطاب معدوم اور پتھر کے تھا۔ (اور یہ محال ہے) سماع موتیٰ پر سلف صالحین کا اجماع ہے۔ اور متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ میت اس زندہ کو پہچانتا ہے جو اس کی زیارت کو جاتا ہے اور خوش بھی ہوتا ہے۔ پھر ابن کثیر نے فرمایا۔ یہ خطاب ایسے آدمی کے لئے ہوتا ہے جو سنتا ہے، سمجھتا ہے اور سلام کا جواب دیتا ہے خواہ سلام کہنے والا جواب سنے یا نہ سنے

فائدہ: اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ قبر سے مراد یہی گڑھا ہے۔ اسی میں عذاب ہوگا ہے۔ بدن اسی گڑھے میں ہے۔ ہاں یہ برزخ کا حصہ ہے۔ جیسے انسان دنیا میں آباد ہے۔ مگر زمین کے کسی حصہ میں آباد ہوتا ہے اسی طرح میت برزخ میں ہے۔ مگر کسی حصہ میں ہے اور وہ حصہ قبر ہے۔ جس میں مدفون ہے۔

سوال: اگر قبر سے عالم برزخ مراد نہ لیا جائے بلکہ یہ گڑھا مراد ہو تو کئی حدیثوں کی تکذیب لازم آئے گی۔ مثلاً جس میت کو درندے کھا گئے۔ پانی میں ڈوب گیا، آگ میں جل گیا تو اس کی قبر کہاں۔ پس قبر کے ایسے معنی عام لئے جائیں جس میں تمام افراد شامل ہوں، نیز رسول اللہ ﷺ نے شب معراج میں کسی کو خونی نہر میں معذب پایا کسی کو تنور میں وغیرہ حالانکہ وہ قبر میں نہ تھے۔

الجواب: علامہ ابن حجر فرماتے ہیں۔

انما اضيف العذاب الى القبر لكون معظمه يقع فيه ولكون الغالب على الموتىٰ ان يقبروا.

عذاب کی نسبت قبر کی طرف بوجہ اکثریت کے کی گئی ہے کہ اکثر قبر ہی میں عذاب ہوتا ہے۔ اور غالب حکم یہی ہے کہ میت کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ قبر میں دفن کرنا ایک قانون ہے۔ اس کے خلاف واقعہ شاذ ہوگا جو قانون کو توڑ نہیں سکتا۔

پانی میں ڈوب جانے کے متعلق قرآن مجید نے بتادیا کہ: اغرقوا فادخلوا نارا۔ فرعونی غرق کئے گئے اور فوراً آگ میں داخل کر دیئے گئے۔ یعنی جہاں بدن کے ذرات ہوں گے ان سے روح کا تعلق عذاب وثواب کے لئے لازمی ہوگا۔

آگ میں جل جانے کے متعلق بخاری میں صاحب وصیت کا واقعہ موجود ہے جس نے وصیت کی تھی کہ میرے جسم کو جلا دیا جائے۔ راکھ کو پانی میں پھینک دیا جائے۔ کچھ ہوا میں اڑا دی جائے وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ نے اجزا کو جمع کر کے زندہ کیا اور سوال کیا.........الخ.........زندہ کرنا بتاتا ہے کہ سوال وجواب کے وقت بدن میں روح آجاتی ہے۔ صاحب وصیت کی روح تو زندہ تھی۔ پھر ذرات کا جمع کرنا اور زندہ کرنا بتاتا ہے کہ روح کا تعلق بدن سے قائم کیا گیا ہے۔ رہا یہ امر کہ شب معراج میں حضور ﷺ نے روح کو معذب پایا نہ کہ جسم کو تو ثابت کیا جاچکا ہے کہ روح اور جسم دونوں کو عذاب ہوتا ہے۔ اور روح جہاں بھی ہو اس کا تعلق بدن سے رہتا ہے۔ شب معراج میں برزخ میں روح کو معذب دیکھنے سے جسم کے عذاب کی نفی کیسے لازم آئی۔ خوب سمجھ لو کہ اگر بدن کو عذاب نہ ہوتا تو اعادہ روح کی حاجت نہ تھی۔ روح جہاں ہوتی عذاب ہوجاتا۔ اور یہ کہ قبر سے گڑھا مراد ہے ورنہ تعاد الروح الی جسدہ بے فائدہ ہے یعنی روح تو پہلے برزخ میں تھی۔ پھر اعادہ برزخ سے برزخ کی طرف کیونکر ہوا۔

سوال: انک لاتسمع الموتی اور وما انت بمسمع من فی القبور میں کفار کو حقیقی موتی سے تشبیہ دی گئی ہے جو حقیقی معنوں میں موتی ہیں۔ ان سے تو نفی سماع یقیناً ثابت ہوتی ہے۔

الجواب: اس سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ میت پر حقیقی معنی موت کا اطلاق ہو جائے اور ہونا بھی چاہئے۔ رہا لاتسمع کا معاملہ تو یہ حقیقی معنوں پر محمول نہ ہوگا بلکہ مجاز مراد لیا جائے گا۔ قاعدہ ہے کہ مشبہ کہ مشبہ بہ سے، ایک وصف مشہورہ میں، جو مشبہ بہ کو لازم ہے تشبیہ دی جاتی ہے تشبیہ کی حقیقت یہ ہے کہ اشتراک الشیئین فی وصف ھو لازم لاحدھما ومشہور بہ جیسے زید اسد یہاں کفار کو وصف موت میں تو تشبیہ نہیں دی گئی۔ کیونکہ وصف دونوں میں مشترک نہیں۔ کفار تو حیات میں ہیں بلکہ سماع میں تشبیہ دی گئی ہے۔ سماع میں یہ دونوں شریک ہیں۔ لیکن سماع سے مطلق سماع مراد نہیں ہوسکتا کیونکہ اس وصف میں دونوں مشترک نہیں۔ کفار کان رکھتے تھے۔ خوب سنتے تھے پھر مطلق سماع کی نفی کیسے مراد ہوسکتی ہے۔ لہذا یہاں ''اطلاق مطلق علی المقید'' ہے۔ یعنی سماع نافع جو نفع سے مقید ہے۔ مطلق سماع مراد نہیں۔ پس آیت متذکرہ بالا میں یہ بتایا گیا ہے کہ جس طرح انبیاء کی تبلیغ کا مُردوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا اسی طرح ان کی تبلیغ کفار کو بھی کوئی فائدہ نہیں دیتی کیونکہ وہ موتی القلوب ہیں۔ ثابت ہوا کہ یہاں مطلق کی نفی نہیں ہورہی بلکہ اس سماع کی نفی ہے جو انسان کے لئے مفید ثابت ہو اور یہی وصف ان میں مشترک ہے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہاں ''اسماع'' کی نفی ہے سماع کی نہیں۔ اس بنیاد پر بعض جدید مفسرین قرآن جو فی الحقیقت محرفین قرآن ہیں اور جو فن تحریف کتاب الٰہی میں اہل کتاب اور دیگر محرفین حضرات سے بھی سبقت لے گئے ہیں، یہ نکتہ نکالتے ہیں کہ ''سماع مطاوعہ ہے اسماع کا اور مطاوعہ تابع ہوتا ہے اپنے مطاوعہ کا جو اصل ہے اور فرع اپنے اصل کے مخالف نہیں ہوتا''۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سماع کو اسماع کا مطاوعہ بتانا ہی غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ از قبیل

ترتب احد الفعلین علی الاٰخر من غیر تاثیر ہے جیسے اسمعتہ فلم یسمع یا ھداہ فلم یھتد

یہ افعال ترتب احد الفعلین علی الاٰخر من غیر تاثیر ہیں۔

جواب ثانی: افعال انسانی دو قسم ہیں۔ عادیہ طبعیہ یعنی بطور عادت اور خرق عادت۔

قسم ثانی کے افعال کا صدور انسان سے خواہ اپنے اختیار سے ہی ہوجائے ان کی نسبت انسان کی طرف نہیں کی جاتی بلکہ باری تعالیٰ کی طرف کی جاتی ہے۔ آیت بالا میں اسی حقیقت کا اظہار ہے کہ تم نہیں سنا سکتے میں سنا سکتا ہوں۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ. اور وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى اور فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وغیرہ

اسی طرح اولیاء اللہ جو برزخ والوں سے کلام کرتے ہیں وہ بھی خرق عادت کے طور پر ہوتی ہے۔ امور عادیہ سے نہیں ہوتی۔

سوال: کسی نے حلف اٹھایا کہ میں زید سے کلام نہیں کروں گا یا کپڑا نہیں پہناؤں گا یا اسے نہیں پیٹوں گا۔ اگر اس سے یہ افعال زید کی موت کے بعد صادر ہوئے تو حانث نہ ہوگا۔ کیونکہ میت میں حس نہیں، نہ سنتا ہے نہ مارنے سے متالم ہوتا ہے۔

الجواب: ایمان کی بنیاد عرف پر ہے عرف میں کلام کرنا، مارنا وغیرہ افعال حیات حالی سے مقید ہے مثلاً زید مرگیا، اس کی میراث تقسیم ہوگئی۔ بیوی دوسری جگہ نکاح کرگئی۔ پھر کسی نبی کے معجزہ یا ولی کی کرامت سے زندہ ہوا تو اسے نہ عورت ملے گی نہ میراث۔ کیونکہ اس کا تعلق سابقہ حیات سے تھا۔ یا مثلاً ایک کافر مرگیا، کسی نبی کے معجزہ سے زندہ ہوا، اب اگر ایمان لائے تو قبول نہ ہوگا۔ کیونکہ کفر و ایمان کا تعلق حیات سابقہ سے تھا۔ اسی طرح اس حلف کا تعلق بھی حیات معروف سے ہے۔ اس سے یہ ثابت کرنا کہ میت سنتا نہیں یا متالم نہیں ہوتا حماقت ہے۔ پھر اس استدلال کو آئمہ کرام سے منسوب کرنا ان پر بہتان ہے۔

واما ائمتنا فهم بريئون عن انكار هذا الامور وانما حكموا في الحلف بالضرب والكلام والدخول عليه ونحوها بعدم الحنث عند وجود هذه الاشياء بالميت لكون الايمان مبنية على العرف والعرف قاض ان هذه الامور يراد بها ارتباطها مادام الحياة لا بعد الموت في الكلام بالميت وان كان كلاما حقيقة ويوجد فيه الاسماع والافهام لكن العرف يحكم بان المراد بقوله لا اكلمك هو الكلام حالة حياته وكذا الايلام وان كان يتحقق في الميت لكن العرف قاض على ان المراد في قوله لا اضربك هو ضربه

جہاں تک ہمارے آئمہ کرام کا تعلق ہے وہ ان امور کے انکار سے بری ہیں۔ انہوں نے میت کو مارنے، اس سے کلام کرنے وغیرہ افعال کی صورت میں حانث نہ ہونے کا فیصلہ کیا ہے۔ کیونکہ ایمان کی بنا عرف پر ہے۔ اور عرف پر ہی ان امور کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ اس سے مراد حالی زندگی میں لی جاتی ہے نہ کہ بعد موت۔ اور میت سے جو کلام کی جائے اگر چہ وہ کلام حقیقی ہوتی ہے اور اس میں اسماع و افہام پایا جاتا ہے لیکن عرف کی رو سے اس کے قول کا تعلق کہ میں کلام نہیں کروں گا۔ حالت حیات سے ہے اور یہی صورت ایلام کے بارے میں ہے خواہ اس کا تعلق میت میں ہو جائے لیکن عرف کا فیصلہ یہ ہے کہ اس

سوال: حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت عائشہؓ سماع موتی کا انکار فرماتے ہیں آخر کیوں؟

الجواب: فاروق اعظمؓ کے مبینہ انکار کی بنیاد جس روایت پر رکھی گئی ہے، اس کی حقیقت ملاحظہ ہو۔

وكان اذا ظهر على قوم اقام بالعرصة ثلث ليال. فلما كان ببدر اليوم الثالث امر براحلته فشد عليها رحلها ثم مشى واتبعه اصحابه حتى قام على شفة الركي فجعل يناديهم باسمائهم .... فقال عمر يا رسول الله ﷺ ماتكلم من اجساد لا ارواح لها قال النبي ﷺ والذي نفس محمد بيده ما انتم باسمع لما اقول منهم. (مشكوة باب حكم الاسراء ۳۴۵)

حضور کی عادت مبارک یہ تھی کہ جب کسی قوم پر فتح پاتے تو تین دن رات وہاں قیام فرماتے۔ جب بدر میں تیسرا دن آیا تو سواری کا حکم دیا۔ اس پر پالان رکھا گیا۔ پھر آپ ﷺ بدر کے گڑھے کی طرف چلے گئے اور اس کنوئیں کے کنارے کھڑے ہوئے جس میں صنادید قریش کی لاشیں پڑی تھیں پھر ان کا نام لے لے کر پکارنے لگے ..... پس حضرت عمرؓ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ آپ ان اجساد سے کیسے کلام فرمارہے ہیں جن میں ارواح نہیں تو حضور ﷺ نے جواب دیا۔ قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی جان ہے تم ان سے زیادہ نہیں سن سکتے.... الخ

فائدہ: اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا سوال انکار پر مبنی نہیں تھا بلکہ دریافت مسئلہ کے لئے تھا۔ جب حضور اکرم ﷺ کا جواب سنا کہ تم ان سے زیادہ نہیں سنتے تو کیا عمر فاروقؓ جیسے شخص کے انکار کی کوئی گنجائش باقی رہتی ہے۔ اس کے بعد انکار تو کیا حضرت عمرؓ کے تعجب ہی کی کوئی دلیل پیش کیجئے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تعجب اس بات پر تھا کہ ان کو مرے ہوئے تین دن گزر گئے ہیں۔ نکیرین کے سوال و جواب کا وقت تو گزر چکا تو کیا اب بھی یہ لوگ سنتے ہیں؟ اس امر کی شہادت دوسری روایات سے ملتی ہے۔

عن ابي هريرة ان امرأة سوداء كانت تقم المسجد ففقدها رسول الله ﷺ فسئل

ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ایک سیاہ رنگ کی عورت مسجد میں جھاڑو دیتی تھی۔ حضور ﷺ نے

عنها بعد ایام فقیل له انها ماتت. (الترغیب: ۱۹۶)

ایک روز اسے نہ پایا۔ چند روز کے بعد اس کے متعلق پوچھا تو بتایا گیا کہ وہ مر چکی ہے۔

دوسری روایت عبداللہ ابن مرزوق سے:۔

فمر علیٰ قبرها فقال ما هذا القبر فقالوا ام محجن قال التی تقم المسجد قالوا نعم وصف الناس فصلی علیها ثم قال ای العمل وجدت افضل قالوا یا رسول اللہ ﷺ اتسمع؟ فقال ما انتم باسمع منها فذکر انها اجابته تقم المسجد. (الترغیب ۱:۱۹۷).

ابن مرزوق کی روایت ہے کہ حضور ﷺ اس کی قبر کے پاس سے گزرے، پوچھا یہ کس کی قبر ہے۔ عرض کیا ام محجن کی فرمایا جو مسجد میں جھاڑو دیتی تھی۔ عرض کی جی ہاں پھر صف باندھی گئی۔ نماز جنازہ پڑھی پھر ام محجن سے سوال کیا تم نے کونسا عمل افضل پایا۔ صحابہ نے عرض کی۔ یارسول اللہ ﷺ کیا یہ آپ کی آواز سن رہی ہے؟ فرمایا تم اس سے زیادہ نہیں سن سکتے۔ پھر عورت نے جواب دیا۔ مسجد میں جھاڑو دینے کے عمل کو افضل پایا۔

فائدہ: ان احادیث سے دوام سماع کا ثبوت ملتا ہے (اگر اللہ تعالیٰ چاہے) ام محجن سے حضور اکرم ﷺ نے کئی دنوں کے بعد پوچھا کہ تو نے کس عمل کو افضل پایا تو اس نے جواب دیا۔ معلوم ہوا کہ میت سے سوال و جواب کے لئے وقت کی قید جو منکرین سماع موتی پیش کرتے ہیں غلط ہے۔

مشکوٰۃ اور الترغیب کی روایات ملانے سے یہ معلوم ہوا کہ سماع موتی کا ثبوت حضور اکرم ﷺ سے ایک صورت میں تین دن بعد اور دوسری صورت میں کئی دن بعد ثابت ہے۔ یہ ہے حضرت عمرؓ کے مبینہ انکار سماع موتی کی حقیقت اور بس۔

رہا حضرت عائشہؓ کے انکار کا سوال تو ان کی زبانی ایک روایت ملاحظہ ہو:۔

قالت قال رسول اللہ ﷺ ما من رجل یزور قبر اخیه ویجلس عنده الا استانس به ورد علیه. (تفسیر ابن کثیر ۳:۳۴۷)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے بھائی کی قبر کی زیارت کرے اور قبر کے پاس بیٹھے تو وہ میت اس سے مانوس ہوتا اور سلام کا جواب دیتا ہے۔

یہ حدیث سماع موتی کے حق میں واضح ہے مگر منکرین اس پر جرح کرتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے لیکن جب اس کی شواہد مرفوع حدیثیں موجود ہیں تو یہ قوی ہوگئی جیسا:۔

عن ابن عباس مرفوعا ما من احد یمر بقبر اخیه المسلم کان یعرفه فی الدنیا فیسلم علیه الا رد اللہ علیه روحه حتیٰ یرد علیه السلام رواه ابن عبدالبر مصححا له عن ابن عباس وعن ابی هریرة قال اذا مر الرجل بقبر یعرفه فسلم علیه رد علیه السلام. (تفسیر ابن کثیر ۳:۲۸۳)

ابن عباس سے صحت کے ساتھ مرفوعاً مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص جو اپنے اس مسلمان بھائی کی قبر سے گزرے جو اسے دنیا میں پہچانتا تھا اور اسے سلام کہے تو اللہ تعالیٰ میت کی روح کو لوٹا دیتا ہے اور وہ اسے سلام کا جواب دیتا ہے اور حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی آدمی کسی ایسے آدمی کی قبر سے گزرے جسے وہ پہچانتا ہو اور وہ سلام کہے تو میت اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

ثم قال هذا باب فیه آثار کثیرة من الصحابة. (تفسیر ابن کثیر ۳:۴۳۹)

پھر ابن کثیر نے فرمایا کہ سماع میت کے بارے میں صحابہؓ کے بہت سے آثار منقول ہیں۔

کتب فقہ میں عدم سماع کا ذکر باب یمین میں ہے۔ اور یہ مشائخ کا اپنا استخراج ہے۔ ورنہ امام ابوحنیفہؒ امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ سے کوئی روایت عدم سماع کی نہیں۔ شرح وقایہ کے حاشیہ پر ترجمان حنفیت مولانا عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں۔

وبالجملة لم یدل دلیل قوی علیٰ نفی سماع المیت وادراکه وفهمه وقالمه لا من الکتاب ولا من السنة بل السنة الصحیحة الصریحة دالة علیٰ ثبوتها له والحق فی هذا المقام ان هذ کله من تقریرات المشائخ وتوجیهاتهم وتکلفاتهم ولا عبرة بها حین مخالفتها للاحادیث الصحیحة وآثار الصحابة الصریحة. (شرح وقایه ۲۵۳)

حاصل کلام یہ ہے کہ کوئی دلیل قوی، نفی، سماع میت پر یا نفی ادراک میت یا نفی فہم میت پر یا میت کے متالم نہ ہونے پر نہ قرآن کریم سے ثابت ہے نہ حدیث نبوی ﷺ سے بلکہ احادیث صحیحہ تو سماع موتی کے ثبوت پر دال ہیں اور حق یہ ہے عدم سماع کی تمام تقریریں مشائخ کی ہیں انہیں کی توجیہات اور انہی کے تکلفات بارد ہیں۔ ان تقریرات کا کوئی اعتبار نہ ہوگا جب وہ احادیث صحیحہ اور صریح آثار صحابہؓ کے خلاف ہیں۔

فوائد:

(۱) قرآن مجید میں کوئی آیت موجود نہیں جس کا مدلول عدم سماع میت ہو۔

(۲) جو آیات قرآنی عدم سماع کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہیں وہ تاویلات باطلہ کے ارتکاب کے سوا کچھ نہیں۔ ورنہ لازم آئے گا کہ حضور اکرم ﷺ کا عقیدہ اور صحابہ کرام کا عقیدہ خلاف قرآن تھا۔ العیاذ باللہ

(۳) حضرت عزیرؑ اور اصحاب کہف کے واقعہ سے عدم سماع ثابت کرنا اسی قسم کی غلطی ہے۔ حالانکہ ان میں علم کی نفی مقصود ہے سماع کی نفی مراد نہیں اور عدم علم عدم سماع کو مستلزم نہیں۔ باقی جس قدر آیات قرآنی اس سلسلے میں پیش کی جاتی ہیں ان کا مدلول عدم سماع نہیں بلکہ عدم مختاریت اور عدم الوہیت ہے۔ کفار چونکہ آلہ باطلہ کو مختار کل اور مختار بالذات سمجھتے تھے اسلئے مختاریت کی نفی کی گئی ہے۔

(۴) ان احادیث اور آثار صحابہ سے ظاہر ہے کہ صحابہ کا عقیدہ سماع موتی کے حق میں تھا۔ جمہور علماء کا بھی یہی عقیدہ تھا جیسا کہ فتح الباری کے حوالہ سے بیان کیا جا چکا ہے۔ فقہ کے آئمہ اربعہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ مولانا عبدالحی لکھنوی کی رائے اس سلسلہ میں قول فیصل کی حیثیت رکھتی ہے۔

تنبیہ:۔ یہ امر خصوصیت سے پیش نظر رہے کہ سماع موتی سے مراد اہل قبور اور اولیاء اللہ کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنا نہیں بلکہ اس سے مراد وہی ہے جو احادیث میں بیان کی گئی ہے۔ ورنہ ندائے غائبانہ تو شرک ہے اور قبور کو سجدہ کرنا حرام ہے۔ فاعل مختار صرف اللہ کی ذات ہے۔ انبیاء اور اولیاء سب اس کے محتاج ہیں۔

چوتھا اعتراض

روح سے اکتساب فیض ممکن نہیں

یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ جو معارف اور کمالات علمی انسان نے دنیا میں حاصل کیے۔ وہ بدن کی مفارقت کے بعد روح سے سلب نہیں کئے جاتے۔ بلکہ برزخ میں جا کر دنیا کے مقابلے میں زیادہ واضح اور وسیع ہو جاتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا دنیا کا کوئی انسان برزخ میں ارواح سے ملاقات کر سکتا ہے اور ان سے اخذ فیض کر سکتا ہے یا نہیں۔

حضور اکرم ﷺ کی ارواح انبیاء سے ملاقات

واقعہ معراج کے سلسلے میں حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں۔

ثم لقی ارواح الانبیاء فاثنو اعلیٰ ربھم۔ (تفسیر ابن کثیر ۳:۱۸)

پھر حضور اکرم ﷺ نے انبیاء کے ارواح سے ملاقات کی اور ان ارواح نے اللہ تعالیٰ کی صفت وثناء کی۔

حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ:۔

قال لقیت لیلۃ اسریٰ بی ابراھیم وموسیٰ علیھم السلام فتذاکروا امر الساعۃ فردوا امرھم الیٰ ابراھیم فقال لا علم لی بھا ثم الیٰ موسیٰ فقال لا علم لی بھا۔ ثم الیٰ عیسیٰ..... الخ۔ (تفسیر ابن کثیر ۳:۱۶)

حضور ﷺ نے فرمایا میں معراج کی رات حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام سے ملا۔ آپس میں قیامت کے متعلق گفتگو ہوئی۔ سب نے حضرت ابراہیمؑ کی طرف اشارہ کیا۔ پھر حضرت موسیٰ پھر حضرت عیسیٰؑ کی طرف۔ مگر سب حضرات نے فرمایا ہمیں قیامت کے متعلق کوئی علم نہیں۔

روح سے کسب فیض

فمررت علیٰ موسیٰ فقال بما امرت قلت امرت بخمسین صلوٰۃ کل یوم قال ان امتک لا تستطیع بخمسین صلوٰۃ کل یوم وانی واللہ قد جربت الناس قبلک وعالجت بنی اسرائیل اشد المعالجۃ فارجع الیٰ ربک فسئلہ التخفیف لامتک۔ (مشکوٰۃ باب المعراج: ۵۲۸)

حضور ﷺ نے فرمایا میرا گذر حضرت موسیٰؑ پر ہوا۔ انہوں نے پوچھا آپ کو کس چیز کا حکم ہوا۔ میں نے کہا دن رات میں پچاس نمازوں کا۔ انہوں نے فرمایا آپ کی امت پچاس نمازوں کی طاقت نہیں رکھتی۔ میں نے آپ ﷺ سے پہلے لوگوں کا بڑا تجربہ کیا اور بنی اسرائیل کی اصلاح میں ...... نہایت درجے کی کوشش کی۔ پس آپ اپنے رب کے پاس لوٹ جائیں اور تخفیف کی درخواست کریں۔

فائدہ: حضرت موسیٰؑ کے مشورہ سے حضور ﷺ بار بار لوٹ کر جاتے رہے حتیٰ کہ پانچ نمازیں رہ گئیں۔

لقیت ابراھیم لیلۃ اسریٰ بی فقال یا محمد اقرأ امتک منی السلام واخبرھم ان الجنۃ طیبۃ التربۃ وعذبۃ الماء وانھا قیعان وان غراسھا سبحان اللہ والحمد للہ

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ معراج کی رات میری ملاقات حضرت ابراہیمؑ سے ہوئی۔ آپ نے فرمایا اپنی امت کو میرا سلام پہنچائیں۔ اور انہیں بتائیں کہ جنت پاک صاف مٹی ہے۔ پانی میٹھا ہے۔ صاف میدان ہے۔ اس میں باغ لگانے والے یہ کلمات ہیں۔

ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر. (مشکوٰۃ: ۲۰۲)

سبحان اللہ.........الخ

فائدہ: ان روایات سے ثابت ہوا کہ حضور ﷺ نے ارواح انبیاء سے ملاقات کی۔ ان کے پیغامات سنے اور ان کے مشورہ پر عمل کر کے امت کے حق میں تخفیف کرائی۔

یہ اصول پیش نظر رہے کہ جو کام حضور اکرم ﷺ نے کیا یا فرمایا، یا انکار نہیں کیا۔ یا جو کام کسی نے آپ ﷺ کے سامنے کیا اور آپ ﷺ نے پسند فرمایا۔ یا آپ ﷺ نے کسی کام کا اشارہ فرمایا، یا سوچا، یا قصد فعل کیا، یہ سب اقسام حدیث ہیں اور امت رسول کریم ﷺ کے ساتھ ہر فعل میں شریک ہے۔ جب تک تخصیص کی کوئی دلیل قائم نہ ہو جائے۔

حضور اکرم ﷺ کے ایک فعل کی تفصیل تو ہم نے بیان کر دی اب امت میں اس کی مثالیں دیکھئے۔

روح سے اجرائے فیض

حرہ کی جنگ کے سلسلے میں سعید بن عبدالعزیز کی زبانی حضرت سعید بن المسیب کا واقعہ سنیے۔

قال لما کان ایام الحرۃ لم یوذن فی مسجد النبی ﷺ ثلاثا ولم یقم. ولم یبرح سعید بن المسیب المسجد وکان لا یعرف وقت الصلوٰۃ الا بھم ومۃ یسمعھا من قبر النبی ﷺ. مشکوٰۃ: ۵۴۵)

فرمایا۔ ایام حرہ میں تین دن تک مسجد نبوی ﷺ میں نہ اذان ہوئی نہ اقامت۔ اور سعید بن المسیب برابر مسجد نبوی ہی میں رہے۔ اور انہیں نماز کے وقت کا علم صرف اس آواز سے ہوتا تھا جو نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک سے سنائی دیتی تھی۔

روح سے اخذ فیض کے متعلق علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔

وقال لا یدخل فی ھذا الباب ما یروی من ان قوما سمعوا رد السلام من قبر النبی ﷺ او قبور غیرہ من الصالحین وان سعید بن المسیب کان یسمع الاذان من القبر لیالی الحرۃ ونحو ذلک وھذا کلہ حق لیس مما نحن فیہ والامر اجل من ذلک واعظم وکذلک ایضا ما یروی ان رجل جاء الی القبر النبی ﷺ. فشکا الیہ الجداب عام الرماوۃ فراٰہ وھو یامرہ ان یاتی عمر فیامرہ ان یخرج لیستسقی بالناس فان ھذا لیس من ھذا الباب ومثل ھذا یقع کثیرا لمن ھو دون النبی ﷺ او لغیرہ من امتہ. (اقتضائے صراط مستقیم)

فرمایا شرک و بدعت میں یہ چیز داخل نہیں جو روایت کی گئی ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول کریم ﷺ کی قبر سے سلام کا جواب سنا۔ اور باقی اولیاء اللہ کی قبروں سے بھی سنا۔ اور یہ کہ سعیدؒ بن المسیب نے ایام حرہ میں حضور اکرم ﷺ کی قبر سے تین دن آذان کی آواز سنی۔ اس قسم کے تمام واقعات حق ہیں۔ مگر میری بحث ان واقعات سے نہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ان سے بڑے بڑے واقعات بھی ہوئے ہیں جیسے روایت ہے کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کے پاس آیا اور عام رماد کی قحط سالی کی شکایت کی۔ اس نے حضور کو دیکھا کہ آپ اسے حکم دے رہے ہیں کہ عمرؓ کے پاس جائے اور کہو کہ نماز استسقاء پڑھائیں۔ یہ واقعات شرک و بدعت کے باب سے نہیں ہیں۔ اس قسم کے کثیر واقعات نبی اکرم ﷺ کے علاوہ آپ ﷺ کی امت کے بزرگان دین سے بھی ثابت ہیں

یہ قحط سالی کا واقعہ فتح الباری میں ابن ابی شیبہ کی روایت سے باسناد صحیح مرقوم ہے۔ (فتح الباری، بخاری ۲: ۳۳۸)

فائدہ: ان احادیث سے روح کا نظر آنا، کلام کرنا، روح کو علم ہونا، حالات یاد ہونا، زندہ کو سلام بھیجنا روح سے استفادہ ثابت ہوا۔ نبی کریم ﷺ نے ارواح انبیاء سے استفادہ کیا۔ قحط کی شکایت کرنے والے نے بیداری میں حضور اکرم ﷺ کی زیارت کی۔ کلام سنی۔ حضرت عمرؓ کو پیغام دیا۔ سعید بن المسیب نے بیداری میں آذان کی آواز سنی۔

یہ ہیں روح سے کسب فیض کے سمعی دلائل۔ یہ ہے سنت رسول ﷺ جسے مسلمان بھول چکے ہیں۔ آج اس مردہ سنت کو جو شخص زندہ کرے گا وہ سو شہیدوں کا ثواب حاصل کرے گا۔ افسوس ہے ان علماء سوء پر جو تصوف و سلوک کو بدعت کہتے ہیں۔ سلوک اور باطنی فیض حاصل کئے بغیر یہ سنت زندہ نہیں ہو سکتی۔

جہاں تک ذوقی دلائل کا تعلق ہے صوفیہ کاملین اور محققین علمائے ظواہر اس پر متفق ہیں خواص امت کو روح سے فیض ملتا ہے۔ رہا یہ سوال کہ کیسے ملتا ہے تو اس حقیقت کا سمجھ میں آنا عارفین کاملین کا دامن پکڑے بغیر محال ہے۔ اس کا تعلق ظاہری علم سے نہیں کہ کتابوں سے پڑھ کر آدمی روح سے اخذ فیض کا طریقہ سیکھ لے۔ اس شعبہ میں آکر ایک عام جاہل آدمی اور عالم ظاہر بین میں کوئی فرق نہیں فرشتے بڑی مقدس ہستیاں ہیں مگر شادی کی کیفیت اور شہد کی لذت سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اس لئے من ذاق ذاق ومن وجد وجد۔ سو روح سے اکتساب فیض کا طریقہ یہی ہے کہ کسی کامل کی شاگردی اختیار کرو۔ رضائے الٰہی مقصد رکھو۔ ذکر الٰہی میں مشغول ہو جاؤ۔ یہ نشانات راہ نظر آ جائیں گے۔

پہلے بیان کر چکا ہوں کہ آدمی رضائے الٰہی کو مقصد بنا کر اور طلب صادق لے کر ہمارے سلسلہ میں آجائے تو انشاء اللہ تعالیٰ چھ ماہ کے عرصہ میں روح سے کلام بھی کرے گا۔ روح کو دیکھ بھی لے گا۔ حتیٰ کہ یہ بھی دیکھ لے گا۔ روح علیین میں ہو اور بدن صحیح ہو تو روح کا تعلق بدن سے کس طرح ہوتا ہے اور اگر بدن صحیح نہ ہو تو ذرات جسم کے ساتھ روح کا تعلق کیسے ہوتا ہے اور یہ بھی دیکھ لے گا کہ نبی کریم ﷺ کی روح مبارک کا تعلق آپ ﷺ کے جسم اقدس سے جس صورت میں ہے، اس کی کیفیت کیا ہے اور آپ ﷺ قبر مبارک میں کس کیفیت سے زندہ ہیں۔ بلکہ یہ بھی دیکھ لے گا کہ حضور ﷺ کے سینہ مبارک سے انوار کی بارش کس طرح ہوتی ہے۔ اور ان انوار کی تاریں کس طرح مسلمانوں کے قلوب تک پہنچتی ہیں۔ اور یہ فیض کی تاریں کس طرح مومنوں کے ایمان کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔

میں جانتا ہوں کہ میری ان باتوں سے بعض لوگوں کو سخت تکلیف ہوگی۔ مگر یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ ہر زمانے میں ایسا ہوتا رہا ہے۔ مگر میری غرض اظہار حق ہے۔ اور تصوف و سلوک اسلامی کو حقیقی رنگ میں پیش کرنا ہے جسے دنیا پرست دکان داروں نے ایسا مسخ کر دیا ہے کہ اس کا پہچاننا مشکل ہو گیا ہے۔ آنے والی نسلیں انشاء اللہ تعالیٰ اس سے ضرور فائدہ اٹھائیں گی۔

پانچواں اعتراض

اگر صوفیہ عارفین رسول کریم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں تو صحابی ہوئے۔ اور حضور اکرم ﷺ سے کلام کرتے ہیں تو حضور اکرم ﷺ سے جو کلام سنتے ہیں وہ حدیث ہوئی۔ پھر صحابہؓ اور ان صوفیاء میں کیا فرق ہوا۔ اور حدیث نبوی ﷺ میں اور ان سے کلام کے سلسلے میں حضور ﷺ کے فرمان میں کیا فرق ہوا؟

الجواب: صحابی ہونے کی شرط

صحابی ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں اول حیات جسمانی اور مکلف ہونا یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ فرائض ادا کرنا اور احکام شرع کی پابندی کرنا۔ دوم اسی عالم آب و گل میں صحبت کا شرف حاصل ہونا۔

ولا یلزم من ذلک ان الرائی صحابی لان الشرط الرویۃ فی عالم الملک لا فی عالم الملکوت (فتاویٰ الحدیثیہ: ۲۰۶)

اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دیکھنے والا صحابی بن جائے کیونکہ رویت کی شرط اسی عالم آب و گل کے ساتھ مختص ہے عالم ملکوت سے نہیں۔

صوفیہ کرام کی رویت میں یہ دونوں شرطیں مفقود ہیں۔ انہیں یہ شرف صحبت عالم برزخ میں روحانی طور پر حاصل ہوتا ہے۔ جہاں روح کا تعلق بدن سے تو ہے مگر تدبیر و تصرف کا تعلق نہیں پس صحابی ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

حدیث کی حقیقت

جو کلام رسول اکرم ﷺ نے تلقی روحانی سے اخذ کیا ہو اور جسم مادی کی زبان سے بیان فرمایا ہو وہ حدیث ہے۔ پس صوفیہ کے روحانی کلام پر حدیث کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ البتہ حضور اکرم ﷺ سے صحیح حدیث کی تصدیق کرائی جا سکتی ہے۔ اور اس کی مثال موجود ہے۔ مشکوٰۃ میں ایک واقعہ آتا ہے کہ ابی عیاش صحابی نے لا الہ الا اللہ واللہ اکبر کے فضائل بیان کئے تو رات کو ایک صحابی نے حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا اور اس کی تصدیق کرائی۔

فرای رجل رسول اللہ ﷺ فیما یری النائم فقال یا رسول اللہ ان ابا عیاش یحدث عنک کذا وکذا قال صدق ابو عیاش. (مشکوٰۃ: ۲۱۰)

ایک شخص نے خواب میں حضور اکرم ﷺ کو دیکھا اور عرض کیا حضور! ابو عیاش کلمہ لا الہ الا اللہ..... الخ کا ثواب اس طرح بیان کرتا ہے حضور ﷺ نے فرمایا اس نے سچ کہا۔

فائدہ: خواب میں تصدیق شدہ حدیث کو کتب حدیث میں داخل کیا گیا ہے۔ مگر یہ تصدیق اس حدیث کی تھی جو آپ دنیا میں بیان فرما آئے تھے۔ اس تصدیق سے مزید تاکید اور تائید ہوگی۔ برزخی حدیث سے کوئی نیا حکم ثابت نہ ہوگا۔ سابقہ احکام کی تائید و تصدیق ہو سکتی ہے اور صوفیہ بھی یہی کرتے ہیں اور بیداری کے عالم میں تصدیق کرا لیتے ہیں۔

صوفیہ کرام میں جو اصحاب کشف ہوتے ہیں وہ صحیح حدیث کی پہچان ایک اور طریقہ سے بھی کر لیتے ہیں۔ وہ یوں کہ صحیح حدیث جب پڑھی جائے تو اس کے ساتھ انوار ہوتے ہیں اور موضوع حدیث کے ساتھ ظلمت نکلتی ہے۔ اور اہل کشف کو وہ انوار اور ظلمت نظر آتے ہیں۔ اس طرح صوفیہ کرام کسی حدیث کی صحت و عدم صحت میں تمیز کر سکتے ہیں۔

چھٹا اعتراض

خلافت راشدہ کے دور میں انتخاب خلیفہ کے بارے میں صحابہؓ کا اختلاف ہوتا رہا۔ پھر جنگ جمل اور صفین میں فتنوں کے دروازے کھلے تو صحابہؓ نے حضور اکرم ﷺ کی روح پر فتوح سے دریافت کر کے یہ مسائل کیوں نہ حل کرالئے؟ نیز صحابہ سے اس قسم کے واقعات منقول نہیں تو جو چیز صحابہؓ کو حاصل نہیں تھی وہ صوفیہ کو کیونکر حاصل ہوگئی؟

الجواب۔ اس اعتراض کے دو حصے ہیں۔ پہلے ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ صحابہؓ نے یہ مسائل کیوں نہ حل کرالئے۔

خلافت راشدہ کے دور میں انتخاب خلیفہ کے بارے میں صحابہؓ کا اختلاف ہوتا رہا۔ پھر جنگ جمل اور صفین میں فتنوں کے دروازے کھلے تو صحابہؓ نے حضور اکرم ﷺ کی روح پر فتوح سے دریافت کر کے یہ مسائل کیوں نہ حل کرالئے؟ نیز صحابہ سے اس قسم کے واقعات منقول نہیں تو جو چیز صحابہؓ کو حاصل نہیں تھی وہ صوفیہ کو کیونکر حاصل ہوگئی؟

الجواب۔ اس اعتراض کے دو حصے ہیں۔ پہلے ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ صحابہؓ نے یہ مسائل کیوں نہ حل کرالئے۔

قران کرم نے مسئلہ خلافت بیان فرمایا۔ خلفاء کے اوصاف بھی بیان فرمائے مگر خلیفہ کی تعیین نہیں فرمائی۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے خلافت کے متعلق کئی باتیں بطور پیشین گوئی بیان فرمائیں۔ خلفاء کے اوصاف بیان فرمائے مگر خلفاء کے نام نہیں گنوائے۔ اسی طرح آنے والے فتنوں کے متعلق حضور ﷺ بیان فرمایا۔ دجالوں، کذابوں اور مدعیان نبوت کا ذکر فرمایا مگر کسی کا نام نہیں لیا۔ یعنی حضور ﷺ نے اپنی اس دنیا کی زندگی میں خلافت کا مسئلہ نہ حل فرمایا نہ صحابہؓ نے اس کا حل دریافت کیا نہ آنے والے فتنوں کا حل صاف صاف آپ ﷺ نے فرمایا نہ صحابہؓ نے دریافت کیا۔ اب فرمایئے کہ جو مسئلہ اس کی اہمیت کے باوجود حیات نبوی ﷺ میں صحابہؓ نے حل نہ کرایا بعد وفات اس کے متعلق استفسار کیا معنی رکھتا ہے؟

اب اس کی حقیقت سمجھیں۔ عین حیات میں ان مسائل کے حل نہ بتانے کی وجہ یہ ہے کہ واقعات قبل از وقوع حل نہیں کئے جاتے۔ خلیفہ کا مقرر کرنا امت کا اپنا فرض ہے۔ تقاضائے وقت کے مطابق فتنوں کا بند کرنا بھی ان کا اپنا فرض ہے۔ ہاں حل کے طریقے خود اللہ تعالیٰ نے اور رسول کریم ﷺ نے بتا دیئے مسلمان اس امر کے مکلف ہیں کہ اپنے اختیار اور صلاحیتوں کو ان طریقوں کے مطابق کام میں لائیں جو خدا اور رسول ﷺ نے بتا دیئے ہیں۔ اس اعتراض کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ صحابہؓ سے اس قسم کے کشف کے واقعات منقول نہیں تو اس کا جواب سنیئے۔

۱۔ امام رازیؒ نے صدیق اکبرؓ کے دفن کا واقعہ تفصیل سے لکھا ہے۔ جب تجہیز و تکفین سے فارغ ہوئے تو صحابہؓ نے چارپائی اٹھائی اور اس حجرہ کے دروازہ

لما حمل جنازته الیٰ باب قبر النبی ﷺ ونودی السلام علیک یا رسول اللہ ھذا ابو بکر بالباب. فاذا الباب قد انفتح ونادا بھا تف یھتف من القبر ادخلوا الحبیب الی الحبیب. (تفسیر کبیر ۵: ۴۶۵)

جب حضرت ابوبکرؓ کا جنازہ اٹھا کر قبر النبی ﷺ کے دروازے کے سامنے رکھا گیا اور آواز دی گئی۔ السلام علیک یا رسول اللہ۔ یہ ابوبکر دروازہ پر ہے۔ اچانک دروازہ کھل گیا اور قبر کے اندر سے آواز آئی۔ حبیب کو حبیب کے پاس لاؤ۔

فائدہ:

۱۔ جوار رسول ﷺ کے موضوع پر شیعہ کے جواب میں مکمل بحث "رسالہ الفاروق" میں آچکی ہے۔ ایک درجن کتابوں کے حوالوں سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ صدیق اکبرؓ روضہ رسول ﷺ میں حضور کی اجازت سے دفن کئے گئے۔ اس وقت ہزاروں صحابہ کرامؓ موجود تھے جنہوں نے یہ آواز سنی۔

۲۔ فاروق اعظمؓ کے متعلق ابن کثیرؒ اور ابن حجرؒ نے ایک روایت بیان کی ہے کہ ایک جوان مسجد نبوی ﷺ میں رہتا تھا۔ وہ فوت ہوگیا۔ چند روز کے بعد حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا۔ آپ نے اس کے باپ سے تعزیت کی اور اس کی قبر پر گئے۔

فذھب فصلی علیٰ قبرہ بمن معہ ثم ناداہ عمرؓ فقال یا فتیٰ لمن خاف مقام ربہ جنتان. فاجابہ الفتیٰ من داخل القبر یا عمرؓ اعطانیھا ربی عز و جل فی الجنۃ مرتین. (تفسیر ابن کثیر ۲: ۲۷۹ اور الزواجر عن الکبائر ۱: ۱۹)

پس فاروق اعظمؓ اس کی قبر پر گئے۔ ساتھیوں کے ہمراہ جنازہ پڑھا۔ پھر اس جوان کو مخاطب کر کے آیت ولمن خاف.....الخ پڑھی تو جوان نے قبر کے اندر سے جواب دیا۔ اے عمرؓ! میرے رب نے مجھے جنت میں وہ نعمت مجھے دوبار عطا فرمائی۔

۳۔ حضرت سعید بن المسیب کا واقعہ بیان ہو چکا ہے۔ آپ نے تین دن تک مسلسل مسجد نبوی ﷺ میں قیام رکھا۔ اور حضور اکرم ﷺ کی قبر مبارک سے اذان کی آواز سنکر نماز کا وقت پہچانتے اور نماز ادا کرتے رہے۔

۴۔ ایک ایسے شخص کا واقعہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ جو حضور اکرم ﷺ کی قبر مبارک پر آیا قحط سالی کی شکایت کی۔ حضور ﷺ کا جواب سنا۔ حضرت عمرؓ کو پیغام پہنچایا۔

۵. عن ابن عباس قال ضرب بعض اصحاب النبی ﷺ خبائہ علیٰ قبر وھو لا

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے کسی صحابیؓ نے قبر پر خیمہ لگایا۔ اسے قبر کا کوئی خیال نہ تھا۔

یحسب انه قبر فاذا فیه انسان اچانک کیا دیکھتا ہے کہ انسان قبر میں یقرأ سورۃ تبارک سورہ تبارک الذی پڑھ رہا ہے۔ الذی. (مشکوٰۃ ۱۸۷. کتاب فضائل القرآن)

ان پانچ روایات کو غور سے پڑھیں۔ صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ، سعید ابن المسیب، ایک مرد اور "کسی صحابیؓ" کے کلام بالا رواح کے نمونے پیش کئے ہیں۔ صدیق اکبرؓ کے واقعہ میں تو سننے والے ہزاروں صحابیؓ تھے جنہوں نے روح کی کلام "ادخلوا الحبیب الی الحبیب" سنی۔ اور فاروق اعظمؓ کے ساتھ ایک جماعت تھی جنہوں نے اس جوان کا جواب سنا جس نے قبر کے اندر سے حضرت عمرؓ کا نام لے کر خطاب کیا اور جواب دیا۔ کیا اب بھی شبہ ہے کہ صحابہؓ کو کلام بالا رواح نہیں ہوتی تھی؟

قصد رسول ﷺ اور کشف قبور

حضرت عائشہؓ نے مشرکین کی اولاد کے متعلق سوال کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا۔

ان شئت اسمعتک تضاغیهم فی النار. (ابن کثیر ۳: ۳۱)

اگر تو چاہتی ہے تو میں ان کی آوازیں دوزخ سے تمہیں سنا دیتا ہوں۔ نیز مشکوٰۃ میں حضرت زید بن ثابت کی روایت موجود ہے کہ

فلولا ان لا تدافنوا لدعوت الله تعالیٰ ان تسمعکم من عذاب القبر الذی اسمع منه.

اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ تم دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں دعا کرتا اور اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب قبر سنا دیتا جو میں سنتا ہوں۔

ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ اگر حضرت عائشہؓ چاہتیں تو دعائے نبوی ﷺ سے بلا کسب کشف ہو جاتا اور اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ صحابہ دفن کرنا چھوڑ دیں تو دعائے نبوی ﷺ سے ہر صحابی کو کسب کے بغیر کشف ہو جاتا۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ قصد رسول ﷺ بھی سنت ہے۔ یہاں سے ثابت ہوا کہ حضور ﷺ نے قصد تو فرمایا۔ پس اس سنت رسول کو زندہ کرنا عین اتباع سنت ہے۔

مدرسہ محمدیہ ﷺ

حضور اکرم ﷺ کی ذات جامع علوم اور جامع کمالات تھی۔ آپ ﷺ کی خدمت میں اکتساب فیض کے لئے مختلف طبائع، مختلف ذہنی صلاحیتوں اور مختلف عملی قوتوں کے لوگ حاضر ہوتے تھے۔ آپ ﷺ کی صحبت میں معاش و معاد کے ہر شعبہ کے متعلق معلومات اور حقائق ملتے تھے۔ لیکن کسی فرد واحد میں نہ تو اتنی صلاحیت اور اہلیت کا ہونا ممکن تھا اور نہ ہی حکمت و مشیت الٰہی کا یہ تقاضا تھا کہ وہ تمام علوم اور وہ سارے کمالات جو نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس میں پائے جاتے تھے وہ کسی ایک فرد واحد کی ذات میں جمع ہو جائیں۔ اس لئے ہوا یہ کہ ہر شخص کی فطری صلاحیتوں اور اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق اسے حصہ ملا۔ کسی کو ایک علم سے طبعی مناسبت تھی۔ اسے اسی علم میں مہارت حاصل ہوئی۔ دوسرے کو کسی دوسرے شعبہ علم میں کمال حاصل ہوا۔ اپنے اپنے ظرف کے مطابق کسی کو کم ملا کسی کو زیادہ۔ کوئی مبلغ کوئی مدرس، کوئی مفسر ہوا تو کوئی محدث، کوئی فقیہ بنا تو کوئی قاضی۔ کوئی اصولی تو کوئی متکلم۔ کوئی محقق و مدقق ہوا تو کوئی صاحب کشف و الہام صوفی و عارف۔ کوئی سپاہی، کوئی جنرل، کوئی وزیر سلطنت، کوئی صدر ریاست، غرض نہ تو تمام صحابہ مفسر و فقیہ تھے۔ نہ سارے کے سارے اصولی جنرل یا صدر ریاست۔ نہ تمام صحابہ نے کشف و الہام اور سلوک و تصوف میں یکساں مہارت حاصل کی۔ پھر حیرت ہے کہ لوگ یہ تو نہیں کہتے کہ تمام صحابہ مفسر اور محدث اور فقیہ کیوں نہیں تھے مگر یہ بات بڑی بے تکلفی سے کہہ دیتے ہیں کہ سارے صحابہؓ صاحب کشف و الہام اور صوفی کیوں نہیں تھے؟

ع بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است۔

دوسری اصولی بات ذہن میں رکھیں کہ ہر شعبہ علم کے متعلق نبی کریم ﷺ جو تعلیم دیتے تھے وہ بنیادی اور اصولی تعلیم ہوتی تھی۔ ان اصول و کلیات سے جزئیات اور فرعیات کا استخراج علمائے حق اور مجتہدین امت کے ذمے رہنے دیا۔ اور سنت اللہ یہی ہے کہ انبیاء کلیات ہی بیان فرماتے ہیں۔ اور ان اصول و کلیات سے علمی و عملی مسائل اور ان کے حل تلاش کرنے کے ذرائع اور وسائل ڈھونڈ نکالنا بھی انہی لوگوں کے ذمے تھا۔ جو ان کلیات سے جزئیات کا استخراج کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔

تیسری بات جو ذہن میں رکھنا نہایت ضروری ہے یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں اور صحابہؓ کے زمانے میں تمام علوم و فنون اصولی اور اجمالی شکل میں تھے۔ ان کی تفصیل نہیں تھی۔ کسی فن کی مستقل طور پر تدوین بھی نہیں ہوئی تھی۔ فن تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، صرف و نحو، معانی وغیرہ کوئی فن بھی مدون نہیں ہوا تھا۔ جس طرح حالات کے تقاضوں کے مطابق دوسرے علوم و فنون اپنی تمام تفصیلات اور جزئیات کے ساتھ مدون ہوتے رہے اسی طرح تصوف و سلوک کی تدوین بھی رفتہ رفتہ عمل میں لائی گئی۔ اس مقام پر پھر وہی حیرت ہوتی ہے کہ لوگ یہ اعتراض تو نہیں کرتے کہ صحابہؓ کے زمانے میں تفسیر، فقہ، صرف و نحو، اسماء الرجال جب مستقل فن کی حیثیت سے مدون نہیں تھے تو اب کیوں ہوئے۔ لیکن یہ اعتراض کرنے میں نہایت بیباک واقع ہوئے ہیں کہ جب حضور اکرم ﷺ اور صحابہؓ کے زمانے میں علم تصوف و سلوک کا وجود نہیں تھا تو اب یہ ایک مستقل شعبہ علم کی صورت میں کیوں عالم وجود میں آ گیا۔ بات یہ ہے کہ دوسرے علوم و فنون کے ماہرین کی طرح صوفیہ کرام

نے شعبہ سلوک واحسان کے اصولوں کو بکھرا ہوا پایا تو ان کو سمیٹا ان اصولوں سے جزوی مسائل کا استخراج کیا۔ پھر اس کے حصول کے ذرائع اور وسائل تلاش کئے۔ اس طرح یہ فن بھی مدون ہو گیا۔ ہاں ان وسائل کو کوئی محقق صوفی اصل مقصد ہرگز نہیں سمجھتا۔ جس طرح عوام میں سے چوٹی کے عالم و فاضل گنے چنے چند افراد ہوتے ہیں۔ اسی طرح ان علماء میں سے مختلف خاص خاص علوم میں خصوصی مہارت رکھنے والے افراد کی تعداد اور بھی کم ہوتی ہے اور یہ اصول ہر زمانے میں کارفرما رہا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں بھی ہر صحابی کو اس کے مزاج اور استعداد کے مطابق حصہ ملتا تھا۔ چنانچہ:

ومن ثم كان حذيفة صاحب السر الذي لا يعلمه غيره حتىٰ خص بمعرفة اسماء المنافقين وبكثير من الامور الاتية. فتح الباری ۱۳ : ۲۹)

اسی وجہ سے حضرت حذیفہ صاحب اسرار تھے۔ جن اسرار کو ان کے بغیر کوئی نہیں جانتا تھا حتیٰ کہ منافقین کے ناموں کا علم رکھنے اور اکثر آنے والے واقعات کا علم رکھنے میں وہ مخصوص تھے۔ دوسرے صحابہؓ کو اس کا علم نہ تھا۔

دیکھا! حضرت حذیفہؓ کو کشف و الہام اور علم اسرار سے وہ حصہ وافر ملا جو اور کسی صحابی کو نہیں ملا تھا۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ سب صحابیوں کو صاحب السر کیوں نہیں بنایا گیا تو یہ براہ راست حکمت و مشیت الٰہی پر اعتراض ہے۔

چوتھی اصولی بات یہ ہے کہ تصوف و احسان دین کا اہم شعبہ ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ اذا ثبت الشیئ ثبت بلوازمہ اور الہام و کشف کا ہونا تصوف کے لوازمات سے ہے۔

اخبر ان ابصار القلب وجلائه يحصل بالذكر وانه يتمكن من الذكر بالتقوىٰ. فالتقوىٰ باب الذكر والذكر باب الكشف والكشف مفتاح الفوز الكبير. (احياء غزالى)

اس لئے دین کو تسلیم کرنے کے ساتھ دین کے اہم جزو تصوف و احسان کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ اسے تسلیم کیا تو کشف و الہام کو ماننا پڑے گا کیونکہ یہ لازم و ملزوم ہیں بشرطیکہ شیخ کامل ہو اور طلب صادق ہو۔ انبیاء علیہم السلام کے کمالات وہبی ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کے ہم نشینوں کے ان کی صحبت کے فیض سے وہبی طور پر بلا کسب حاصل ہو جاتے ہیں اور وہاں بھی خلوص نیت شرط ہے ورنہ انسان عبداللہ بن ابی ہی رہتا ہے اور اولیاء کے کمالات کسبی ہوتے ہیں اس لئے ان کے ہم نشینوں کو ان کی صحبت کے فیض سے محنت و مجاہدہ کے بعد حاصل ہوتے ہیں۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ صوفیہ کرام مسئلہ کلام بالارواح میں سنت نبوی ﷺ اور سنت صحابہ کے صحیح متبع ہیں۔ صوفیہ نے اس کے حصول کے لئے جو وسائل اور ذرائع اختیار کئے ہیں وہ نیک سہی لیکن ہیں وسائل۔ اور چونکہ ان کا مقصد محمود تھا لہٰذا ذرائع بھی محمود ہوئے کیونکہ ذرائع حکم مقاصد میں ہوتے ہیں اور اولیاء کرام کا تمام تر سرمایہ اللہ اور رسول ﷺ کی محبت ہے۔ اور زیارت رسول ﷺ دراصل محبت رسول ﷺ ہی کا ثمرہ ہے۔ تو ان محبان رسول ﷺ کو زیارت رسول ﷺ نہ ہو تو اور کسے ہو۔ ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ:

لكن اكثر منهم اذا ذكر النبي ﷺ اشتاق الىٰ رؤيته بحيث يوثرها علىٰ اهله وولده وماله ووالده ويبذل نفسه فى الامور الخطيرة ويجد مخبر ذلك من نفسه وجدانا لا تردد فيه وقد شوهد من هذا الجنس من يوثر زيارة و رؤية مواضع اثاره علىٰ جميع ما ذكرنا لما وقر فى قلوبهم من محبته غير ان ذلك سريع الزوال بتوالى الغفلة. (فتح الباری ۱ : ۴۵)

ان میں ایسے لوگ اکثر پائے جاتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کا ذکر ان کے سامنے کیا جائے تو زیارت رسول ﷺ کے مشتاق ہو جاتے ہیں اور اپنے اہل و عیال، ماں باپ اور مال و اسباب کو چھوڑ کر زیارت رسول ﷺ کیلئے چل کھڑے ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو سخت خطرے کے مقام میں ڈال دیتے ہیں کہ کسی طرح زیارت ہو جائے اور اس کا خبر دینے والا اس کی ذات سے وجدان صحیح ہے اور مشاہدہ کیا گیا ہے کہ اس قسم کے آدمی زیارت رسول ﷺ قبر رسول ﷺ اور ان نشانات کی زیارت جہاں حضور ﷺ بیٹھے یا کھڑے ہوئے اپنے جان و مال اور اہل و عیال سے مقدم سمجھتے ہیں کیونکہ ان کے دل کی گہرائیوں میں محبت رسول ﷺ پیوست ہو چکی ہے۔ ہاں غفلت کے طاری ہونے سے یہ حالت جلد زائل ہو جاتی ہے

فائدہ: زیارت قبر رسول ﷺ، محبت رسول ﷺ میں داخل ہے۔ ان مقاموں کا دیکھنا جہاں حضور اکرم ﷺ نے قدم مبارک رکھے محبت رسول ﷺ میں داخل ہے۔ جب قبر رسول ﷺ کی مٹی کی زیارت محبت میں داخل ہے تو عین ذات رسول ﷺ اور حضور اقدس ﷺ کی روح مبارک کی زیارت کرنے کی شان کیا ہوگی۔ مگر یہ دولت اس وقت نصیب ہوتی ہے جب اتباع سنت رسول ﷺ کا جذبہ درجہ کمال تک پہنچ جائے۔ کیونکہ محبت رسول ﷺ کی انتہا اتباع سنت رسول ﷺ ہے۔ من احب سنتی فقد احبنی۔ جس نے میری سنت سے محبت رکھی اس نے مجھ سے محبت رکھی۔ ہاں یہ محبت اس وقت زائل ہو جاتی ہے جب قلب پر غفلت کے پردے پڑ جائیں۔ صوفیہ نے اس غفلت کو دور کرنے کا طریقہ سکھایا۔ وہ وسائل اور ذرائع بتائے جنہیں اختیار کر کے غفلت کو دور کیا جا سکتا ہے۔ محبت کو جلا دی جا سکتی ہے۔ پھر دربار نبوی ﷺ میں حاضری، زیارت اور کلام کا شرف بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ اور اللہ کا فضل شامل حال ہو تو اس مقام پر پہنچ کر یہ محبت کا رشتہ دائمی ہو جاتا ہے۔ ہمارے

سلسلہ میں یہی طریقہ چلا آتا ہے۔ ہمارا کہنا تو یہی ہے کہ اگر زیارت نبوی ﷺ سے مشرف ہونا، دربار نبوی ﷺ میں حاضر ہونا اور حضور اکرم ﷺ سے کلام کرنا گناہ ہے تو اس کے حصول کے لئے صوفیہ نے جو ذریعہ اختیار کیا وہ بھی گناہ۔ اور اگر یہ گناہ نہیں بلکہ عین ایمان اور کمال ایمان ہے تو اس ذریعہ کو اختیار کرنا بھی دلیل ایمان ہے۔

دور صحابہؓ کے بعد کشف والہام میں اضافہ کیوں ہوگیا۔

اس موقع پر یہ ایک ضمنی سوال پیدا ہوتا ہے۔ جس کا جواب دینا ضروری ہے۔ یہ ایک اتفاقی مسئلہ ہے کہ کرامات وانکشافات کا اظہار ان اولیاء کرام سے زیادہ ہوا جو صحابہ کا دور ختم ہونے کے بعد اس دنیا میں تشریف لائے۔

اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ان چیزوں کا تعلق عوام کے قوت وضعف ایمانی کے ساتھ ہے۔ ایمان قوی ہو تو کشف وکرامت کے صدور اور اظہار کی چنداں ضرورت نہیں۔ ایمان میں ضعف آگیا تو ایسے امور کی ضرورت زیادہ پیش آئی جو خرق عادت کی قبیل سے ہوں۔ دور صحابہ میں ان حضرات کے ایمان حضور اکرم ﷺ کے فیض صحبت کی وجہ سے نہایت قوی تھے۔ انہیں ان چیزوں کی ضرورت نہ تھی۔ بعد میں ایمان کمزور ہوگئے تو اولیاء کرام سے ان اسناد کا مطالبہ ہونے لگا۔ یہ خیال رہے کہ خرق عادت امور نہ شرط ولایت ہیں نہ جزو ولایت۔ ہاں دلائل و علامات ولایت کی حیثیت سے بطور سند عطا کئے جاتے ہیں۔

ہم یہ بیان کر آئے ہیں کہ کشف والہام نائب وحی اور خلفاء ہیں۔ دور صحابہؓ میں جب خود وحی موجود تھی حضور اکرم ﷺ کی ذات بابرکات آفتاب تاب کی طرح برابر ضیاء پاشی کر رہی تھی تو نائب وحی کی ضرورت کیا تھی اور سورج کے مقابلے میں ان چاند ستاروں اور چراغوں، قندیلوں کی کیا ضرورت تھی۔ قاعدہ ہے کہ آفتاب کے غروب ہونے کے بعد روشنی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے مگر فوری طور پر تاریکی نہیں چھا جاتی بلکہ آہستہ آہستہ روشنی کم ہوتی جاتی ہے اور رفتہ رفتہ تاریکی بڑھتی اور پھیلتی جاتی ہے۔ یہی صورت صحابہؓ، تابعین، تبع تابعین اور بعد میں آنے والے مسلمانوں کے معاملہ میں پیش آئی۔ صوفیہ کرام نے بعد کی تاریکیوں میں روشنی پھیلانے کا اہتمام جاری رکھا۔ ان کے فیض سے کہیں کوئی چراغ روشن ہوا کہیں شمع، کہیں کوئی ستارہ ابھرا، کہیں کوئی چاند نکلا، بہر حال ان کے دم قدم سے روشنی خواہ کسی درجے کی سہی موجود رہی، بہر حال ہمیں یہ بتانا مقصود ہے کہ کشف والہام کی کمی بیشی قوت وضعف ایمان کے تناسب سے ہوتی ہے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ دور صحابہؓ کے بعد ہی کشف وکرامات کا اظہار اصولاً زیادہ ہونا چاہیے تھا اور ایسا ہی ہوا۔ اس موضوع پر اگر تفصیلی معلومات درکار ہوں تو ہم مولانا جامیؒ کی شواہد النبوۃ ص ۱۴۷ اور فتاویٰ الحدیثیہ ص ۲۶۱ کا مطالعہ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔

ساتواں اعتراض

قرأت سلسلہ مشائخ کی کوئی سند نہیں بلکہ یہ شرک ہے

الجواب:

قال تعالیٰ. قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ. (ال عمران) فقال النبی ﷺ واسئلک حبک وحب من یحبک وقد ورد فی السنۃ ذکر للاسباب التی یتسبب بھا العباد الیٰ محبۃ اللہ تعالیٰ سبحانہ و سئالہ حب من یحبہ فانہ لا یحب اللہ عز وجل الا المخلص من عبادہ فحبھم طاعۃ من الطاعات و قربۃ من القربات لان من احب الشیئی اکثر ذکرہ و داوم علیہ. (تحفۃ الذاکرین: ۳۳۱)

آپ فرما دیجئے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو۔ خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔

حضور اکرم ﷺ نے دعا کی کہ الٰہی میں تجھ سے تیری محبت کی درخواست کرتا ہوں اور ان لوگوں کی محبت کی درخواست کرتا ہوں جو تجھ سے محبت کرتے ہیں اور حدیث میں ان اسباب کا ذکر آیا جن کو اختیار کر کے انسان محبت الٰہی تک پہنچتا ہے اور حضور ﷺ نے بھی اللہ تعالیٰ سے ان لوگوں کی محبت کی درخواست کی جن سے اللہ تعالیٰ کو پیار ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے بندے تو وہی ہیں جو مخلص ہوں۔ پس ان کی محبت طاعت الٰہی بھی ہے اور قرب الٰہی بھی۔ کیونکہ جو شخص کسی چیز کو محبوب جانتا ہے اسکا ذکر زیادہ کرتا ہے۔ اور اس پر مداومت کرتا ہے۔

فائدہ: قرآن مجید کی آیت مذکورہ بالا اور حدیث نبوی ﷺ سے تین امور ثابت ہوئے۔

۱۔ ذکر الٰہی کے لئے اسباب کا اختیار کرنا اور ان اسباب کا ذکر الٰہی میں داخل ہونا۔
۲۔ اولیاء اللہ کی محبت اور ان کا ذکر طاعت الٰہی اور قرب الٰہی میں داخل ہے۔
۳۔ جس چیز کو انسان محبوب سمجھتا ہے اس کا ذکر کثرت سے کرتا ہے۔

پس سلاسل اولیاء اللہ کی مشروعیت بھی ثابت ہوگئی۔

علم حدیث کی تعلیم میں متن حدیث سے پہلے جو سند پڑھی جاتی ہے اس کا پڑھنا ثواب ہے کیونکہ حدیث نبوی ﷺ کو نبی کریم ﷺ تک پہنچانے کا واحد سبب یہی سند ہے۔ اگر سند نہ ہو تو متن حدیث بے کار ہو جائے۔ کیونکہ سچ جھوٹ کی تمیز ناممکن ہو جائے۔ جو عظمت واہمیت فن حدیث میں سند حدیث کی ہے وہی حیثیت تصوف و سلوک میں سلاسل اور شجرہ مشائخ کے پڑھنے کی ہے۔ تصوف جسے حدیث جبرئیل میں

احسان سے تعبیر کیا گیا ہے اور جو خلاصہ دین اور ثمرہ عبادت ہے۔ وہ بذریعہ سلاسل ہی معلوم کیا جا سکتا ہے۔ جب سلسلہ کو اپنے شیخ سے رسول کریم ﷺ تک پہنچا دیا تو اس کے صدق و کذب کا فیصلہ کیا جا سکے گا۔ جس طرح محدثین کرام حدیث کے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ دینے سے پہلے سلسلہ رواۃ کی خوب جانچ پڑتال کر لیتے ہیں۔

تاریخ حدیث میں ایک مشہور واقعہ ہے کہ امام علی رضا جب نیشا پور تشریف لے گئے تو حافظ حدیث امام ابوزرعہ اور امام مسلم طوسی نے حاضر ہو کر درخواست کی کہ ایک حدیث اپنے آباؤ اجداد کے سلسلے سے رسول کریم ﷺ تک پڑھیں۔ آپ نے پڑھی اور بیس ہزار کے قریب حاضرین نے اسے قلمبند کیا۔ اس کے متعلق امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں

ولو قرئ هذا الاسناد علىٰ مجنون لافاق من جنونه. (صواعق محرقه. علامه ابن حجر)

یعنی اگر یہ سند مسلسل کسی پاگل پر پڑھی جائے تو اس کا جنون جاتا رہے گا۔

تنبیہ: سلسلہ مشائخ میں اولیاء اللہ کے نام اس نیت سے پڑھنا کہ ان کے ذریعہ ہمیں قرب الٰہی نصیب ہو اور یہ لوگ محبت الٰہی پیدا کرنے اور سنت نبوی ﷺ کی اتباع کرنے میں سبب اور وسیلہ ہیں، کار ثواب ہے۔ اور اگر کوئی شخص ان حضرات کو موثر، مختار، متصرف، حاضر ناظر سمجھ کر شجرہ پڑھے تو اس نے اپنا دین برباد کیا اور عاقبت خراب کی۔

آٹھواں اعتراض

کہا جاتا ہے کہ تصوف تواتر سے ثابت ہے۔ جب امام حسن بصریؒ کی ملاقات حضرت علیؓ سے ثابت ہی نہیں تو تواتر کیسے ثابت ہوا؟

الجواب: صوفیہ کرام تو سب کے سب لقاء پر متفق ہیں۔ سید احمد نقشاشی نے العقد الفرید فی سلاسل اھل التوحید میں طویل بحث کر کے حضرت حسن بصریؒ کی ملاقات ثابت کی ہے اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے لقاء پر صوفیہ کا اجماع بتایا ہے۔

والحسن البصری ینسب الیٰ سیدنا علیؓ عند اھل السلوک قاطبة وان کان اھل الحدیث لا یثبتون ذٰلک. (الانتباه فی سلاسل اولیاء الله. ۳۱)

اہل سلوک کے نزدیک امام حسن بصریؒ کی نسبت مکمل طور پر حضرت علیؓ سے ثابت ہے۔ اگر چہ اہل حدیث ثابت نہیں کرتے

فائدہ: اہل سلوک اور اہل حدیث کے فیصلوں میں فرق اتنا ہے کہ اہل سلوک کے ہاں تو لقاء کا ثبوت قاطبۃ ہے مگر اہل حدیث کے ہاں عدم ثبوت قاطبۃ نہیں۔ کیونکہ ثبوت بھی موجود ہے۔

اہل حدیث کے نزدیک ملاقات اور رویت بالاتفاق ثابت ہے ہاں صحبت طویلہ کا بالاتفاق نفی ہے۔ اگر فیض کے لئے صحبت طویلہ کو شرط قرار دیا جائے تو پھر بھی فیض باطنی بالواسطہ تو ممکن ہے۔ محال نہیں۔ ہاں فیض باطنی بلاواسطہ کی نفی ہوگی۔ مگر بالواسطہ کی نفی کہاں لازم آئی۔

اسی طرح سماع حدیث اور روایت حدیث میں بھی اختلاف ہے مگر راجح اور صحیح بات یہ ہے کہ سماع ثابت ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ اگر کسب فیض بالواسطہ کا اصول تسلیم کر لیا جائے تو وہ واسطہ کونسا ہے؟

جواب یہ ہے کہ حضرت علیؓ سے ملنے والے ہزاروں صحابی امام حسن بصریؒ سے ملے تھے۔ کسی سے فیض حاصل کر لیا ہو، یہ کوئی ظاہری چیز تو ہے نہیں کہ ظاہری چیز کی نفی سے باطنی فیض کی نفی ہو جائے۔ کیونکہ عدم علم اور عدم وجدان سے عدم معلوم اور عدم موجود لازم نہیں آتا۔ جب روایت اور ملاقات بالاتفاق محدثین سے بھی ثابت ہے اور سماع حدیث بھی راجح ہے تو اس امر میں کونسی چیز مانع ہے کہ کسب فیض کی ابتدا حضرت علیؓ سے کی ہو پھر بالواسطہ ترقی کرتے چلے گئے ہوں۔

اسماء الرجال سے شواہد

۱۔ ملاقات اور سماع:

قال ابن سعد. ولد سنتین بقایا من خلافت عمرؓ. ونشاء بوادی القریٰ وکان فصیحا ورئی علیا. (تهذیب التهذیب ترجمه حسن بصریؒ)

خلافت فاروقی کے دو سال باقی تھے کہ امام حسن بصریؒ پیدا ہوئے۔ وادی القریٰ میں پرورش پائی۔ بڑے فصیح تھے۔ حضرت علیؓ سے ملاقات کی۔

۲۔ روایت حدیث:

رویٰ عن ابی بن کعب وسعد بن عبادة وعمر بن الخطابؓ. ولم یدرکهم وعن ثوبان وعمار بن یاسر وابی هریرة وعثمان بن ابی العاص ومعقل بن یسار ولم

امام حسن بصریؒ نے ابی بن کعب سعد بن عبادہ عمر بن الخطابؓ سے روایت کی مگر ملاقات نہیں ہوئی اور ثوبانؓ، عمارؓ بن یاسر اور عثمانؓ بن ابی العاص اور معقلؓ بن یسار سے روایت کی مگر حدیث نہیں سنی اور عثمانؓ اور علیؓ سے روایت کی

يسمع منهم وعن عثمان وعلي.

٣. سئل ابو ذرعه هل سمع الحسن احد من البدريين قال رآهم روية رئي عثمان وعليا. وقيل سمع منهما حديث قال لا. رئي بالمدينة وخرج علي الى الكوفة والبصرة ولم يلقه الحسن بعد ذالك. وقال الحسن رايت الزبير يبايع عليا وقال علي بن المديني لم ير عليا الا كان بالمدينة.

امام ابو زرعہ سے پوچھا گیا کہ امام حسن بصریؒ نے کسی بدری سے کوئی حدیث سنی تھی۔ کہا اصحاب بدر کو دیکھا تو تھا مگر ان سے حدیث نہیں سنی تھی۔ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو بھی دیکھا ہے مگر ان سے حدیث نہیں سنی۔ اور حضرت علیؓ کو مدینہ میں دیکھا تھا پھر حضرت علیؓ کوفہ اور بصرہ چلے گئے اور امام حسنؒ کی ملاقات ان سے نہ ہوئی۔ امام حسنؒ نے کہا کہ میں نے حضرت زبیرؓ کو حضرت علیؓ سے بیعت کرتے دیکھا تھا اور علی المدینی نے کہا کہ امام نے حضرت علیؓ کو مدینہ میں دیکھا تھا۔

فائدہ:

١۔ ملاقات اور رویت بالاتفاق ثابت ہوئی۔

٢۔ سماع میں اختلاف ہے۔

٣۔ راجح سماع، مرجوح عدم سماع کیونکہ ملاقات ہوئی تو سماع یقیناً ہوگا کوئی بات تو سنی ہوگی۔

٤۔ تہذیب الکمال کے حاشیے پر یہ روایت موجود ہے:۔

عن يونس بن عبيد سئالت الحسن قلت ابا سعيد انك تقول قال رسول الله ﷺ وانك لم تدركه قال يا ابن اخي لقد سئالتني من شيئ ما سئالني عنه احد قبلك ولو لا منزلتك مني ما اخبرتك. اني في زمان كما ترئ وكان في زمن الحجاج. كل شيئ سمعتني اقول قال رسول الله ﷺ فهو عن عليّ ابن ابي طالب غير اني في زمان لا استطيع ان اذكر عليا.

یونس بن عبید نے کہا کہ میں نے امام حسن بصریؒ سے پوچھا کہ آپ کہتے ہیں ''رسول کریم ﷺ نے فرمایا'' حالانکہ آپ نے حضور ﷺ کو نہیں دیکھا۔ امام نے کہا میرے بھتیجے تو نے مجھ سے ایسی بات پوچھی جو تجھ سے پہلے کسی نے نہیں پوچھی۔ اگر میرے دل میں تیری عزت نہ ہوتی تو میں تمہیں ہرگز نہ بتاتا۔ سنو! میں ایسے دور میں ہوں (آپ حجاج کے عہد میں تھے) کہ تو دیکھ رہا ہے اس لئے جو حدیث تو مجھ سے اس طرح بیان کرتے ہوئے سنے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تو وہ حدیث علیؓ ابن ابی طالب کی روایت ہوگی۔ بات صرف اتنی ہے کہ میں ایسے دور میں ہوں کہ برملا حضرت علیؓ کا نام لینے کی ہمت نہیں پاتا''

فائدہ:

١۔ یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ دلیل مثبت، دلیل نافی پر مقدم ہوتی ہے۔ لہٰذا یہاں سماع اور رویت کی روایات عدم سماع اور عدم رویت کی روایات پر مقدم ہوں گی۔

٢۔ امام حسن بصری دو سال خلافت فاروقی میں پھر ١٢ سال خلافت عثمانی میں پھر ابتدائے خلافت علوی تک مدینہ میں رہے۔ اس لئے کسی صحابی یا بدری صحابی یا حضرت علیؓ سے کوئی حدیث نہ سننا خلاف قیاس وعقل ہے۔ لہٰذا ملاقات سے سماع اور روایت بھی یقینی ہے۔ گو دوسرا احتمال بھی ہے مگر خلاف عقل ہے اس لئے مرجوح ہے۔

علامہ سیوطی فرماتے ہیں:۔

انكر جماعة من الحفاظ سماع حسن البصري من عليّ وتمسك بهذا بعض المتاخرين والبته جماعة وهو الراجح عندي لوجوه وقد رجحه ايضا الحافظ ضياء الدين مقدسي في المختارة فانه قال الحسن ابن الحسن البصري عن عليّ الوجه الاول ان العلماء ذكروا في اصول في وجوه الترجيح ان المثبت مقدم على النافي لان معه زيادة

حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے حضرت علیؓ سے حضرت حسن بصریؒ کے سماع کا انکار کیا ہے اور بعض متاخرین نے اسی انکار سے استدلال کیا ہے اور دوسری جماعت نے سماع کا اثبات کیا ہے اور میرے نزدیک یہی راجح مذہب ہے۔ اس کی کئی وجوہ ہیں۔ حافظ ضیاء الدین مقدسی نے مختارہ میں اسی کو ترجیح دی ہے۔ کہ حسن بصری نے حضرت علیؓ سے روایت کی۔ وجہ اول علمائے اصول وجوہ ترجیح کے بارے میں فرمایا ہے کہ دلیل مثبت، دلیل نافی پر مقدم ہوتی ہے کیونکہ اس

خيرة مولاة ام سلمة فكانت ام سلمة تخرجه الى الصحابة يباركون عليه واخرجته الىٰ عمر فدعا لهم اللهم فقهه فى الدين وحببه الى الناس. قال الحافظ جمال الدين المزى فى التهذيب انه اى الحسن حضر يوم الدار وله اربعة عشرة سنة و من المعلوم انه من حين بلغ سبع سنين امر بالصلوٰة فكان يحضر الجماعة ويصلى خلف عثمان الىٰ ان قتل عثمان وعلىؓ اذ ذاک بالمدينة فانه لم يخرج منها الى الكوفة الا بعد قتل عثمان فكيف يستنكر سماعه منه وهو كل يوم يجتمع به فى المسجد خمس مرات من حين الىٰ ان ابلغ اربع عشرة سنة وزيارة علىٰ ذلک ان عليا كان يدور امهار المومنين ومنهن ام سلمة والحسن فى بيتهاهو وامه. (الحاوى للفتاوىٰ ۲: ۱۹۱)

اوران کی والدہ حضرت ام سلمہ کی لونڈی تھی اور ام سلمہ حضرت حسن کو دعائے برکت کے لئے صحابہ کے پاس بھیجتی تھیں۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ کے پاس بھیجا۔ آپ نے ان کے حق میں دعا کی کہ الٰہی اسے دین کی سمجھ عطا فرما اور لوگوں کے ہاں اسے محبوب بنا۔ حافظ جمال الدین مزی نے تہذیب میں کہا ہے کہ امام حسن محاصرہ عثمانؓ کے دن چودہ سال کے تھے۔ اور یہ مسلم ہے کہ جب وہ سات سال کے ہوئے تو انہیں نماز کا حکم دیا گیا اور امام حسن جماعت میں حاضر ہوتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کے پیچھے نماز پڑھتے رہے یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ شہید ہوگئے۔ اور حضرت علیؓ کے پیچھے بھی نماز پڑھتے رہے جب تک وہ مدینہ میں رہے اور شہادت عثمانؓ کے بعد ہی حضرت علیؓ کوفہ گئے پھر حضرت علیؓ سے امام کے سماع کا انکار کیسے کیا جا سکتا ہے حالانکہ امام حسن حضرت علیؓ کے ساتھ پانچ وقت نماز پڑھتے تھے۔ یہ معمول سن تمیز یعنی چودہ سال کی عمر تک رہا۔ مزید یہ کہ حضرت علیؓ امہات المومنین کی زیارت کے لئے جاتے تھے اور ان میں ایک ام سلمہ تھیں اور حضرت ام سلمہ کے ہاں امام حسن مع والدہ کے رہتے تھے۔

دلائل نقلی:

علامہ سیوطی نے چند احادیث نقل کی ہیں جو امام حسن بصریؒ نے حضرت علی سے روایت کی ہیں۔

۱. حدثنا یونس عن الحسن عن علیؓ قال سمعت رسول الله ﷺ رُفِعَ القلم عن ثلاثة.

۲. عن قتادة عن الحسن عن علیؓ ان النبی ﷺ قال افطر الحاجم المحجوم.

۳. حدثنا العوف عن الحسن عن علیؓ ان النبی ﷺ قال لعلیؓ یا علیؓ قد جعلنا الیک هذه السبعة بین للناس. دار قطنی

۴. عن الحسن عن علیؓ قال الخلية والبرية والبتة، والبائن والحرام ثلاث لا تحل له حتیٰ تنکح زوجا غیره.

۵. عن الحسن قال قال علیؓ ان وسع الله علیکم فاجعلوه صاعا من بر و غیره یعنی زکوٰة الفطر. دار قطنی

۶. عن الحسن عن علیؓ قا لیس فی مس الذکر وضوء. رواه الطحاوی

۷. عن الحسن عن علیؓ قال طوبیٰ لکل عبد شومه عرف الناس ولم یعرفه الناس. الحلیه.

۸. عن الحسن عن علیؓ قال کفنت النبی ﷺ فی قمیص ابیض وثوبی حبرة.

۹. قال الحافظ ابن حجر ووقع فی مسند ابی یعلیٰ یقول ای الحسن سمعت علیا یقول قال رسول الله ﷺ مثل امتی مثل المطر.

۱۰. عن الحسن قال شهدت علیا بالمدینة وسمع صوتا فقال ما هذا قالوا قُتِل عثمان قال اللهم اشهد انی لم

ارض۔

ان دس حدیثوں سے حضرت حسن بصری کی حضرت علیؓ سے ملاقات ثابت ہوئی۔

تلک عشرۃ کاملۃ

وقال ابو ذرعة كان الحسن البصري يوم بويع لعلي ابن اربع عشرة سنة وراى عليا بالمدينة قلت وفي هذا القدر كفاية و يحمل قول النافي على ما بعد خروج علي من المدينة. (الحاوی للفتاوی ۲ : ۱۹۳)

امام ابوزرعہ نے کہا جس روز حضرت علیؓ کی بیعت خلافت ہوئی امام حسن بصریؒ چودہ سال کی عمر کے تھے اور انہوں نے حضرت علیؓ کو مدینہ میں دیکھا۔ علامہ سیوطی فرماتے ہیں میں کہتا ہوں کہ حضرت علیؓ سے امام حسن بصریؒ کے سماع روایت حدیث اور ملاقات کی شہادت کے لئے یہ دس حدیثیں کافی ہیں۔اور وہ قول جو عدم لقا اور عدم روایت پر دلالت کرتا ہے اسکا اطلاق اس دور پر ہوگا جب حضرت علیؓ مدینہ چھوڑ کر کوفہ چلے گئے۔

نواں اعتراض۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ مشائخ کی قبروں پر یا دوسری قبروں پر جا کر ان کی طرف منہ کر کے کھڑا ہونا یا بیٹھنا اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ممنوع ہے۔

الجواب: اس اعتراض کے دو حصے ہیں۔اول یہ کہ قبر کے پاس جا کر ہاتھ اٹھا کے دعا کرنا ممنوع ہے۔ دوسرا یہ کہ قبر کی طرف منہ کر کے دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا ممنوع ہے۔

سب سے پہلے یہ سمجھ لیں کہ دعا کرنے کے خاص آداب ہیں اور ان آداب کا لحاظ رکھنا اتباع سنت میں داخل ہے۔

قال النووي قال العلماء السنة في كل دعاء لدفع البلاء ان يرفع يديه جاعلا ظهور كفيه الى السماء واذا دعا بسؤال شيء وتحصيله ان يجعل كفيه الى السماء. (فتح الباری ۲ : ۲۵۲)

امام نووی نے کہا کہ علماء نے کہا ہے کہ سنت طریقہ یہ ہے کہ ہر وہ دعاء جو دفع بلا کے لئے ہو اس میں ہاتھ اس طرح اٹھائے جائیں کہ ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف ہو اور وہ دعا جو کسی چیز کی طلب وحصول کے لئے ہو اس میں ہاتھ اس طرح اٹھائے جائیں کہ ہتھیلیاں آسمان کی طرف ہوں۔

اور علامہ شوکانی فرماتے ہیں کہ:

وبسط يديه ورفعهما حذو منكبيه. اقول يدل علي ذلك ماوقع منه ﷺ من رفع يديه في نحو ثلاثين موضعا في ادعية متنوعة عن سلمانؓ قال قال رسول الله ﷺ ان الله حي كريم يستحي اذا رفع الرجل اليه يديه ان يردهما صفرا خائبتين رواه الحاكم وقال صحيح على شرط الشيخين.

ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھا کے پھیلانا۔ میں کہتا ہوں کہ اس امر پر نبی کریم ﷺ کی وہ تیس حدیثیں دال ہیں جو مختلف قسم کی دعا کرنے کے سلسلے میں حضور اکرم سے منقول ہیں سلمان فارسیؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی بڑا حیادار اور سخی ہے۔ جب بندہ ہاتھ اٹھا کر اس سے سوال کرتا ہے تو اس کے ہاتھوں کو خالی لوٹا دینے میں اللہ کو حیا آتی ہے۔

عن انسؓ قال قال رسول الله ﷺ ان الله رحيم كريم يستحي من عبده ان يرفع اليه يديه ثم لا يضع فيهما خيرا.

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی بڑا رحیم وکریم ہے۔اسے حیا آتی ہے کہ جب بندہ اس کے سامنے ہاتھ اٹھائے تو وہ ان میں کوئی چیز نہ ڈالے۔

عن مالک ابن بشار قال قال رسول اللہ ﷺ اذا سئالتم اللہ فاسئلوہ ببطون اکفکم ولا تسئلوہ بظھورھا. (تحفۃ الذاکرین ۴۲)

مالک بن بشارؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ سے کچھ مانگو تو ہاتھوں کو اس طرح اٹھاؤ کہ ہتھیلیاں آسمان کی طرف ہوں۔ ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف نہ ہو۔

فوائد: ان روایات سے ثابت ہوا کہ:۔ (۱) دعا کے وقت ہاتھ اٹھانا مسنون ہے۔

(۲) دفع بلاء کے لئے دعا کرتے وقت ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف ہونا اور طلب وحصول شیء کے لئے دعا کرتے وقت ہتھیلیاں آسمان کی طرف کرنا باتفاق علماء مسنون ہے۔

رہا یہ سوال کہ دعا کے وقت ہاتھ کیوں اٹھائے جاتے ہیں تو اس کا جواب متکلمین کی زبانی سنیے:۔

فان قیل فما بال الایدی ترفع الی السماء وھی جھۃ العلو. اجیب بان السماء قبلۃ الدعاء تستقبل بالایدی کما ان البیت قبلۃ الصلوٰۃ تستقبل بالصدر والوجہ. (مسامرہ ص ۳۰)

اگر کہا جائے کہ دعا کے وقت آسمان کی طرف ہاتھ کیوں اٹھائے جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ جہت بلندی کی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے جہت ثابت ہوتی ہے تو جواب یہ ہے کہ آسمان دعا کا قبلہ ہے۔ اس قبلہ کی طرف ہاتھوں کا رخ کیا جاتا ہے۔ جیسے کعبہ نماز کا قبلہ ہے۔ اس لئے نماز میں چہرہ اور سینہ کا رخ اس طرف ہوتا ہے۔

اور امام غزالی فرماتے ہیں کہ:

فکذلک السماء قبلۃ الدعاء کما ان البیت قبلۃ الصلوٰۃ والمعبود بالصلوٰۃ والمقصود بالدعاء منزہ عن الحلول فی البیت والسماء. (الاقتصاد فی الاعتقاد ص ۲۳)

اسی طرح آسمان قبلہ ہے دعاء کا جیسے کعبہ قبلہ ہے نماز کا۔ اور نماز میں جو معبود ہے اور دعا میں جو مقصود ہے وہ اس بات سے پاک ہے کہ کعبہ یا آسمان میں حلول کرے۔

فائدہ:

۱۔ معلوم ہوا کہ جس طرح کعبہ کی طرف رخ کئے بغیر نماز ادا کی جائے تو نماز ادا نہیں ہوتی اور نہ ہی قبول ہوتی ہے۔ اسی طرح جسے مانگتے وقت گدایانہ صورت بنانا پسند نہ ہو وہ لینے کیلئے کیوں لپکے؟

۲۔ یہاں سے یہ ثابت ہوا کہ اگر قبر کے پاس ہاتھ اٹھا کر دعا نہ کی جائے تو مقبول نہیں۔ اگر دعا مقبول نہیں تو میت کو ثواب کس چیز کا پہنچے گا۔ گویا قبر کے پاس جا کر بغیر ہاتھ اٹھائے دعا کرنا ایک بے کار فعل ہوا۔

پس ثابت ہوا کہ دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا مسنون ہے۔ اس میں قبر اور غیر قبر کی قید نہیں۔

قبر کے پاس جا کر دعا کرنے کے سلسلے میں حضور ﷺ کی سنت فعلی ملاحظہ ہو۔

عن عائشۃؓ ...... ثم انطلقت علیٰ اثرہ حتیٰ جاء البقیع فقام. فاطال القیام ثم رفع یدیہ ثلاث مرات ثم انحرف. قال النووی فیہ استحباب الحالۃ الدعاء وتکریرہ ورفع الیدین فیہ وفیہ ان الدعاء القائم اکمل من دعاء المجالس فی

(حضور ﷺ رات کو جنت البقیع میں گئے) تو میں بھی انکے پیچھے چلی گئی۔ حتیٰ کہ آپ جنت البقیع میں پہنچے۔ دیر تک کھڑے رہے پھر ہاتھ اٹھا کر تین بار دعا مانگی۔ پھر واپس چلے آئے۔ امام نووی نے فرمایا کہ یہ استحباب دعائے طویل، تکرار دعا اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کی دلیل ہے۔ اس بات کا ثبوت ہے کہ قبر کے پاس کھڑا ہو کر دعا کرنا بیٹھ کر دعا کرنے کی نسبت زیادہ مکمل ہے۔

القبور. (مسلم ۱: ۳۱۱)

منکرین دعاء علی القبر نے دعا کرتے وقت قبر کی طرف پشت کرنے کا نظریہ جو پیش کیا ہے اسے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب کر کے اپنے دعویٰ کو تقویت پہنچانے کی کوشش کی ہے اسکی حقیقت ملاحظہ ہو۔ یہ درست ہے کہ علامہ کرمانی اور ابو اللیث سمرقندیؒ نے اس خیال کا اظہار کیا ہے لیکن یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ان دونوں کی رائے کو امام ابوحنیفہؒ کا مذہب قرار دیا جائے جبکہ امام صاحب کا اپنا قول اسکے برعکس موجود ہے۔ وھو ھذا:

عن ابی حنیفة عن نافع عن ابن عمر قال من السنة ان تاتی قبر النبی ﷺ من قبل القبلة وتجعل ظهرک الی القبلة وتستقبل القبر بوجهک ثم تقول السلام علیک ایها النبی ﷺ ورحمة الله وبرکاته. (مسند امام اعظمؒ ص ۲۷)

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ابن عمرؓ نے فرمایا کہ سنت طریقہ یہ ہے کہ تم حضور ﷺ کی قبر مبارک پر قبلہ کی طرف سے آؤ۔ پشت قبلہ کی طرف اور منہ مزار کی طرف ہو۔ پھر کہو السلام علیک...... الخ

وقال بعضهم رایت انس بن مالک اتی قبر النبی ﷺ فوقف فرفع یدیه حتیٰ ظننت انه افتتح الصلوٰة.

بعض صحابہؓ نے کہا کہ انسؓ بن مالک حضور ﷺ کے مزار پر جاتے تھے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر قبر کے پاس کھڑے ہو جاتے تھے۔ حتیٰ کہ مجھے خیال ہوتا تھا کہ شاید آپ نے نماز شروع کر دی ہے۔

قال مالک فی روایت ابن وهب اذا سلم علی النبی ﷺ ودعا یقف وجهه الی القبر لا الی القبلة. (شفاء فی حقوق المصطفیٰ ص ۲۳۵)

امام مالکؒ نے ابن وہب سے بیان کیا ہے کہ ابن وہب جب حضور ﷺ کی خدمت میں سلام پیش کرتے تو منہ قبر مبارک کی طرف ہوتا اور پشت قبلہ کی طرف کر کے دعا مانگتے تھے۔

فائدہ: ان روایات سے ثابت ہوا کہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب اور جلیل القدر صحابہ کا عمل یہی ہے کہ قبر کے پاس جائے تو منہ قبر کی طرف اور پشت قبلہ کی طرف ہو اور اس حالت میں دعا مانگو۔

آخر میں علامہ شوکانی کا فیصلہ ملاحظہ ہو۔

وجرب استجابة الدعاء عند قبور الصالحین بشروط معروفة. (تحفة الذاکرین: ۵۵)

تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ اولیاء اللہ کی قبروں کے پاس جا کر شرائط معروفہ کے ساتھ دعا کی جائے تو جلد قبول ہوتی ہے۔

غرض قبر کی طرف منہ کر کے کھڑے یا بیٹھے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا مسنون ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا یہی مذہب ہے۔ یہ خیال رہے کہ دعا اللہ تعالیٰ سے مانگی ہے۔ قبر سے نہیں۔

****

(۲۲) آداب مریدین مع الشیخ

زندگی یوں تو گزر ہی جاتی ہے مگر سلیقہ سے گزاری جائے تو اس کا لطف اس کے ثمرات اور اس کی کیفیت کچھ اور ہی ہوتی ہے، اسی طرح ہر کام کے کرنے کا سلیقہ ہوتا ہے، کچھ آداب ہوتے ہیں۔ انہیں ملحوظ رکھا جائے تو مطلوبہ فوائد حاصل ہونے کی توقع یقینی ہوتی ہے۔ تعلیم وتربیت ایک ایسی بڑی مہم ہے جو اپنی جگہ نازک بھی ہے اور مسلسل جدوجہد کی متقاضی بھی۔ اس میں ذرا سی بے احتیاطی عظیم نقصان کا سبب بن سکتی ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنے محسن اعظم اور مربی اعظم سے تعلیم وتربیت حاصل کرنے کے سلسلے میں اہم ہدایات دینے کا اہتمام فرمایا ہے، ارشاد ہوتا ہے:۔

يا ايها الذين امنوا لا ترفعوا اصواتكم فوق صوت النبي ولا تجهروا اله بالقول كجهر بعضكم لبعض ان تحبط اعمالكم وانتم لا تشعرون.

اے ایمان والو! اونچی نہ کرو اپنی آوازیں نبی کی آواز کے اوپر، اور اس سے نہ بولو تڑخ کر، جیسے تڑختے ہو ایک دوسرے پر، کہیں اکارت ہو جائیں تمہارے اعمال اور تمہیں خبر نہ ہو۔

ان الذين ينادونك من وراء الحجرات اكثرهم لا يعقلون ولو انهم صبروا حتىٰ تخرج اليهم لكان خيرا لهم...... الخ

جو لوگ پکارتے ہیں تجھ کو دیوار کے باہر سے، وہ اکثر عقل نہیں رکھتے۔ اور اگر وہ صبر کرتے، جب تک تو نکلتا ان کی طرف تو ان کو بہتر تھا۔

ان آیات کے تحت الابریز ص ۲۴۳ اور عوارف المعارف ۱: ۵۹ پر لکھا ہے کہ:

هكذا آداب المريد في مجلس الشيخ ان يكون مسلوب الاختيار لا يتصرف في نفسه وماله الا بمراجعة الشيخ وامره.

شیخ کی مجلس میں مرید کو چاہیے کہ ان آداب کو ملحوظ رکھے۔ شیخ کے سامنے اپنے اختیار سے دست بردار ہو جائے اپنی جان اور مال میں شیخ کے مشورہ اور حکم کے بغیر تصرف نہ کرے۔

شیخ کا کام بہ نیابت نبوت اپنے شاگردوں کی روحانی تربیت اور تزکیہ کرنا ہوتا ہے۔ اور شاگردوں کا کام صحابہ کرام کے اتباع میں حصول فیض ہوتا ہے۔ اس لئے تصوف وسلوک میں بھی آداب اصل اور سند کی حیثیت رکھتے ہیں چنانچہ فرمایا:۔

وللقوم في ذلك اقتداء واتباع برسول الله ﷺ واصحابه ومن صح اقتدائه واتباعه برسول الله ﷺ احبه الله تعالىٰ كما قال قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله.

اور صوفیائے کرام اس مسئلہ میں رسول خدا ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی اتباع کی وہ خدا کا محبوب بن گیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اے میرے حبیب، یہ بات برملا کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔

اس اتباع اور اس کے ثمرات کی صحیح تفسیر صحیحین میں یوں ملتی ہے۔

ما تقرب الي عبدي بمثل ما افترضت عليه ولا يزال عبدي يتقرب الي حتى احبه فاذا احببته كنت سمعه الذي يسمع به وبصره الذي يبصر به ويده التي يبطش بها وبي يسمع

میرا بندہ میرا قرب حاصل کرنے کے لئے جو کچھ کرتا ہے اس میں سے محبوب ترین وہ عبادت ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے۔ اور میرا بندہ ہمیشہ نوافل سے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ میں اسے محبوب بنا لیتا ہوں، اس وقت میں اس کے کان بن جاتا ہوں، جن سے وہ سنتا ہے، آنکھ بن جاتا ہوں، جس سے وہ دیکھتا ہے۔ ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا

وہی یبصر وہی یبطش	ہے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔
وہی یمشو	پھر وہ مجھی سے سنتا، دیکھتا، پکڑتا اور چلتا ہے۔

ظاہر ہے کہ بندے کا اصل کام اللہ کا قرب حاصل کرنا ہے۔ اس کا ذریعہ اتباع نبوی میں فرائض کی پابندی اور نوافل کی کثرت ہے، اس کا نتیجہ اللہ کا محبوب بن جانا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں انسان کا ارادہ اور پسند اللہ کے ارادہ اور پسند میں فنا ہو جاتا ہے۔ بظاہر اس کے اعضا حرکت کر رہے ہوتے ہیں حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی ذات کارفرما ہوتی ہے اور وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ کا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ سچ کہا عارف نے:

گفتہ او گفتہ اللہ بود　　　گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے حضور اکرم ﷺ کی ذات اقدس سے معاملہ کرنے کے آداب کی تعلیم دی ہے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ حضور ﷺ کے شاگردوں یعنی صحابہ کرامؓ نے ان آداب کا عملی مظاہرہ کس صورت میں کیا۔ وہی آداب شیخ کے سلسلے میں سالکین کے لئے اصل بھی ہیں اور قابل تقلید بھی، بلکہ دین کا شعبہ ہیں۔ اگر یہ آداب دین سے خارج ہوتے تو یقیناً نبی کریم ﷺ صحابہ کو منع فرما دیتے۔

اب ہم حضور اکرم ﷺ کی مجلس میں صحابہ کرامؓ کے بیٹھنے کی کیفیت ظاہر کرنے کے لئے چند مناظر پیش کرتے ہیں۔

حضور ﷺ کی مجلس میں صحابہ کرامؓ کی حالت

عن براء بن عاذب قال فجلس	(ایک مجلس میں نبی کریم ﷺ قبلہ رخ بیٹھ
النبی ﷺ مستقبل القبلة	گئے اور ہم بھی آپکے پاس بیٹھ گئے، مگر
وجلسنا معه کان علیٰ	کیفیت یہ تھی جیسے
روسنا الطیر	ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔

اور لمعات شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ:۔

ہیئت در نشستن صحابہ کرام در حضرت رسول	حضور ﷺ کی مجلس میں صحابہ کرامؓ کی
اللہ ﷺ در احادیث بسیار آمدہ و مذکور	یہ صورت بہت سی حدیثوں میں آچکی
است	ہے۔

مجلس میں بیٹھنے کی یہ صورت تب پیدا ہوتی ہے جب:۔

۱۔ آدمی کی توجہ شیخ کی ذات پر مرکوز رہے۔

۲۔ خیالات اور نگاہ ادھر ادھر نہ بھٹکتی پھرے۔

۳۔ کان اس طرف لگے رہیں کہ جانے کس وقت کوئی بات مرکز توجہ زبان سے نکلے اور سن کے پلے باندھ لی جائے۔

صحابہ کرامؓ کی یہ حالت صرف اسی وجہ سے ہوتی تھی کہ وہ حضور اکرم ﷺ کو مصدر ہدایت سمجھتے، اور اپنے آپ کو محتاج جانتے تھے۔ اسی نظریہ کے تحت سالک کو اپنے شیخ کی مجلس میں اس طرح بیٹھنا چاہئے کہ:۔

۱۔ اپنے قلب کا رخ شیخ کی طرف ہو۔ خیالات اور نگاہ کو آوارہ ہونے سے بچائے۔

۲۔ جو سالک سلوک کی اعلیٰ منازل میں جا رہے ہوں، وہ اپنی آخری منزل پر توجہ کر کے بیٹھیں کہ شیخ کے سینے سے فیض انعکاسی عمل کے ذریعے انہیں پہنچ رہا ہے۔

۳۔ جو سالک لطائف کر رہے ہوں انہیں اپنے لطائف پر خیال رکھ کر بیٹھنا چاہئے، جیسے بیٹری چارج کرنے کے لئے مین سے کنکشن کر کے رکھ دیا جاتا ہے اور چپکے چپکے کرنٹ آتی رہتی ہے اور بیٹری چارج ہوتی رہتی ہے۔ اسی طرح سالک اپنے قلب کا رابطہ شیخ کے ساتھ جوڑ کے بیٹھ رہے۔ قرب الٰہی کے کرنٹ سے قلب کی بیٹری چارج ہوتی رہے گی۔

صحابہؓ اور اطاعت رسول ﷺ

عن جابر قال استوی رسول	حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ خطبہ
اللہ ﷺ علی المنبر قال	کیلئے منبر پر بیٹھے تو فرمایا ''بیٹھ جاؤ'' ابن
اجلسوا فسمع ابن مسعود	مسعودؓ نے جب حضور ﷺ کی آواز سنی تو
فجلس علی باب المسجد	مسجد کے دروازے پر ہی بیٹھ گئے۔ حضور
فراہ رسول اللہ ﷺ فقال	ﷺ کی نگاہ پڑی تو فرمایا، ''آگے

تعال. آجاؤ"۔

اور خصائص الکبریٰ ۱:۱۶۵ پر علامہ سیوطی لکھتے ہیں:۔

عن عائشة قالت ان النبی ﷺ جلس یوم الجمعة علی المنبر فقال للناس اجلسوا فسمعه عبداللہ بن رواحه وهو فی بنی غنم فجلس مکانه

جمعہ کے روز حضور ﷺ منبر پر بیٹھے تو فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ عبداللہ بن رواحہ انصاری کے کان میں یہ آواز پڑی تو آپ اس وقت قبیلہ بنی غنم میں تھے وہیں بیٹھ گئے

ان دو روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ میں حضور ﷺ کے حکم کی تعمیل کا جذبہ کس درجے کا تھا۔ بیٹھنے یا بٹھانے کی علت دریافت کی، نہ اس کی علت کے متعلق سوچا، بس آواز سنی اور تعمیل کر دی۔

صحابہ کرامؓ کے اس عمل سے ارباب تصوف نے یہ ادب سیکھا کہ اگر شیخ کا حکم نصوص کے خلاف نہ ہو تو علت دریافت کئے بغیر شاگرد کو تعمیل کرنی چاہئے بعض اوقات شاگرد کے ذہن میں وہ علت نہیں ہوتی جو شیخ کے ذہن میں ہوتی ہے، جیسا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کے قصہ میں موجود ہے۔

صحابہ کرامؓ اور تعظیم نبوی ﷺ

نسیم الریاض شرح شفا ۲:۲۶۵

توفی معاویة بالشام حاکما بها سنة ستین وعمره ثمان وسبعون اوست وسبعون سنة وکان عنده ازار رسول اللہ ﷺ ورداءه وشیئ من شعره وظفره فکفن بردائه وازاره وحشی شعره وظفره بفیه ومنخره بوصیة منه

امیر معاویہ ۷۶ یا ۷۸ سال کی عمر میں ۶۰ھ میں شام میں فوت ہوئے جبکہ آپ وہاں کے حاکم تھے، ان کے پاس حضور ﷺ کی دو چادریں کچھ بال اور ناخن تھے ان چادروں میں ان کو کفن دیا گیا اور ناخن اور بال ان کے منہ اور ناک میں رکھ دئے گئے یہ سب کچھ ان کی وصیت کے مطابق کیا گیا۔

عوارف المعارف ۱:۱۰۶ پر ہے کہ ایک چادر امیر معاویہؓ نے کعب بن زہیر کی اولاد سے ۲۰ ہزار درہم کے بدلے خریدی تھی۔ امیر معاویہؓ نے کعب سے یہ چادر مانگی تھی، مگر انہوں نے انکار کر دیا تھا ان کی وفات پر ان کی اولاد سے ۲۰ ہزار میں خرید لی۔ واقعہ یوں ہے کہ جب کعب مسلمان ہوئے تو:

فرمی رسول اللہ ﷺ بردة کانت علیه فلما کان زمن معاویة بعث الیه ای الیٰ کعب بن زهیر بعنا بردة رسول اللہ ﷺ بعشرة الاف درهم فوجه الیه ماکنت لا وثر بثوب رسول اللہ ﷺ احدا فلما مات کعب بعث معاویة الی الاولاده بعشرین الفا واخذ البردة وهی البردة الباقیة عند الامام الناصر لدین اللہ الیوم عادت برکاتها علی ایام الزاهرة.

حضور ﷺ نے وہ چادر جو اوڑھ رکھی تھی کعب کی طرف پھینک دی جب حضرت معاویہ کا دور آیا تو آپ نے دس ہزار درہم میں یہ چادر خریدنا چاہی۔ کعب نے جواب دیا، اس چادر کو میں اپنے آپ سے زیادہ حقدار کسی کو نہیں سمجھتا۔ ان کی وفات کے بعد ان کی اولاد سے امیر معاویہؓ نے ۲۰ ہزار میں خرید لی اور ہاتھوں ہاتھ چلتی آئی۔ حتیٰ کہ شیخ شہاب الدین سہروردی کے زمانہ میں مصر کے خلیفہ الناصر الدین اللہ کے پاس پہنچ گئی۔

ان روایات سے یہ سبق ملتا ہے کہ شیخ کے لباس کی بھی تعظیم کرنی چاہئے۔ محبت اور ادب کا یہی تقاضا ہے۔

نسیم الریاض ۳:۱۵۷ اور روض الانف ۲:۳۲۱ میں حضور اکرم ﷺ کے ایک خط کا ذکر کیا گیا ہے جو آپ نے ہرقل روم کے نام بھیجا۔ ہرقل باوجود عیسائی ہونے کے آداب الانبیاء سے واقف تھا۔ اس نے اس خط کی حفاظت اور تعظیم کی وصیت کر دی تھی۔

ان هرقل وضع الکتاب الذی کتبه رسول اللہ ﷺ فی قصبة من ذهب تعظیما له وانهم لم یزالو یتوارثونه کابرا عن کابر

ہرقل روم نے حضور ﷺ کے نامہ مبارک کو بڑے احترام و تعظیم سے سونے کی ایک نلکی میں رکھا ہوا تھا اور رومی بادشاہوں کے پاس یہ خط یکے بعد دیگرے ورثے میں آتا رہا۔

اور فتح الباری میں:

وقال هذا کتاب نبیکم الی جدی قیصر مازلنا نتوارثونه الی الاٰن واوصانا اباؤنا مادام هذا الکتاب عندنا لایزال

عیسائی بادشاہ نے کہا یہ خط تمہارے نبی کا ہے۔ جو انہوں نے ہمارے جد امجد قیصر کی طرف لکھا تھا ہم اب تک اس خط کو میراث میں لیتے آئے ہیں۔ ہمارے اجداد نے ہمیں وصیت کی تھی کہ جب تک یہ خط ہمارے پاس محفوظ رہے گا حکومت ہم میں قائم

الملک فینا فنحن نحفظه ونعظمه ونکتمه من النصاری لیدوم الملک فینا.

رہے گی۔ اس لئے ہم اس کی حفاظت کرتے ہیں، تعظیم کرتے ہیں اور پوشیدہ رکھتے ہیں، تا کہ ہماری حکومت محفوظ رہے۔

فتح الباری میں یہ بیان اس واقعہ کے سلسلے میں جو قاضی نورالدین بن صائغ دمشقی نے بیان کیا کہ خلیفہ منصور عباسی نے مجھے ایک عیسائی بادشاہ کی خدمت میں بھیجا، اس نے ایک صندوق میں سے سونے کی ایک نلکی نکالی جو ریشمی رومال میں لپٹی ہوتی تھی اور اس نلکی میں سے وہ خط نکالا جس کا ذکر اوپر کی عبارت میں کیا گیا ہے۔ میں نے اس خط کو چومنا چاہا مگر بادشاہ نے اجازت نہ دی کہ خط بوسیدہ ہو چکا ہے، ضائع ہو جائے گا اور اس کے ضائع ہونے سے ہماری حکومت قائم نہیں رہ سکے گی۔

اہل اللہ نے اس سے یہ نتیجہ نکالا، جس طرح حضور ﷺ کے خط کی تعظیم کی وجہ سے مادی حکومت محفوظ رہی اسی طرح شیخ کے خط کی حفاظت اور تعظیم سے سالک کی روحانی حکومت محفوظ رہتی ہے۔ اسی وجہ سے مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے خطوط کی سینکڑوں نقلیں کر کے محفوظ کر لی گئیں۔ اس کے مقابلے میں خسرو پرویز نے حضور اکرم ﷺ کے خط کی توہین کی اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی سلطنت کے ٹکڑے کر دیئے اور حکومت ان کے ہاتھ سے جاتی رہی۔

حیرت ہوتی ہے کہ آج مسلمانوں کو کیا سوجھی کہ بڑے شوق، بلکہ فخر سے اپنے بیٹوں کے نام پرویز رکھتے ہیں اور جن کے والدین کو خدا نے اتنی حمیت عطا کی کہ اس نحوست سے بچ رہے اور اپنے بچوں کے اسلامی نام رکھے، بچوں نے بڑے ہو کر ماڈرن بننے کے شوق میں والدین کے رکھے ہوئے نام کے ساتھ پرویز کے لفظ کی ایک دم لگا دی، یعنی اس دشمن خدا اور رسول ﷺ سے انہیں ایسی محبت ہے کہ اس کے نام کو اپنے نام کا حصہ بنا دیا، بلکہ اصل نام تو غائب، صرف یہ ضمیمہ ہی رہ گیا۔

صحابہ کرامؓ اور محبت رسول ﷺ

بخاری ۱:۳۸ مقام حدیبیہ میں:۔

وما تنخم النبی ﷺ نخامة الا وقعت فی کف رجل منهم فدلک وجهه وجلده

صحابہ کرامؓ حضور ﷺ کی تھوک زمین پر نہ گرنے دیتے تھے، ہاتھوں میں لے کر اپنے منہ اور بدن پر مل لیتے تھے۔

اور بخاری ۱:۳۱

واذا توضاء النبی ﷺ کادوا یقتتلون علیٰ وضوئه

جب حضور ﷺ وضو کرتے تو جو پانی گرتا اس کو حاصل کرنے کے لئے صحابہ کرامؓ جھپٹتے تھے۔

ایسے واقعات اس امر کی دلیل ہیں کہ صحابہ کرامؓ کو حضور اکرم ﷺ سے انتہائی محبت تھی۔

صحابہ کرامؓ کا باہمی حفظ مراتب اور تعلیم نبوی ﷺ کا لحاظ رکھنا

حضرت عبداللہ ابن عباس حضرت ابی بن کعب کے گھر جا کر قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرتے تھے ان کا دستور یہ تھا کہ دروازہ نہ کھٹکھٹاتے، باہر بیٹھے، بلا اطلاع دیئے انتظار کرتے رہتے۔ حضرت ابی بن کعب کو یہ بات گراں گزری، چنانچہ:

فقال له ابی یوما هلا وقفت الباب یا ابن عباس فقال العالم فی قومه کالنبی فی امته وقد قال الله تعالیٰ فی حق نبیه علیه الصلوٰة والسلام ولو انهم صبروا حتیٰ تخرج الیهم لکان خیرا لهم. وقد رأیت هذه القصة صغیرا فعملت بموجبه مع مشائخی. (روح المعانی)

ایک روز حضرت ابی نے فرمایا، ابن عباس دروازہ کھٹکھٹا دیا کریں۔ انہوں نے جواب دیا کہ ایک عالم اپنی قوم میں وہی مقام رکھتا ہے جو نبی اپنی امت میں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے حق میں فرمایا ''اگر وہ انتظار کریں کہ حضور ﷺ خود ان کا خاطر گھر سے نکلیں تو یہ ان کے لئے بہتر ہوگا۔ میں نے یہ قصہ بچپن میں دیکھا، اور اپنے مشائخ کے ساتھ میں نے اسی کے مطابق رویہ اختیار کیا۔

اور محدث طبرانی اور حاکم نے اور امام غزالی نے احیاء العلوم میں باب آداب طالب علم و معلم میں بیان کیا ہے کہ امام شعبی نے بیان کیا کہ حضرت زید بن ثابت نے ایک مرتبہ نماز جنازہ پڑھی، پھر اپنے خچر پر سوار ہونے لگے تو عبداللہ بن عباسؓ نے دوسری رکاب تھام لی۔ آپ نے فرمایا۔ اے حضور ﷺ کے چچا زاد بھائی رکاب کو چھوڑ دیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہمیں یہی حکم ہوا ہے کہ علماء اور مشائخ کی تعظیم اسی طرح کریں۔ اس پر حضرت زیدؓ نے ان کے ہاتھ چوم لئے کہ ہمیں بھی یہی حکم ملا ہے۔

شیخ سے ملاقات کی غرض سے شاگرد باہر سے آئے تو اس کے لئے آیت ولو انهم صبروا اور صحابہ کرامؓ کے عمل سے یہ سبق ملتا ہے کہ شیخ کے گھر کا دروازہ نہ کھٹکھٹانا شروع کر دے، بلکہ اس وقت تک انتظار کرے، جب شیخ اپنے معمول کے مطابق باہر ملاقات کے لئے نکلے، ہاں اگر کوئی ضروری امر پیش آ جائے تو اندر اطلاع کر دے، پھر بھی آوازیں نہ دینے لگے نہ تقاضا کرے۔

صحابہ کرامؓ کی سیرت کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے واقعی شاگردی کا حق ادا کر دیا اور حضور ﷺ سے محبت، آپ کی تعظیم اور آپ کی اتباع

کی ایسی مثالیں چھوڑ گئے جو رہتی دنیا تک اللہ والوں کے لئے مشعل راہ کا کام دیتی رہیں گی اور محبت اور اتباع نبوی کے میدان میں اس اوج کمال تک پہنچے، کہ ان کی تقلید تو ضروری ہے مگر وہاں تک پہنچنا بس انہی کا کام تھا۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

تصوف وسلوک از ابتداء تا انتہا ادب ہی ادب ہے۔

شیخ اور سالک کا تعلق بظاہر استاد اور شاگرد کا سا نظر آتا ہے، لیکن حقیقت کے اعتبار سے ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ حصول تعلیم کے سلسلہ میں ایک شاگرد کے دل میں اگر استاد کا احترام موجود نہ ہو، جب بھی حصول علم میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی، مگر ایک سالک کو اپنے شیخ سے جس قسم کا قلبی تعلق ہوتا ہے اس میں اگر معمولی سا فرق بھی آ جائے تو حصول فیض میں بہت بڑی رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے شیخ جب سالک کو توجہ دینے لگتا ہے تو جہاں رحمت باری شیخ کی طرف متوجہ ہوتی ہے وہاں رضائے باری تعالیٰ بھی شیخ سے وابستہ ہوتی ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں شیخ کے واسطہ سے سالک کی طرف متوجہ ہوتی ہیں۔ سالک خواہ کتنے بلند منازل طے کر جائے اسکی باگ ڈور شیخ کے ہاتھ میں ہوتی ہے، جیسے کاغذ کی پتنگ ہوا میں خواہ کتنی بلند ہو جائے، اس کی ڈور اڑانے والے کے ہاتھ میں ہوتی ہے جب چاہے اسے اتارے یا موجودہ ایٹمی دور میں جس طرح فضا کی طرف جانیوالے راکٹوں کا کنٹرول زمین پر ہوتا ہے وہ خواہ ہزاروں میل زمین سے دور چلے جائیں اپنے مرکز کے کنٹرول سے جب چاہیں واپس لا سکتے ہیں۔

اس تعلق کو عوارف المعارف جلد دوم ص ۱۶ پر اس طرح سے بیان کیا گیا ہے:

التصوف کله ادب ولکل وقت ادب ولکل حال ادب ولکل مقام ادب ومن یلزم الادب یبلغ مبلغ الرجال ومن حرم الادب فهو بعید من الله ومردود

اور تصوف سارے کا سارا ادب ہی ہے، ہر وقت کے لئے ادب ہے، ہر حال اور ہر مقام کے لئے ادب ہے، جس نے ادب کو لازم پکڑا، وہ مردان خدا کے درجے پر پہنچا، اور جو ادب سے محروم ہوا وہ خدا سے دور اور مردود ہوا۔

ظاہری علوم اور تصوف میں ایک اور فرق بھی ہے کہ استاد کے بغیر بھی کسی نہ کسی درجے کا علم حاصل کیا جا سکتا ہے، مگر تصوف وسلوک کی راہ میں شیخ کامل کی رہبری کے بغیر چلنا محال اور قرب الٰہی کی منزل تک پہنچنا ناممکن۔

امام رازی نے اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیهم کی تفسیر میں فرمایا ہے۔

وفی هذا البدل اشارة ان الصراط المستقیم لا یتاتی بدون متابعة اهل الصراط المستقیم ولا یکفی فیه الزبر والاوراق. وهذا یدل علیٰ ان المرید لا سبیل له الی الوصول الیٰ مقامة الهدایة والمکاشفة الا اذا اقتدیٰ بشیخ یهدیه الی سواء السبیل وینجیه من مواقع الاغالیط والاضلال وذالک لان النقص غالب علی اکثر الخلق وعقولهم غیر وافیة بادراک الحق وتمییز الصواب عن الغلط فلا بد من کامل یقتدی به الناقص حتیٰ یتقوی عقل ذالک الناقص بنور عقل ذالک الکامل فحینئذ یصل الیٰ مدارج السعادة ومعارج الکمال.

اس بدل میں اشارہ ہے کہ انسان صراط مستقیم پر نہیں چل سکتا، جب تک اس راہ پر چلنے والے سابقہ لوگوں کی اتباع نہ کرے۔ اس راہ پر چلنے کے لئے صرف کتابوں کی ورق گردانی کام نہیں دے سکتی۔ اور یہ اس امر کی دلیل ہے کہ مرید طالب کے لئے ہدایت کے مقامات اور مکاشفات تک پہنچنے کا اس کے بغیر کوئی ذریعہ نہیں کہ کسی شیخ کامل کی اقتداء کرے جو اس کی رہنمائی کریگا اور اسے غلطیوں اور گمراہیوں سے بچائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نقص اکثر مخلوق پر غالب ہے اور صرف عقول انسانی ادراک حقیقت کے لئے ناکافی اور حق اور باطل میں کما حقہ تمیز کر لینا عقل انسانی کے بس کی بات نہیں لہٰذا یہ ضروری ٹھہرا کہ شیخ کامل کی تلاش کرے اور اس کی اقتداء کرے تاکہ اس ناقص کی عقل کامل کے نور عقل سے کامل بن جائے اور ناقص سعادت کے مدارج اور کمال کے اوج تک پہنچ سکے۔

اس آیت کی تفسیر سے ظاہر ہے کہ شیخ کامل کی رہنمائی کے بغیر منازل سلوک طے نہیں ہو سکتیں اور سالک کا مقصد وصول الی المحبوب ہوتا ہے۔ اور ارشاد ربانی والذین امنوا اشد حبا للہ کے تحت رب العالمین ہی مومن کا محبوب ہے۔ اور شیخ چونکہ محبوب تک پہنچانے والا ہے، شیخ بھی محبوب ہے، جس شیخ نے خدا کو سالک کا محبوب بنایا اور وہ خدا کا محبوب بنا جیسے فرمایا: یحبهم ویحبونه ایسا شیخ کیوں نہ محبوب ٹھہرے، لیکن شیخ کی محبت اور اظہار محبت میں حدود شرعی کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ فرط محبت میں شیخ کو خدا سمجھنے لگے یا شیخ کو سجدہ کرنے لگے، اول شرک اور ثانی قطعی حرام۔

یہ ضروری نہیں کہ شیخ لازماً مرید سے علم میں بڑا ہو یا ورع تقویٰ میں زیادہ ہو۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ شیخ سے جو علوم حاصل کرتا ہیں ان میں شیخ لازماً کامل اور مکمل ہو۔ دیکھ لیجئے حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضرؑ کے مقابلے میں علم اور ورع تقویٰ میں کہیں بڑھ کر تھے مگر وہ خاص علم حاصل کرنے کے لئے حضرت خضرؑ کے پاس تشریف لے گئے۔

شیخ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ مرید سے ہر حال میں شریعت کی پوری پابندی کرائے، کیونکہ شریعت سے ہٹ کر طریقت کا تصور زندقہ اور الحاد ہے۔

جامع کرامات اولیاء اللہ جلد نمبر ۱ صفحہ نمبر ۱۵۱ پر ارشاد ہے:۔

قال الشیخ ابو العباس لم تکن الاقطاب اقطابا والاوتاد اوتادا والاولیاء اولیاء الا بتعظیم رسول اللہ ﷺ ومعرفتهم به واجلالهم لشریعته وقیامهم بادابه

شیخ ابو العباس نے فرمایا کہ کوئی قطب قطب نہیں ہو سکتا، نہ اوتاد اوتاد ہو سکتے ہیں، اور نہ کوئی ولی ولی ہو سکتا ہے، جب تک کہ اس کے دل میں حضور اکرم ﷺ کی تعظیم نہ ہو اور آپ کی شریعت اور اس کے احکام بجا نہ لائے۔

کسی شیخ سے تعلق رکھنے اور مدتیں گزر جانے کے باوجود اگر سالک کے دل میں نہ شریعت سے لگاؤ پیدا ہو، نہ اسلامی شعائر کی تعظیم کا جذبہ اور نہ شریعت کے احکام کی پابندی کا شوق پیدا ہو تو نہ ایسا شخص شیخ ہے، نہ ایسا مرید سالک دونوں خود فریبی اور خدا فریبی میں مبتلا ہیں۔

سالک کو احکام شریعت کی پابندی کرنے اور فرائض وواجبات کی پابندی کا خوگر بنانے اور اتباع سنت کا شوق پیدا کرنے کے بنیادی کام کے ساتھ ساتھ شیخ کو اپنی بصیرت سے سالک کے قلب کی زمین کا جائزہ لینا چاہئے۔ اس کی فطری صلاحیت کے مطابق اس کی روحانی تربیت کرنی چاہئے۔ ذکر الٰہی بالخصوص ذکر اسم ذات سے اس کی روحانی تربیت شروع کرے، جیسے ایک زمیندار زمین کی نوعیت کے مطابق اس میں تخم ریزی کرتا ہے اور اس بیج سے فصل اگتے، نشوونما پاتے اور پھل دیتے ہیں، اسی طرح جب سالک کے قلب میں اسم ذات راسخ ہو جائے گا تو اسے اعلیٰ منازل سلوک کی طرف رہنمائی کرے گا۔ پھر شیخ، سالک کی استعداد اور صلاحیت کے مطابق کسی کو ذکر لسانی کرائے گا، کسی کو لطائف کسی کو فنا و بقا اور سلوک کی اعلیٰ منازل کی طرف لے جائیگا۔ اگر شیخ کامل تمام سالکین کو شروع ہی سے سب لطائف کرانا شروع کردے تو یہ محض دعوت عام کے فرض کی ادائیگی کی ایک صورت ہے، جس میں کسی کی تخصیص نہیں۔ ہاں! لطائف کے بعد سلوک کے اونچے منازل سالک کی استعداد کے مطابق ہی کرائے جاسکتے ہیں۔ اور یہ صورت حضور اکرم ﷺ کی اس سنت کے عین مطابق ہے کہ کلموا علیٰ قدر عقول الناس

شیخ شہاب الدین سہروردی نے عوارف المعارف جلد نمبر ۱ صفحہ نمبر ۴۴ پر فرمایا ہے۔

ورتبة المشیخة من اعلی الرتب فی طریقة الصوفیه ونیابة النبوة فی طریق الدعوة الی الله وینبغی ان یکون دعوته عامة یدعوا لکل احد علی الاطلاق

مشیخت کا مرتبہ تصوف کے اعلیٰ مراتب سے ہے۔ اور دعوت الی اللہ کے سلسلے میں نیابت نبوت کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے شیخ کا فرض ہے کہ وہ ہر ایک کو دعوت عام دے۔

روحانی تربیت کا عمل اس طرح کیا جائے جس طرح ایک شفیق باپ اپنی اولاد کی تربیت کرتا ہے، بلکہ شیخ کی شفقت ماں باپ کی شفقت سے کہیں زیادہ ہوتی ہے جیسا کہ امام رازی نے تفسیر کبیر جلد نمبر ۱ صفحہ نمبر ۲۶۱ پر فرمایا:۔

ان الشیخ مقدم من الاب والام لان الاباء والامهات یحفظونه من نار الدنیا و آفاتها والمشائخ یحفظونه من نار الأخرة واشتدادها

شیخ کا مرتبہ ماں باپ سے اونچا ہے، کیونکہ ماں باپ دنیا کی آگ اور اس کی آفتوں سے بچاتے ہیں اور شیخ اسے دوزخ کی آگ اور اس کی سختی سے بچاتے ہیں۔

علامہ ابراہیم عبیدی مالکی نے اپنی کتاب 'عمدۃ التحقیق فی بشائر آل الصدیق' کے ص ۳۳۰ پر فرمایا:

الولد علیٰ قسمین ولد صلب وولد قلب وعند العارفین ولد القلب مقدم علیٰ ولد الصلب

اولاد دو قسم کی ہوتی ہے: نسبی اور قلبی۔ صوفیاء عارفین کے نزدیک قلبی اولاد نسبی سے مقدم ہے

قلبی اولاد کی اس برتری کی وجہ یہ ہے کہ والد نسبی اپنی اولاد کے بدن کی پرورش مادی غذا سے کرتا ہے اور یہ دونوں فانی ہیں، اور شیخ سالک کی روحانی تربیت ذکر الٰہی کی غذا سے کرتا ہے۔ اور یہ دونوں غیر فانی اور ہمیشہ رہنے والی ہیں، اور یہ ظاہر ہے کہ باقی رہنے والی چیز فنا ہونے والی چیز سے مقدم ہے۔ مولانا جامی نے شیخ کامل کے اسی پہلو کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے بیٹے کو وصیت فرمائی:

بکار نیک گردد یار ور تو	بکوئے نیک نامی رہبر تو
چنیں یارے کہ یابی خاک او شو	اسیر حلقۂ فتراک او شو
مکن با صوفیان خام یاری	کہ باشد کار خاماں خام کاری

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ شیخ ایک تو روحانی باپ ہے، دوسرا استاد اور سب سے بڑھ کر یہ کہ شیخ سے سالک کو وہ چیز حاصل ہوتی ہے جو انبیاء علیہم السلام کی میراث ہے۔

اخذ فیض کیلئے آداب

۱۔ شیخ کامل سے اخذ فیض اور کامل تربیت حاصل کرنے کے لئے سب سے پہلے یہ امر ضروری ہے کہ طالب کے دل میں شیخ سے پوری عقیدت ہو، اور وہ پوری استقامت سے اس پر جما رہے۔ تصوف کی اصطلاح میں اسے توحید مطلب کہتے ہیں جامع کرامات اولیاء اللہ جلد نمبر ا ص ۲۴۸ پر ارشاد ہے:

ینبغی للمرید ان یکون راسخ القدم لا یزیحہ کل شیئی عما ھو فیہ ولا یبدل اعتقادہ فی شیخہ بوجہ من الوجوہ اصلا حتیٰ لو حضر لا یلتفت الیہ۔

مرید کے لئے ضروری ہے کہ وہ راسخ القدم ہو اسے کوئی چیز اس راہ سے ہٹا نہ سکے اور اپنے شیخ کے متعلق اس کی عقیدت میں تبدیلی نہ آئے۔ حتیٰ کہ اگر حضرت خضرؑ بھی سامنے آجائیں تو ان کی طرف توجہ نہ کرے۔

یہ صورت اس وقت ضروری ہے، جب ایک طرف شیخ کامل ہو اور دوسری طرف طالب صادق ہو، اور اگر کسی وجہ سے کسی ناقص آدمی سے کوئی طالب صادق تعلق قائم کرلے اور اسے کوئی روحانی فائدہ نہ پہنچے۔ اور ظاہر ہے کہ جو خود ناقص ہے وہ دوسرے کو کیا سلوک سکھائے گا تو ایسی صورت میں طالب صادق کو کسی شیخ کامل کی تلاش کرلینی چاہئے۔ ورنہ یہ ثابت ہوگا کہ وہ طالب مولیٰ نہیں شخصیت پرستی کے مرض میں مبتلا ہے اور اگر یہ صورت ہو کہ نہ شیخ کامل اور نہ طالب صادق تو یہ تعلق محض ایک بیپ ہوگی، جس کا تصوف وسلوک سے کوئی تعلق نہیں۔ پہلی صورت میں طالب صادق کو یہ دیکھ لینا چاہئے کہ جس شیخ سے اس کا تعلق ہے اس کے ہزاروں مریدوں میں سے اگر چند ایک بھی ایسے نہیں ملتے جن کو سلوک کی راہ میں ترقی حاصل ہوئی تو بس سمجھ لیجئے کہ شیخ کے ناقص ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اس لئے ایسے شیخ کو ترک کرنا فرض ہے۔ شیخ کامل تو ان لوگوں کو اللہ کے فضل سے عارف باللہ بنا دیتا ہے، جن کی زندگیاں نائٹ کلبوں میں ناچ گانے اور پینے پلانے کے شغل میں گزری تھیں۔

۲۔ شیخ سے غلط بیانی نہ کرے، بات صاف صاف کرے

الصدق اجمل واحسن ولا تستعمل الکذب ایاک والکذب علی الشیخ۔ (جلد ا ص ۲۴۸)

سچ بات بہت اچھی اور عمدہ چیز ہے، اور طالب کو چاہئے جھوٹ نہ بولے شیخ کے سامنے اور شیخ کے متعلق جھوٹ بولنے سے بچتے رہو۔

۳۔ شیخ کے ساتھ خیانت کا برتاؤ نہ کرے حتیٰ کہ شیخ کے کلام راز اور اسرار کے معاملے میں بھی امانت کا ثبوت دے جو شخص معمولی چیزوں میں خیانت کا مرتکب ہو وہ اسرار الٰہی اور مناصب باطنی کے معاملے میں کب امین بنایا جاسکتا ہے اس سلسلے میں بے احتیاطی سے مناصب بھی سلب ہوجاتے ہیں۔

۴۔ جو کچھ اپنی ذات کے لئے محبوب جانتا ہے شیخ کی ذات کے لئے بھی محبوب جانے۔

۵۔ شیخ کی بات غور سے سنے اور اس پر دل سے کاربند ہو شیخ کی مجلس میں شیخ کی بات سننے کی نیت سے جائے، اپنی بات سنانے کا شوق لے کر نہ جائے۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا کہ میں نے ایک آدمی کو ابوحفص نیشاپوری کی خدمت میں دیکھا جو نہایت خاموشی سے شیخ اور رفقاء کی خدمت میں مصروف ہے۔ میں نے اس کے متعلق پوچھ گچھ کی مجھے ایک رفیق نے بتایا۔

قال ھذا انسان یصحب ابا حفص و یخدمنا وقد انفق علی الشیخ مایۃ الف درھم کانت لہ واستزاد مائۃ الف درھم اخریٰ وانفقھا علیہ ولم یتکلم بکلمۃ واحدۃ۔

یہ آدمی حضرت ابوحفص کی خدمت میں رہتا ہے اور ہم سب کی خدمت کرتا ہے۔ اس نے اپنے شیخ کے لئے دو لاکھ درہم خرچ کردیئے ہیں مگر اب تک شیخ کے سامنے ایک کلمہ بھی زبان سے نہیں نکالا۔

۶۔ شیخ سے اس بات کا مطالبہ یا تقاضا نہ کرے کہ مجھے اگلے منازل سلوک میں ترقی دی جائے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو فرمایا۔

انی اصطفیتک علی الناس برسلتی وبکلامی فخذ ما اتیتک وکن من الشکرین۔

اے موسیٰ میں نے تجھے اپنے پیغامات کے لئے چن لیا ہے، اس لئے جو کچھ میں نے تجھے دیا اسے لے لے اور شکر گزاروں میں سے ہوجا۔

اس لئے طالب صادق کو چاہئے کہ جو منازل سلوک طے ہوتے ہیں ان کی حفاظت کرے اور اللہ کا شکر ادا کرے۔ اللہ اپنے وعدے کے مطابق اور عطا کرے گا۔

۷۔ شیخ کی مجلس میں بیٹھا ہو تو شیخ کے چہرے کی طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر نہ دیکھے، بلکہ اپنے قلب کی طرف متوجہ ہو کر ذکر قلبی میں مشغول رہے، یا اپنے منازل کی نگہداشت کرے۔

۸۔ شیخ سے کوئی بات پوچھے تو سیکھنے کی غرض سے اور طالب علمانہ انداز سے پوچھے، اعتراض کے طور پر کوئی سوال نہ کرے، کیونکہ شیخ پر اعتراض مانع فیض ہے، جیسا کہ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے عوارف المعارف میں فرمایا:

من لم یعظم حرمت الشیخ فی الجواب حرم برکتہ — جس شخص نے شیخ کے جواب کا احترام ملحوظ نہ رکھا، وہ شیخ کے فیض سے محروم ہوگیا۔

ومن قال فی جواب الشیخ "لا" انہ لا یفلح ابدا. — اور جس نے شیخ کی بات کے جواب میں "نہیں" کہہ دیا وہ کبھی کامیاب نہیں ہوگا۔

اگر شیخ کی رائے سے بہتر کوئی صورت سالک کی معلومات میں موجود ہو تو یوں کہے کہ اس مسئلے کی ایک اور صورت بھی ہے ممکن ہے وہ بہتر ہو۔

۹۔ چلتے وقت شیخ کے آگے نہ چلے، کما قال تعالیٰ لا تقدموا بین یدی اللہ ورسولہ۔ یعنی اپنے مربی کی عزت اور اس کا احترام کرنا اللہ اور رسول کا احترام ہے۔

۱۰۔ شیخ کی خدمت میں جب حاضر ہو خالی ہاتھ نہ جائے جیسا کہ تھادوا تحابوا میں یہ ادب سکھایا گیا ہے، ہاں شیخ کے لئے ضروری ہے کہ وہ مرید کے مال پر نگاہ رکھ کے نہ بیٹھا ہو، اس کو اشراف نفس یا اشراف الیٰ مال المرید کہتے ہیں یہ جائز نہیں۔

۱۱۔ شیخ کی عدم موجودگی میں شیخ کے مقرر کردہ خلیفہ کا احترام اسی طرح کرے جس طرح شیخ کا احترام کرتا ہے، اس میں کوتاہی نہ کرے۔ بالخصوص اصحاب مناصب کی عزت اور احترام نہایت ضروری ہے اور یہ ادب اور احترام حدود شرعی کے اندر ہو۔

۱۲۔ جس شیخ سے فیض لینا مقصود ہو اس کے پاس مدعی بن کر نہ جائے۔ اپنے کمالات کا اظہار نہ کرتا رہے۔ حضرت موسیٰؑ اور خضر کے واقعہ میں کیا عمدہ تعلیم دی گئی ہے۔ حضرت موسیٰؑ کے الفاظ قابل غور ہیں:

ھل اتبعک علیٰ ان تعلمن مما علمت رشدا. — کیا میں آپ کی پیروی اس غرض سے کروں کہ آپ مجھے وہ کچھ سکھائیں جو بھلائی آپ کو سکھائی گئی ہے۔

اتباع اور اطاعت نہ کرنے سے انسان مرتبہ انسانیت سے گر جاتا ہے۔

فیض الباری ۳: ۲۷۷۔

فالکلب بعد طاعۃ مالکہ صار فی حکم المالک ای فی حکم الانسان والمالک بمعصیۃ مولاہ صار اسوء من الکلب — کتا اپنے مالک کی اطاعت کی وجہ سے انسان کے حکم میں آگیا اور انسان اپنے رب کی نافرمانی کرکے کتے سے بھی برا بن گیا۔

دیکھئے شکاری کتا سدھانے سے مالک کا پوری طرح مطیع ہو جاتا ہے اس لئے جب اسے شکار پر چھوڑا جاتا ہے تو اس کا مارا ہوا شکار حلال ہوتا ہے، گویا کتا ذابح انسان کے حکم میں آگیا۔ اور بلعم باعور جیسا انسان اپنے رب کی نافرمانی کرکے جانوروں سے بدتر ہوگیا۔

۱۳۔ شیخ کی وفات کے بعد بھی شیخ کا ادب اسی طرح کرنا چاہئے جیسے شیخ کی زندگی میں کیا جاتا ہے۔ اور شیخ کے رشتہ داروں کا بھی ادب احترام کرنا چاہئے۔

۱۴۔ شیخ کے سامنے شیخ کے آنے پر کھڑا ہو جانا اظہار ادب کی ایک صورت مروج ہے۔ لیکن اس میں اختلاف بھی ہے، اس سلسلے میں احتیاط کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ فیض الباری جلد۴ ص ۶۵ میں ذکر کیا گیا ہے۔

واعلم ان القیام للموقیر رخصۃ او مستحب اذا کان ھذا المعظم یقصدہ نحوہ ویجیء الیہ واما اذا کان یذھب لحاجۃ لہ فلا. — یہ بات جان لو کہ شیخ یا استاد کے لئے کھڑا ہونے کی اجازت ہے یا مستحب طریقہ ہے۔ بشرطیکہ وہ قابل احترام ہستی اس شخص کی طرف آرہی ہو۔ اور اگر وہ بزرگ اپنے کسی کام کے لئے جا رہے ہوں تو پھر نہ اٹھے۔

اسی طرح استاد یا شیخ کے ہاتھوں کو چومنا بھی جائز ہے، ہاں، یہ دیکھ لینا چاہئے کہ شیخ کہیں ایسا نہ ہو جس نے عمر بھر ہاتھ بھی نہ دھوئے ہوں، اظہار ادب کی یہ صورت مستحسن یا مستحب سمجھنے کے بعد اپنی طرف سے اضافہ کرکے نئی نئی صورتیں اختیار کرنے کی اجازت نہیں، مثلاً شیخ کے سامنے انحناء یا سجدہ کرنا قطعاً حرام ہے۔

****

(۲۳) باب الکرامات

اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام افضل ترین اور برگزیدہ ہستیاں ہوتی ہیں، وہ خدا کے بندوں کی ہدایت کے لئے وقتاً فوقتاً مبعوث ہوتے رہے ہیں۔ حتیٰ کہ حضور اکرم ﷺ کی ذات اقدس کے مبعوث ہونے پر یہ دین مکمل ہوگیا اور سلسلہ نبوت ختم ہوا۔ ہر نبی کو اس سلسلے میں بے حد مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ حتیٰ کہ پورا معاشرہ اور وقت کی حکومت اور اس کی ہر طاقت انبیاء کے مقابلے میں آوازِ حق کو دبانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ادھر انبیاء ہمیشہ بے سروسامانی کے ساتھ میدان عمل میں آتے رہے۔ ان کے پاس کوئی مادی طاقت نہیں ہوتی تھی، فوج نہ اسلحہ نہ خزانہ۔ ظاہر ہے کہ طاقت کے مقابلے میں اپنی صداقت اور برتری کا ثبوت مادی طاقت کی برتری کے بغیر کیا ہوسکتا ہے، مگر انبیاء کرام نے اپنی صداقت کی سند کے طور پر ہمیشہ ایسے امور پیش کئے جو خرق عادت سے تعلق رکھتے ہیں انہی کو اصطلاح میں معجزہ کہتے ہیں۔ انبیاء کرام کے معجزات سے تاریخ انسانی بھری پڑی ہے۔ انبیاء کرام کی میراث ان کی تعلیمات اور ان کے معجزات ہوتے ہیں۔ اور اس دنیا سے ان کے رخصت ہوجانے پر ان کی میراث ان کی روحانی اولاد کو منتقل ہوتی ہے، بشرطیکہ وہ روحانی اولاد ان کی کامل متبع ہو، کیونکہ نافرمان اولاد کو تو عاق کردیا جاتا ہے اور وہ مادی ورثہ سے بھی محروم ہوجاتی ہے۔ اسلئے نبی کے کامل متبع کو ولی اللہ کہتے ہیں اور اولیاء کرام ہی کو انبیاء کی روحانی میراث ملتی ہے چنانچہ نبی کا معجزہ جب ولی کو بطور وارثت پہنچتا ہے، تو اس کا اصطلاحی نام کرامت ہوتا ہے، جس طرح نبی کا معجزہ اس کی نبوت کی سند ہوتا ہے اسی طرح ولی کی کرامت اس کی ولایت کی سند ہوتی ہے اور ولی کی کرامت درحقیقت اس نبی کا معجزہ ہوتا ہے جس کا ولی متبع ہوتا ہے۔

امام رازی نے اربعین ص ۳۷۶ پر فرمایا:

انما قلنا ان الا تقی افضل بقوله تعالیٰ ان اکرمکم عند الله اتقکم فالبات الکرامة مقرون بذکر التقوی یدل علی ان تلک الکرامة معللة بالتقوی فحیث کان التقوی اکثر وجب ان تکون الکرامة والفضیلة اکثر	ہم کہتے ہیں کہ تقویٰ افضل ہے، کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ تم میں سب سے افضل وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ ولی کی کرامت کا مقرون بالتقویٰ ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ بغیر متقی صالح کے کرامات کا صدور محال ہے۔ جہاں تقویٰ زیادہ ہوگا وہاں کرامت و فضیلت بھی زیادہ ہوگی۔

اسی طرح الیواقیت والجواہر ۲: ۱۰۳ پر علامہ شعرانی فرماتے ہیں کہ:

لا یکون حظ الکرامة لولی الا بتعالمن هو وارثه من الانبیاء ولذلک کان خواص هذه الامة	کرامت صرف اس ولی سے صادر ہوتی ہے جو اپنے نبی کا کامل متبع ہو، اسی وجہ سے وہ ولی اس امت کے خواص میں سے ہوتا ہے۔

معلوم ہوا کہ کرامت کا صدور متقی، صالح اور کامل متبع سنت کے بغیر کسی سے نہیں ہوسکتا، کیونکہ وہی نبی کی صحیح روحانی اولاد ہے۔ اور الیواقیت والجواہر ا: ۱۶۵ پر ہے کہ:

اعطی الله الکرامة للاولیاء التی هی فرع المعجزات ما کان معجزة للنبی جاز ان یکون کرامة لولی	اولیائے کرام کو اللہ تعالیٰ نے کرامتیں عطا فرمائی ہیں۔ کرامت فرع ہے معجزہ کی، جو چیز نبی کا معجزہ ہے وہی ولی کی کرامت ہے۔

کرامت گو ولی کی ذات سے صادر ہوتی ہے، مگر حقیقت میں وہ اس نبی کا معجزہ ہوتا ہے جس کا وہ ولی کامل متبع ہوتا ہے۔

کرامات اولیاء تواتر سے ثابت ہیں۔

اولیائے کرام کا وجود کسی ایک دور یا خطہ کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ ہر دور میں اور ہر ملک میں اولیائے کرام پائے جاتے رہے، اس لیے ان کی کرامات کا وجود بھی ہر دور میں ملتا ہے۔ اسی لئے وہ حد تواتر تک پہنچ چکی ہیں۔

فیض الباری ۴: ۱۹۸:

قد تواترت الاخبار فیها ای فی الکرامة بحیث لا یسوغ منها الانکار ولکن من یحرم عن الخیر یجعل رزقه انه یکذب بالکرامات والبرکات ویزعمه مستحیلا	متواتر اخبار کرامات کے صدور میں اس قدر وارد ہوچکی ہیں کہ ان کا انکار جائز ہی نہیں، ہاں جس کو اللہ تعالیٰ نے اچھائی سے محروم کردیا ہو اس کا حصہ ہی تکذیب کرامات و برکات اولیاء ہے، اور وہ اسے محال خیال کرتا ہے۔

امام ذہبی جو جماعت صوفیہ کے سخت مخالف ہیں، کرامات اور ان کے انکار کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

اعلم ان الله تعالیٰ عز و جل قد اخبرنا وهو صدق الصادقین والقائلین بان عرش بلقیس عرش عظیم فقال ولها عرش عظیم وما نحیط الأن علما بمفاصیلها ای تفصیل عرشها ولا بمقداره ولا بماهیته وقد اتی به بعض	خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی اور اس سے زیادہ سچی خبر دینے والا اور کوئی نہیں کہ بلقیس کا تخت بڑا عظیم تھا۔ اتنا بڑا کہ ہم اس کی تفصیل نہ سمجھ سکتے ہیں، نہ بیان کرسکتے ہیں۔ نہ اس کی مقدار و ماہیت سمجھ سکتے ہیں اور یہی عظیم تخت حضرت سلیمانؑ کی رعیت کا ایک آدمی اٹھا لایا تھا، اور آنکھ جھپکنے سے

رعية سليمان عليه السلام الى	پہلے حضرتؒ کی خدمت میں پیش کردیا۔
بين يديه قبل ارتداد طرفه	
كما قال تعالىٰ انا اتيك به	جیسا کہ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے۔
قبل ان يرتد اليك طرفك	اس لئے کرامات اولیاء کا انکار ایک
فسبحان الله العظيم فما ينكر	جاہل آدمی کے بغیر کوئی نہیں کرسکتا۔ بھلا
كرامات الاولياء الا جاهل	اس عظیم تخت کے آنکھ جھپکنے کی دیر میں
فهل فوق هذه كرامة الىٰ ان	لے آنے سے بڑھ کر بھی کوئی کرامت
قال ولا مجال للعقل في ذلك	ہوسکتی ہے؟ یہ بات عقل کی دسترس سے
بل امنا وصدقنا. (كتاب	باہر ہے، اس لئے ہم اس کے بغیر کچھ
العلود العرش ص ٥٦)	نہیں کہہ سکتے کہ ہم ایمان لائے او
	رکرامت اولیاء کی تصدیق کی۔

اسی کتاب کے ص ن ۱۹۳ پر امام ذہبی نے کرامات کے تواتر کے سلسلے میں بیان کیا ہے:

سمعت الحافظ اباالحسن	میں نے حافظ ابوالحسن سے سنا وہ کہتے ہیں
يقول سمعت الشيخ	کہ میں نے شیخ عزالدین بن عبدالسلام سے
عزالدين بن عبدالسلام	مصر میں سنا کہ فرماتے تھے مجھے تواتر کے
بمصر يقول ما نعرف احدا	ساتھ جتنی کرامتیں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی
كراماته متواترة كالشيخ	معلوم ہوئی ہیں کسی اور ولی اللہ کی اتنی نہیں
عبدالقادر رحمه الله تعالىٰ.	پہنچیں

امام ذہبی کے بیان سے دو باتیں واضح ہوگئیں کہ:

۱۔ کرامات اولیاء تواتر سے ثابت ہیں۔

۲۔ کرامات کا انکار صرف وہی آدمی کرسکتا ہے جو جاہل مطلق ہو۔

ابن الحجرؒ نے فتاوی الحدیثیہ ص ۴۷ پر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے متعلق فرمایا۔

ان الله من عليه من	اللہ تعالیٰ نے شیخ عبدالقادرؒ پر جو احسان فرمایا،
المعارف والخوارق	اس کا اظہار ان کے معارف اور ان کی کرامات
الظاهرية والباطنية وما	سے ہوتا ہے، اور ان سے جو امور ظاہر ہوئے،
نبأ عنه ماظهر عليه	جو ہم تک پہنچے، یہ سب اللہ کا ان پر احسان ہے۔
وتواتر من احواله	اور ان کے یہ حالات تواتر کے ساتھ منقول ہوئے ہیں۔

اور امام یافعی نے شیخ کی کرامت کے متعلق کفایۃ المعتقد ص ۲۹۵ پر فرمایا:

وقد ذكر بعض اهل العلم ان	بعض علماء نے ذکر کیا کہ شیخ جیلانیؒ کی
كراماته قرب من التواتر قلت	کرامات تواتر کے قریب ہیں، میں

رعیۃ سلیمان علیہ السلام الی بین یدیہ قبل ارتداد طرفہ

پہلے حضرتؒ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

کما قال تعالیٰ انا آتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک فسبحان اللہ العظیم فما ینکر کرامات الاولیاء الا جاھل فھل فوق ھذہ کرامۃ الیٰ ان قال ولا مجال للعقل فی ذلک بل امنا وصدقنا۔ (کتاب العلود العرش ص ٥٦)

جیسا کہ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے۔ اس لئے کرامات اولیاء کا انکار ایک جاہل آدمی کے بغیر کوئی نہیں کر سکتا۔ بھلا اس عظیم تخت کے آنکھ جھپکنے کی دیر میں لے آنے سے بڑھ کر بھی کوئی کرامت ہوسکتی ہے؟ یہ بات عقل کی دسترس سے باہر ہے، اس لئے ہم اس کے بغیر کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ہم ایمان لائے او رکرامت اولیاء کی تصدیق کی۔

اسی کتاب کے ص ن ۱۹۳ پر امام ذہبی نے کرامات کے تواتر کے سلسلے میں بیان کیا ہے:

سمعت الحافظ ابالحسن یقول سمعت الشیخ عزالدین بن عبدالسلام بمصر یقول ما نعرف احدا کراماتہ متواترۃ کالشیخ عبدالقادر رحمہ اللہ تعالیٰ۔

میں نے حافظ ابوالحسن سے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے شیخ عزالدین بن عبدالسلام سے مصر میں سنا کہ فرماتے تھے مجھے تواتر کے ساتھ جتنی کرامتیں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی معلوم ہوئی ہیں کسی اور ولی اللہ کی اتنی نہیں پہنچیں

امام ذہبی کے بیان سے دو باتیں واضح ہوگئیں کہ:

۱۔ کرامات اولیاء تواتر سے ثابت ہیں۔

۲۔ کرامات کا انکار صرف وہی آدمی کر سکتا ہے جو جاہل مطلق ہو۔

ابن الحجرؒ نے فتاوی الحدیثیہ ص ۴۷ پر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے متعلق فرمایا۔

ان اللہ من علیہ من المعارف والخوارق الظاھریۃ والباطنیۃ وما نبا عنہ ماظھر علیہ وتواتر من احوالہ

اللہ تعالیٰ نے شیخ عبدالقادرؒ پر جو احسان فرمایا، اس کا اظہار ان کے معارف اور ان کی کرامات سے ہوتا ہے، اور ان سے جو امور ظاہر ہوئے، جو ہم تک پہنچے، یہ سب اللہ کا ان پر احسان ہے۔ اور ان کے یہ حالات تواتر کے ساتھ منقول ہوئے ہیں۔

اور امام یافعی نے شیخ کی کرامت کے متعلق کفایۃ المعتقد ص ۲۹۵ پر فرمایا:

وقد ذکر بعض اھل العلم ان کراماتہ قرب من التواتر قلت قرب حصول العلم بوجودھا من العلم القطعی الحاصل بکثرۃ الرواۃ البالغین حدالتواتر المعروف بکثرۃ المخبرین عنھا۔

بعض علماء نے ذکر کیا کہ شیخ جیلانیؒ کی کرامات تواتر کے قریب ہیں، میں کہتا ہوں انکی کرامات کے وجود کا علم قطعی طور پر حاصل ہو چکا ہے، اور اس کی وجہ ان کرامات کی خبر دینے والے راویوں کی کثرت ہے یہ کثرت حد تواتر تک پہنچتی ہے۔

امام ذہبی، حافظ ابن حجر اور امام یافعی اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت شیخ عبدالقادرؒ کی کرامات حد تواتر تک پہنچتی ہیں اور ظاہر ہے کہ جس کو علم سے ذرا سا مس بھی ہو، وہ متواترات کا انکار نہیں کر سکتا۔

علامہ شعرانی نے اسنی المطالب فی احادیث مختلفۃ المراتب ص ۲۶۱ پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اک قول نقل کیا ہے جو قول فیصل ہے فرمایا:

لا یابی الکرامۃ الا حمار رواہ دیلمی وقال من قول علی رضی اللہ عنہ

کرامت ولی کا انکار صرف ایک گدھا ہی کر سکتا ہے

کرامت کے انکار میں معتزلہ سب سے پیش پیش ہیں ان کے علاوہ تاریخ میں دو نام اور ملتے ہیں، ابن حزم اور ابو اسحٰق اسفرائنی۔ ان کے انکار کی بنیاد اس بات پر ہے کہ اگر ولی سے کرامت صادر ہو تو نبی کے معجزہ اور ولی کی کرامت میں فرق کیا رہ جائے گا؟ اس حقیقت کا اظہار ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں صفحہ ن ۴۵۱ پر فرمایا ہے۔

علامہ انور شاہ کاشمیری نے فیض الباری میں ۲:۶۱ پر لکھا ہے کہ ابن حزم کرامات کا منکر نہیں تھا، اور کتاب النبوات میں ابن تیمیہ نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا ہے۔

ثم قال ابن حزم الی قائل باستجابۃ الدعاء مع انکارہ الکرامۃ قلت اذا اشتمل الدعاء علی امر خارق للعادۃ فھو الکرامۃ فلم یبق النزاع الا فی التسمیۃ فما الفائدۃ فی انکار الکرامۃ۔ (فیض الباری ۲: ٦١)

ابن حزم نے انکار کرامت کے باوجود یہ کہا کہ میں دعا کی قبولیت کا قائل ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ جب قبولیت دعا خرق عادت کے طور پر ثابت ہوگئی تو بھی کرامت ہے پھر تنازعہ محض لفظی رہ گیا، پھر ایسے انکار کا کیا فائدہ؟

یعنی حقیقت کرامت کا اقرار ہے اور لفظ کرامت کا انکار۔ حالانکہ کرامت کے لئے یہ شرط تو نہیں دعا کے بغیر ہی ظاہر ہو، بلکہ دعا بھی اکثر بطور کرامت ہوتی ہے۔ صاحب کرامت ولی خدا سے ایک چیز کی درخواست کرتا ہے، پھر خدا تعالیٰ کی طرف سے اس چیز کا ظہور ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر نے پہلے خدا سے دعا کی، پھر وہ عرش حاضر ہوگیا۔

علامہ ابو اسحاق الفرائنی کے رد میں ابن خلدون کہتا ہے:-
یہ عقلی احتمال ہے کہ کرامت اور معجزہ میں فرق کیا رہ جائیگا؟ عقلی بحثیں حقائق کو جھٹلا نہیں سکتیں۔ مشاہدات اور واقعات کے سامنے عقلی احتمالات کیا حقیقت رکھتے ہیں؟ ہزار ہا اولیاء اور صوفیاء سے کرامتیں ظاہر ہوئی ہیں۔ سلف صالحین اور صحابہ کرامؓ سے کرامتیں ظاہر ہوئی ہیں ان تمام مشاہدات کو کون غلط ثابت کرسکتا ہے؟ اگر کوئی شخص ایسی غلطی کرتا ہے تو اس کی وجہ ہٹ دھرمی، ضد اور عناد ہے عقلی احتمالات نہیں۔

اس موقع پر معجزہ، کرامت، سحر اور کہانت میں فرق واضح کردینا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ فرق فاعلی

نبی، پاکیزہ نفس، پاکیزہ صفات، پاکیزہ اخلاق ہوتا ہے اس کے اعمال صالحہ ہوتے ہیں۔ مخلوق کا خیر خواہ داعی الی اللہ حق کی طرف رہنمائی کرنے والا، صادق القول، پاکیزہ تعلیم دینے والا۔ طالب آخرت، تارک الدنیا، ذکی الطبع اور عادل ہوتا ہے۔

کاہن و ساحر:

خبیث النفس اور خبیث الصفات ہوتا ہے، اپنے فن سے مخلوق کو نقصان پہنچانے والا بد اخلاق، بد اعمال، جھوٹا، دنیا پرست ہوتا ہے، وہ حب جاہ، حب مال کا مریض ہوتا ہے، کما قال اللہ تعالیٰ:

هل انبئكم علىٰ من تنزل کیا میں بتاؤں کہ شیطان کس پر نازل الشيطين تنزل علىٰ كل ہوتے ہیں؟ ہر جھوٹے اور گنہگار پر نازل افاک ایم يلقون السمع ہوتے ہیں وہ ان کی باتوں پر کان لگاتے واكثرهم كاذبون. ہیں، اور ان میں اکثر جھوٹے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جن کی خبروں کا ماخذ شیاطین ہوں جھوٹ کے بغیر اور بول ہی کیا سکتے ہیں۔ اور شیاطین سے اخذ فیض کرنے والا، بدکار کے بغیر کون ہوسکتا ہے؟

۲۔ فرق مادی۔

کاہن کے فن کا مدار القائے شیطانی اور امداد ارواح خبیثہ پر ہوتا ہے، جیسا کہ مندرجہ بالا آیت سے ظاہر ہے۔

نبی کا معجزہ بلا سبب اور بلا کسب ہوتا ہے۔ جیسا کہ ید بیضا اور عصائے موسیٰ علیہ السلام ان کا سبب رب العالمین کی قدرت اور نبی کی طہارت و پاکیزگی تھی۔

۳۔ فرق صوری

صورت ہمیشہ اپنے مادہ کے تحت ہوتی ہے۔ مادہ خبیث ہے تو صورت بھی خبیث، کہانت کا مادہ امداد و القائے شیطانی ہے، اس لئے صورت بھی خبیث ہوتی ہے۔ نبی کے معجزہ کا مادہ، رب العالمین کی قدرت ہے تو صورت بھی پاکیزہ ہوتی ہے۔

۴۔ علت غائی

علت غائی ہمیشہ ظاہر امر کے تابع ہوتی ہے، جیسے فرعون اور آل فرعون کو غرق کرکے مصر کو کفر و شرک اور ظلم و تعدی سے پاک کرنا مقصود تھا، اور بنی اسرائیل کو اس ظلم سے نجات دلا کر برتری اور فضیلت کے انعام سے نوازنا تھا۔ یہ اس معجزہ کی علت غائی تھی۔

۵۔ کہانت اور جادو

کہانت اور جادو موقوف ہے کسب اکتساب تعلیم و تعلم اور ذاتی کوشش پر اور نبوت اور معجزہ میں ان میں سے کوئی بات بھی نہیں پائی جاتی۔

۶۔ کہانت اور جادو کا تعلق خرق عادت امور سے نہیں، ہاں امور عجیبہ اور غریبہ سے ہے جس شخص نے یہ علم یا فن نہ سیکھا ہو اس کے لئے تو یہ امور عجیب بھی ہوں گے اور خرق عادت بھی، مگر جس دوسرے شخص یا جن اشخاص نے کہانت یا جادو کا فن سیکھ لیا اس کے لئے نہ یہ امور عجیبہ ہوں گے، نہ خرق عادت ہونگے۔

نبی کے معجزہ کے مقابلے میں کوئی انسان یا جن اس پر قادر نہ ہوگا کہ ایسی بات کرسکے۔ کیونکہ معجزہ کا تعلق کسب و اکتساب سے نہیں۔ بلکہ یہ تو وہبی ہوتا ہے۔

۷۔ جادو کے اثر کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ جس پر جادو کیا گیا ہے اگر جادوگر اس سے توجہ ہٹالے تو جادو کا اثر زائل ہوجاتا ہے، معجزہ میں یہ بات نہیں۔

۸۔ جادوگر جب کسی کامل ہستی کے مقابلے میں آئے تو اس وقت صرف جادو کا اثر ہی زائل نہیں ہوتا، بلکہ جادو کے تمام آلات بھی نیست و نابود ہوجاتے ہیں۔ جیسا کہ ساحرین فرعون کے ساتھ ہوا۔ ساحرین کے لیڈر نے اپنے ایمان لانے کی وجہ بتاتے ہوئے یہ کہا تھا کہ ہم ہمیشہ جادوگروں سے مقابلہ کرتے آئے ہیں زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا ہے کہ جادو کا اثر زائل ہوجاتا ہے، یہ منظر کہیں نہیں دیکھا کہ ہماری تمام رسیاں سوٹیاں اور سارے آلات کو لاٹھی والا سانپ نگل گیا۔ اس کے باوجود پھر وہی چھ فٹ لاٹھی کی لاٹھی ہی رہی۔

۹۔ جادوگر کی غفلت سے جادو کا اثر زائل ہو جاتا ہے۔ نبی کے معجزہ کی یہ کیفیت نہیں ہوتی۔ فیض الباری ۴: ۳۹ پر ایک واقعہ منقول ہے کہ ایک لڑکے نے اپنے والد سے سوال کیا کہ حضرت موسیٰ کے نبی ہونے کی کیا دلیل ہے۔ والد نے کہا کہ جب حضرت موسیٰ سو رہے ہوں تو ان کا عصا لے لینا، اگر وہ سانپ بن گیا تو معجزہ ہے ورنہ جادو۔

فذهب وجعل يجر عصاه	لڑکا گیا۔ عصائے موسیٰ لے لیا، وہ
فانقلب ثعبانا وكاد الغلام ان	سانپ بن گیا۔ قریب تھا کہ لڑکا ہلاک
يهلك.	ہو جائے۔

معجزہ، جادو اور کہانت میں جو فرق ہے، ہم نے اجمالی طور پر بیان کر دیا ہے۔

۱۰۔ معجزہ اور کرامت میں فرق

ولی کی کرامت دراصل اس نبی کا معجزہ ہوتا ہے جس کا وہ متبع ہوتا ہے۔ جیسا کہ ''الیواقیت والجواہر'' کے حوالہ سے بیان کیا جا چکا ہے۔ اور جب کرامت کے صدور کے لئے نبی کی کامل اتباع شرط ہے تو کرامت ولی، معجزہ نبی کی فرع ٹھہری۔ اس لئے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ ہر عجیب بات جو کسی سے ظاہر ہو، کرامت نہیں ہوا کرتی، بلکہ کرامت کا اطلاق صرف اس خرق عادت امر پر ہوتا ہے جو کسی کامل متبع شریعت سے ظاہر ہو۔ معجزہ کا اظہار نبی کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ اسی طرح کرامت کا صادر ہونا ولی کے اختیار کی چیز نہیں دونوں من جانب اللہ ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے اظہار کے لئے انبیاء اور اولیاء کی برگزیدہ ہستیوں کو منتخب کر لیتا ہے۔

کرامت کی دو قسمیں ہیں، اول معنوی، جسے اہل دانش و بینش سمجھتے اور اس سے متاثر ہوتے ہیں، اور یہی حقیقی کرامت ہے۔

اعلم ان اعظم الكرامات	خوب سمجھ لو کہ اولیاء کی سب سے بڑی
واجلها النبی للاولياء دوام	اور عظیم کرامت شریعت کی کامل اتباع
التوفيق للطاعات والعبادات	اس پر استقامت خلاف شرع امور
والحفظ من المعاصي	سے بچ کر رہنا ہے۔
والمخالفات	

ان کی یہ کرامت جب ماحول پر اثر انداز ہوتی ہے تو اللہ کی مخلوق جو خدا سے دور ہو چکی ہوتی ہے، اس کی کشش سے اللہ کی یاد اور اللہ کی عبادت کی طرف کھنچی چلی آتی ہے۔ اور ان کے دل میں یقین اور ایمان کی شمعیں روشن ہونے لگتی ہیں۔ اور انہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کا خیال آنے لگتا ہے۔ رذائل دور ہوتے ہیں اور فضائل کے حصول کا جذبہ اور شوق پیدا ہونے لگتا ہے۔ اولیاء اللہ کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایک ہستی نے بالکل نامساعد حالات میں دعوت الی اللہ کا کام کر کے ہزاروں بگڑے ہوئے لوگوں کو اللہ کا بندہ بنا دیا۔ عوام تک ہی محدود نہیں، ان بے نوا فقیروں نے بیسیوں شاہان وقت کو راہ ہدایت پر لگا دیا۔

دوسری قسم کرامت حسی ہے۔ یہ عوام کے ذہنوں کو متاثر کرتی ہے۔ چونکہ ان کی ذہنی سطح پست ہوتی ہے، اس لئے معنوی کرامت کو وہ لوگ سمجھ ہی نہیں پاتے، اور ان کی نگاہیں حسیات اور مادیات میں ہی اٹک کر رہ جاتی ہیں۔ چنانچہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک شخص ان کی خدمت میں دس برس رہا۔ آخر مایوسی کی کیفیت کے ساتھ واپس ہونے لگا، آپ نے وجہ پوچھی، کہنے لگا بڑی شہرت سنی تھی کہ جنید بڑا ولی اللہ ہے۔ مگر دس برس میں ایک کرامت بھی نہیں دیکھی۔

حضرت نے فرمایا کہ اس عرصے میں جنید کا کوئی کام ایسا بھی دیکھا جو سنت نبوی ﷺ کے خلاف ہو؟ کہنے لگا ایسا تو نہیں۔ فرمایا، یہی سب سے بڑی اور حقیقی کرامت ہے۔

کرامت کے سلسلے میں ایک سوال بعض نابالغ ذہنوں میں ابھرتا ہے اور زبان پر آتا ہے کہ جب ولی کی کرامت اپنے اختیار میں نہیں ہوتی تو کشف قبور بھی اپنے

بس کی بات نہیں، کیونکہ کشف بھی تو کرامت ہی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں شک نہیں کہ تمام مخلوقات کا مالک اور مختار کل اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ انسان ہی کو دیکھئے اسے پیدا کرنا، وجود بخشنا اللہ کے اختیار میں ہے، دیکھنے کے لئے آنکھیں ایک آلہ ہے، آنکھیں دینا اور ان میں بینائی پیدا کرنا صرف اسی کے اختیار میں ہے، پھر دیکھنے کی قدرت دینا بھی اسی کے اختیار میں ہے آنکھ کو دیکھنے کیلئے استعمال کرنا انسان کا کام ہے۔ جب آنکھیں کھلی ہیں ان میں بینائی بھی ہے تو ظاہر ہے کہ جب کوئی چیز سامنے آئے گی تو نظر بھی آئے گی، ہاں، اس چیز اور آنکھ کے درمیان کوئی پردہ حائل ہو جائے تو اور بات ہے۔ ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ آنکھ کھلی بھی ہو اس میں بینائی بھی ہو اور وہ دیکھے نہیں اسی طرح جب دل کی آنکھ بینا ہو جاتی ہے اور حجاب اٹھ جاتا ہے تو لطیف چیزیں ملائکہ، جن، عذاب و ثواب قبر جنت دوزخ اجمالی طور پر نظر آنے لگتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو اصول بصارت کے لئے مقرر فرمایا ہے، وہی اصول بصیرت کے دائرے میں بھی کارفرما ہے جس طرح سر کی آنکھ جس میں بصارت دیکھنے کے لئے آزاد ہے، جب تک عارضی طور پر کسی حکمت کے تحت کسی چیز کے دیکھنے سے روک نہ دیا جائے اسیطرح دل کی آنکھ جسمیں بصیرت ہے وہ لطیف اشیاء کو دیکھنے کیلئے آزاد ہے جب تک عارضی طور کسی حکمت کے تحت اللہ تعالیٰ کوئی پردہ حائل نہ کردے۔

کسی کامل شیخ کی رہنمائی میں اللہ کے ذکر کی کثرت سے جب دل کی آنکھ وا ہو جاتی ہے تو کشف یا الہام وجدان جیسی نعمتیں مل جایا کرتی ہیں۔

کشف والہام تک حواس وعقل کی رسائی نہیں ہو سکتی، اس لئے ان کا انکار بھی کر دیا جاتا ہے، ابن خلدون نے اس سلسلے میں پتے کی بات کی ہے فرماتے ہیں:۔

''کشف وعلم مغیبات کا مسئلہ آیات متشابہات کے مانند ہے کہ مطلب نہیں کھلتا اور صوفیاء کے ذوق ووجدان پر اس کی بناء ہے جس کو ان صوفیاء جیسا ذوق نہیں وہ ان کے کلمات کو کیا حل کر سکتا ہے، واضع لغت نے ان کشفیات اور وجدانیات صوفیہ کے لئے کوئی الفاظ وضع نہیں کئے کہ ان سے ان کے کلام کی عقدہ کشائی کی جائے۔ چونکہ اہل لغت وغیرہ ان معانی کے لئے الفاظ وضع کرتے ہیں جو حواس ظاہری سے معلوم ہو سکتی ہیں۔ صوفیہ کے امور باطنی کیلئے الفاظ وضع ہی نہیں کئے گئے۔ اب جو شخص ان کے رنگ میں رنگین ہو کر ان کے کلام کو شریعت کی روشنی میں حل کرے تو اس شخص کی خوش بختی ہے اور سب سے اعلیٰ بات یہ ہے کہ صوفیاء کے اس کلام کی گتھی سلجھانے کی کوشش ہی نہ کی جائے، جو علمائے ظواہر کے فہم سے بالاتر ہے۔''

ملا علی قاری نے ٹھیک فرمایا کہ جس نعمت سے انسان محروم ہوتا ہے، اس کا انکار ہی کر دیتا ہے۔ اب ہم چند اولیاء اللہ کی کرامات کا ذکر کرتے ہیں، صحابہ کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ صحابیت وہ شرف ہے کہ اس کے مقابلے میں ولایت کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔

۱۔ المرشدی؛

اصل نام محمد بن عبداللہ بن ابی المجد ابراہیم ہے، المرشدی کے نام سے مشہور تھے۔ علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کے بعد یمن کے علاقہ میں مرشدی نام ایک بستی میں مقیم ہو گئے۔ یہ بستی ریگستانی علاقے میں ایسے موقع پر آباد تھی جو حاجیوں اور عام قافلوں کی گزرگاہ تھی۔ علامہ ابن حجر محدث کبیر حافظ العصر نے ''درکامنہ'' ۴:۳۶۳ میں لکھا ہے کہ:

قریة صغیرة فی طریق الرمل — ریگستانی راستہ پر چھوٹی سی بستی ہے۔

انہی کی زبانی ان کے گھر کی حالت بھی سن لیجئے۔ دررکامنہ ۴:۳۶۲

لیس لا خادم ولا عرف لہ طباخة ولا قدر ولا مغرفة ولا موقد نار — ان کا نہ کوئی خادم تھا، نہ کھانا پکانے والی کوئی عورت تھی، نہ ہانڈی تھی، نہ چمچہ، نہ کوئی آگ جلانے والا تھا۔

اس سے زیادہ بے سروسامانی اور کیا ہو سکتی ہے؟

اب ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب کے چند مناظر ملاحظہ ہوں۔ (۱) درکامنہ ۴:۳۶۳

كانت له احوال وهمة في خدمة الناس وضيافتهم بحيث يطعم كل من صغير وكبير وقليل و كثير.

لوگوں کی خدمت اور ان کی مہمان نوازی ان کا خاص وصف تھا۔ ان کا طریقہ تھا کہ جو وہاں سے گزرتا، چھوٹا ہو یا بڑا، کم آدمی ہوں یا زیادہ سب کو کھانا کھلاتے تھے۔

۲۔ امام یافعی نے اپنے چشم دید حالات بیان کئے ہیں کہ ایک چھوٹا سا حجرہ تھا، جب کوئی مسافر آتا آپ اکیلے اس کمرے میں جاتے اور چند منٹوں کے بعد اس کے مزاج اور خواہش کے مطابق کھانا لاکر حاضر کر دیتے۔ ''مراۃ الجنان'' ۴:۲۹۶

ياتيه الامراء والوزراء و غيرهم من اهل الدنيا لو اجتمع عنده اكثر عسكر في الوراى لعجل اليهم في الحال ما احب من القرى

ان کے پاس دنیادار امراء وزراء تک آتے، اگر ان کے پاس مخلوق کے لشکر ہی آجاتے تو فوراً ان کا من بھاتا کھانا حاضر کر دیتے تھے۔

۳۔ حافظ ابن حجر نے ''درکامنہ'' ۱:۴۸۶ پر بیان کیا ہے کہ مصر میں بکتمر الساقی کے نام سے ایک بہت بڑا امیر تھا، جس کے پاس ایک لاکھ غلام تھے، اس کے گھوڑوں کا اصطبل ۹۵ لاکھ اشرفیوں سے تیار ہوا تھا اور گھوڑوں کی خدمت کے لئے ایک سو سائس مقرر تھے۔ یہ امیر اپنے خادموں اور غلاموں کے ہمراہ شیخ المرشدی کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا اور شیخ ان سب کو کھانا کھلاتے تھے، اور کھانا بھی معمولی نہیں ہوتا تھا، بلکہ حافظ نے لکھا ہے:۔

كان يخرج للحاضرين الاطعمة الفاخرة لا يوجد الا في القاهرة او دمشق

حاضرین کے لئے اس اعلیٰ قسم کا کھانا پیش کرتے تھے جو قاہرہ دمشق جیسے بڑے شہروں کے بغیر کہیں نہیں مل سکتا تھا

(۱:۴۶۳)

اس پر طرہ یہ کہ:

يقدم لكل احد ما يقع في خاطره.

ہر شخص کو اس کی ذاتی پسند کے مطابق کھانا ملتا تھا۔

اس سلسلے میں امام یافعی نے ''مراۃ الجنان'' ۴:۲۹۳ پر اپنا واقعہ بیان کیا ہے۔

كان في نفسي شهوة طعام مخصوص ما كنت ذقته في جميع عمري احضره في ذلك السماط.

مدت سے میرے دل میں ایک خاص قسم کے کھانے کی خواہش تھی اور عمر بھر وہ مجھے میسر نہ آیا تھا۔ المرشدی نے وہ کھانا اپنے دسترخوان پر مجھے پیش کیا۔

۴۔ ایک دفعہ المرشدی حج کے لئے تشریف لے گئے شیخ نے اعلان کیا کہ پورے قافلے کے آنے جانے کا خرچ میرے ذمے ہوگا اس کا نقشہ امام یافعی نے ''مراۃ الجنان'' میں یوں پیش کیا۔

ينفق كل ليلة عليهم تارة الفا و تارة اكثر وانفق في ثلاث ليالي ما قيمته الف دينار وفي خمس ليالي اخولي ما قيمة نحو خمسة و عشرين الفا

ایک رات کبھی ایک ہزار اور کبھی اس سے زائد خرچ اٹھتا تھا، تین رات کا خرچ ایک ہزار اشرفی اور بعد کی پانچ راتوں میں پچیس ہزار اشرفیاں خرچ کیں۔

اس سلسلے میں دو باتیں قابل غور ہیں، اول یہ کہ کھانا پکانے کا انتظام اعلیٰ پیمانے پر ہو، سو اس کے متعلق بیان ہو چکا ہے کہ نہ کوئی خادم، نہ بیوی، نہ ہانڈی، نہ چمچہ، بلکہ آگ تک نہیں جلائی جاتی تھی۔ دوسری یہ کہ کوئی بڑا خزانہ پاس ہو جس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تو ممکن ہے کہ لوگ نذرانہ پیش کرتے ہوں۔ ان دونوں باتوں کے متعلق دو بیان ملاحظہ ہو

۱. لم يكن يقبل لاحد شيئا — کسی سے کوئی چیز قبول نہ کرتے تھے۔

۲. وکان یخدم الواردین بنفسه ولا یدخلها احد غیره وغاب هنیئة واحضر لکل واحد منهم ما اقترح.

مسافروں کی خدمت خود ہی کرتے تھے، اس کمرے میں ان کے سوا کوئی داخل نہ ہوتا تھا۔ تھوڑی دیر کے لئے اندر جاتے اور ہر آدمی کی خواہش کے مطابق کھانا حاضر کردیتے تھے۔

ان دو مادی اسباب کے بغیر کوئی تیسری صورت باقی نہیں رہ جاتی، مگر علامہ ابن تیمیہ نے ایک اور احتمال پیش کیا ہے، شیخ الرشدی علامہ موصوف کے ہم عصر تھے جب شیخ کے حالات سنے تو کہنے لگے کہ جنات یہ کھانے لاتے ہوں گے۔ خدا جانے علامہ موصوف کو یہ کیوں نہ سوجھی کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے اور اس نے اعلان کیا ہے کہ ویرزقہ من حیث لا یحتسب اور اس نے حضرت عیسیٰ کے لئے روٹیاں آسمان سے نازل کردی تھیں اور حضرت مریم کو بے موسم کے پھل بغیر کسی ظاہری واسطہ کے پہنچاتا تھا۔ علامہ کے اس عقلی احتمال کی خود ذہبی کا ایک قول تردید کررہا ہے۔ کتاب النبواۃ ص ۲۶۵ پر لکھتے ہیں:

من یکون اخباره عن شیاطین تخبره لا یکاشف اهل الایمان والتوحید واهل القلوب المنورة بنور الله بل یهرب منهم یعترف انه لا یکاشف هولاء وامثالهم فاهل الایمان والاخلاص لا سلطان له علیهم ولهذا یهربون.

جن لوگوں کو شیاطین الجن خبریں پہنچایا کرتے ہیں، ان کے متعلق معلوم ہونا چاہئے کہ ارباب ایمان، اصحاب توحید اور روشن ضمیر لوگ جن کے دل انوار خداوندی سے منور ہوں شیاطین الجن ان سے دور بھاگتے ہیں۔ ان کے دل کی باتوں سے شیاطین واقف نہیں ہوسکتے، اہل ایمان اور مخلص لوگوں پر شیاطین غالب نہیں آسکتے بلکہ ان سے بھاگتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جب اولیاء اللہ سے شیاطین الجن دور بھاگتے ہیں۔ اور ان کے دل کے حالات سے واقف نہیں ہوسکتے تو ان کی خدمت کیونکر کرسکتے ہیں، اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا شیخ موصوف میں ان اوصاف کا پایا جانا ثابت ہے۔ امام یافعی ''مراۃ الجنان'' ۴: ۲۹۱ پر لکھتے ہیں:۔

الشیخ الکبیر الولی الشهیر ذوالعجائب العظمة والکرامات الکریمة والهمم العالیة والشمائل المرضیة والمکاشفات الجلیلة والآیات الباهرة والانوار الظاهرة.

شیخ کبیر مشہور ولی اللہ عظیم عجائبات کے مالک بڑی بڑی کرامات والے، عالی ہمت، اعلیٰ اوصاف کے مالک، بڑے بڑے مکاشفات اور واضح انوار اور بڑی کرامات کے مالک تھے۔

امام ذہبی کی زبانی الرشدی کے حالات سنئے۔ حالانکہ امام ذہبی صوفیاء کے سخت مخالف تھے۔ علامہ ابن حجر نے ''دررکامنہ'' میں امام ذہبی کے حوالہ سے نقل کیا ہے:۔

کان یتکلم علی الخواطر وکان قلیل الدعوی وعدیم الشطح حسن المعتقد.

لوگوں کے دلوں کا حال بتایا کرتے تھے، بڑائی کا دعویٰ نہ تھا اور اچھے عقیدے کے مالک تھے۔

معلوم ہوا کہ شیخ الرشدی ان اوصاف کے مالک تھے جن کے پاس شیاطین الجن بار نہیں پاسکتے تھے، چنانچہ امام یافعی نے علامہ کے جواب میں لکھا ہے:۔

فان الجان لیس لهم اطلاع علی خواطر الناس و علی بواطن العباد وما خطر فی بواطنهم نعوذ بالله من سوء الاعتقاد.

جنوں کو لوگوں کے دلوں کے حال معلوم نہیں ہوسکتے نہ ان کے باطن سے وہ واقف ہوسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس بد اعتقادی سے پناہ میں رکھے۔

لہذا علامہ ابن تیمیہ کا احتمال عقلی ان کے اپنے بیان کردہ قانون کے مطابق غلط ثابت ہوا۔ جہاں تک دل کے منور ہونے کا تعلق ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ جس شخص کے لطائف منور ہو کر راسخ ہوجائیں۔ پھر مراقبات ثلاثہ راسخ ہوجائیں تو جنات اس پر قابو نہیں پاسکتے اور شیاطین اس سے بھاگتے ہیں، اس وقت عارف کا

سینہ آسمان کی مانند ہو جاتا ہے اور لطائف کے انوار ستاروں کی مانند ہو جاتے ہیں تو جس طرح اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو رجوماللشیاطین بنایا ہے، اسی طرح اللہ کے ذکر سے جب سینہ عارف منور ہو جاتا ہے تو شیاطین اور جن اس سے بھاگتے ہیں۔ پھر الرشدی جیسے عارف کامل کے پاس جن آئیں، اور لوگوں کی دلی خواہش کے مطابق کھانے لائیں بھلا کیونکر ممکن ہو سکتا ہے؟ اس لئے یہ جنوں کی کارروائی نہیں، بلکہ شیخ کی کرامت ہے۔

آخر میں ایک اور واقعہ بھی بیان کر دیتے ہیں کہ الرشدی کے پاس مصر کا بادشاہ الناصر آیا کرتا تھا، علامہ عبدالرؤف مناوی اور ابن بطوطہ نے اسے چشم دید واقعہ کے طور پر لکھا ہے۔

۲۔ محمد بن حمزہ:۔

اصلی نام شمس الدین تھا۔ آپ روحانی طبیب ہونے کے علاوہ طب جسمانی میں بھی ماہر تھے فن طب میں ان کی تصانیف بھی ملتی ہیں۔ طب میں ان کی ریسرچ بھی از قبیل کرامت ہے۔ جامع کرامات اولیاء اللہ۔ ۱:۲۷۳۔

۱. ان الاعشاب كانت تناديه وتقول انا شفاء من مرض الفلاني.	جڑی بوٹیاں ان کو پکار پکار کر کہتی تھیں کہ میں فلاں مرض کی دوا ہوں۔

۲۔ سلطان محمد فاتح نے جب قسطنطنیہ پر حملہ کرنا چاہا تو شیخ کو جہاد میں شرکت کی دعوت دی۔ شیخ نے سلطان کے قاصد احمد پاشا سے کہا کہ فلاں دن، فلاں تاریخ دن کے گیارہ بجے قلعہ فتح ہو جائے گا۔

فقال الشيخ سيدخل المسلمون القلعة في موقع الفلاني في اليوم الفلان في وقت ضحوة الكبرى.	شیخ نے فرمایا کہ فلاں جگہ، فلاں روز دن کے گیارہ بجے کے قریب مسلمان قلعہ میں داخل ہو جائیں گے۔

اتفاق دیکھئے کہ وقت قریب آ گیا مگر قلعہ فتح ہونے کی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ شیخ کی اولاد میں سے ایک آدمی کو فکر لاحق ہوئی کہ شیخ کی بات پوری نہ ہوئی تو ممکن ہے بادشاہ شیخ پر تشدد کرے۔ وہ دوڑتا ہوا شیخ کے خیمہ کی طرف گیا۔ اندر جھانکا تو دیکھا کہ شیخ ننگے سر ہیں، سجدے سے سر اٹھایا ہے اور یہ کہہ رہے ہیں۔

الحمد لله الذي فتحنا الله فتح القلعة قال فنظرت الى جانب القلعة فاذا العسكر قد دخلوا باجمعهم ففتح الله تعالىٰ ببركة دعائه وكانت دعوته بمخترق السبع الطباق.	اللہ کا احسان ہے کہ اس نے قلعہ کی فتح نصیب فرمائی۔ قاصد کہتا ہے میں نے مڑ کے قلعہ کی طرف نگاہ کی، کیا دیکھتا ہوں کہ فوج قلعہ میں داخل ہو چکی ہے۔ شیخ کی دعا کی برکت سے قلعہ (کی دیوار پھٹ کر گر پڑی) فتح ہو گیا۔ شیخ کی دعا آسمانوں کو چیر کر اوپر جا رہی تھی کہ قلعہ فتح ہو گیا۔

۳۔ اس فتح کے بعد شیخ سے درخواست کی گئی کہ حضرت ابو ایوب انصاری کا مدفن تلاش کر دیں۔ آپ نے فرمایا کہ فلاں جگہ انوار نظر آتے ہیں۔ پھر مراقبہ کیا اور فرمایا کہ یہ جگہ ہے اور حضرت کی روح سے کلام ہوئی آپ نے پہلے تو فتح کی مبارک باد دی۔ پھر فرمایا کہ شکر ہے کفار کے قبضہ سے مجھے چھڑایا ہے۔ جب سلطان محمد فاتح کو اس کا علم ہوا تو حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ کی بات پر یقین ہے مگر اطمینان کے لئے کوئی نشانی بتا دیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ جگہ قبر کے سر کی جگہ ہے، دو ہاتھ زمین کھودو، ایک سفید پتھر نکلے گا، اس پر عبرانی یا سریانی زبان میں کچھ عبارت کندہ ہے۔

فلما حضروا مقدار ذراعين ظهر رخام عليه خط فقراه من يعرفه وفسره فاذا هو ماقرره الشيخ فتحير السلطان وغلب عليه الحال حتیٰ كاد يسقط لولا اخذوه.

جب انہوں نے دو ہاتھ کے مقدار زمین کھودی، ایک پتھر نکلا جو شخص وہ زبان جانتا تھا اس نے پڑھ کے مطلب بتلایا وہی بات تھی جو شیخ نے بتائی تھی، بادشاہ ششدر رہ گیا۔ اس پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ گرنے لگا مگر لوگوں نے اسے سنبھال لیا۔

بادشاہ نے اس جگہ مسجد بنوائی اور شیخ کے قیام کے لئے حجرے بنوائے اور درخواست کی کہ شیخ یہیں قیام کریں، مگر شیخ نے انکار کر دیا کہ میں اپنے شہر میں قیام کروں گا۔

۳۔ عمر بن مبارکؒ:۔ ولی اللہ، صالح، متقی خوش الحان واعظ تھے۔

"کفایۃ المعتقد" ص ۲۱۴ پر ان کے متعلق ایک واقعہ درج ہے۔

"ایک دفعہ حج پر گئے۔ روضہ اطہر پر حاضر ہو کر حضور ﷺ کی نعت میں ایک قصیدہ پڑھا پھر شیخین کی مدح میں قصیدے پڑھے۔ جب فارغ ہوئے تو ایک آدمی آیا، عرض کی میرے گھر چلئے۔ آپ کی دعوت کرتا ہوں آپ چلے گئے، جب کمرے کے اندر بیٹھے تو اس نے تلوار اٹھائی اور کہا:

فقال الرافضی اختر اما اقطع راسک او لسانک الذی مدحت به الفاعلین الصالحین وشتم وسب فقطع لسانه فاخذه وجاء به الی قبر الشریف وتضرع وقام فراٰی المصطفیٰ علیه السلام فی النوم فاعاده فانتبه فوجده کما کان.

رافضی نے کہا چاہو تو تمہارا سر کاٹ دوں، چاہو تو زبان، جس سے تم نے ابوبکر و عمر کی مدح کی ہے۔ پھر انہیں گالیاں دیں اور ان کی زبان کاٹ کر ان کے ہاتھ میں دے دی۔ آپ روضہ شریف پر حاضر ہوئے روئے، نیند آگئی دیکھا کہ حضور اکرم ﷺ نے کٹے ہوئے ٹکڑے کو اصلی جگہ پر جوڑ دیا جاگے تو زبان بالکل درست تھی۔

دوسرے سال پھر تشریف لائے۔ اور اسی طرح قصیدے پڑھے ایک آدمی آیا، دعوت دی اور گھر لے گیا، پہچان گئے کہ گھر تو وہی گزشتہ برس والا ہے، خیر کھانا کھایا، پھر وہ شخص انہیں ایک کمرے میں لے گیا، دیکھا کہ ایک بندر ستون سے بندھا ہوا ہے۔ اس شخص نے بتایا کہ یہ میرا والد ہے جس نے آپ کی زبان کاٹی تھی۔ اسی رات اس کی شکل مسخ ہوگئی، اور ہم نے اسے اس ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ اور میں مذہب شیعہ سے تائب ہوگیا۔ آپ للّٰہ اس کے لئے دعا کریں کہ اس کی شکل پھر سے انسانی صورت میں بدل جائے۔ آپ خاموش ہوگئے اور وہاں سے چلے آئے۔

دونوں واقعات خرق عادت ہیں اور ولی اللہ کی کرامتیں ہیں۔

۴۔ محمد بن یوسف بولاقیؒ:۔

آپ کی خدمت میں ایک عورت آئی کہ حبشیوں کی ایک جماعت نے میرا بچہ چھین لیا ہے۔ اور جہاز پر لاد کر وہ سمندر میں جا رہے ہیں۔ آپ نے جہاز والوں کو آواز دی کہ بچہ اس کی ماں کو واپس دے دو، مگر کون سنے۔

ثم قال یا سفینة قفی فوقفت ثم مشی علی الماء واخذ الصبی من السفینة واحضره الی امه

پھر آپ نے فرمایا، اے جہاز رک جا، جہاز رک گیا آپ سمندر میں داخل ہو کر جہاز کی طرف چلے، جیسے کوئی خشک زمین پر چلتا ہے۔ جہاز میں پہنچ کر بچہ کو پکڑا اسے لے کر واپس کنارے پر آئے اور اس کی ماں کے حوالے کیا۔

۵۔ ابوالغیث بن جمیلؒ:۔

آپ ایک مرتبہ اپنے شیخ کا گدھا لے کر جنگل میں لکڑیاں کاٹنے گئے جنگل میں شیر آیا اور گدھے کو پھاڑ کھایا۔ آپ نے شیر کو کان سے پکڑا، لکڑیاں اس پر لاد دیں اور کہا:۔

احمل حطبی علی ظهرک فحمله حتیٰ بلغ المدینة فانزله وقال اخرج وایاک ان تضر احدا حتیٰ ترجع موضعک

میں تمہاری پیٹھ پر لکڑیاں لادونگا، چنانچہ لادکر چلدئے جب شہر میں پہنچے تو لکڑیاں اتارلیں اور فرمایا جا نکل جا۔ اپنی جگہ پر پہنچنے تک کسی چیز کو نقصان نہ پہنچانا۔

۶۔ عامر بن عبداللہ:

ایک قافلہ کہیں جارہا تھا۔ راستے میں ایک جنگل سے گزر ہوا۔ ایک شیر آیا اور قافلے کا راستہ رک لیا۔ اتنے میں عامر بن عبداللہ کا وہاں سے گزر ہوا۔

فقال مالکم؟ قالوا الاسد فمر الیه و وضع یده علیٰ فمه فمرت القافلة

پوچھا کیوں رکے کھڑے ہو؟ اہل قافلہ نے کہا کہ شیر نے روک رکھا ہے۔ آپ شیر کے پاس گئے اپنا ہاتھ اس کے منہ پر رکھا اور قافلہ خیریت سے گزرا۔

۷۔ شیبان راعی:۔

ایک دفعہ حضرت سفیان ثوری، شیبان راعی کے ساتھ حج کو گئے۔ راستے میں ایک شیر سامنے آگیا۔ ثوری کہنے لگے، شیبان! شیر تو قریب آگیا ہے۔ فرمایا کیا ہوا وہ بھی ایک کتا ہے۔

فلما سمع الاسد کلام شیبان فبصبص وحرک ذنبه مثل الکلب فالتفت الیه شیبان وعرک اذنه فقلت له ما هذه الشهرة فقال وای شهرة هذه یا ثوری لولا کراهیة الشهرة ما حملت زادی الی مکة الا علیٰ ظهره. جامع کرامات ۱:۱۶۷۔

جب شیر نے شیبان کی بات سنی سر جھکا دیا اور کتے کی طرح دم ہلانے لگا۔ شیبان اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ شیر کو کان سے پکڑلیا۔ سفیان ثوری نے فرمایا۔ شیبان! یہ کیا شہرت ہے؟ فرمایا۔ کونسی شہرت ثوری! اگر مجھے شہرت ناپسند نہ ہوتی تو میں اپنا زادسفر اس کی پیٹھ پر لادکر مکہ تک لے جاتا۔

۸۔ شیخ عبدالقادر جیلانی:۔

فتاوی الحدیثیہ ص۳۷۱ اور فیض الباری ۲:۱۶۱ اور قلائدالجواہر ۳۷:۳

۱. مما علمنا بالسند الصحیح المتصل ان الشیخ عبدالقادر الجیلانی اکل دجاجة ثم لما لم یبق غیر العظم توجه الی الله فی احیائها فاحیاها الله الیه وقامت تجری بین یدیه کما کانت قبل ذبحها وطبخها (فتاویٰ الحدیثیه)

ہمیں سند صحیح متصل کے ساتھ یہ معلوم ہوا کہ شیخ نے مرغی کا گوشت کھایا۔ پھر تمام ہڈیوں کو اکٹھا کرکے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ وہ زندہ ہو جائے چنانچہ وہ زندہ ہوگئی اور چلنا پھرنا شروع کردیا جیسے وہ ذبح ہونے اور پکنے سے پہلے تھی۔

اور جامع کرامات ۲:۲۰۳ پر اس واقعہ کا بیان ان الفاظ میں ہوا۔

فوضع یده علی العظام وقال قومی باذن الله فقامت.

آپ نے مرغی کی ہڈیوں پر ہاتھ رکھا اور کہا کہ اللہ کے حکم سے اٹھ کھڑی ہو۔ چنانچہ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

۲۔ شیخ کی ایک مجلس وعظ کا واقعہ فیض الباری ۲: ۱۶۲ اور خزینۃ الاسرار ص ۲۵۔

انه كان يذكر الناس اذ جائت حدأة تصيح حتىٰ شوشت على الشيخ كلامه فدعا عليه وقال قطع الله عنقك فسقطت على الارض ميتة من ساعتها ثم اذا فرغ من الوعظ قام وراها ميتة في فناء المسجد فقال قم باذن الله فطارت.

آپ وعظ فرما رہے تھے کہ ایک چیل شور کرتی آئی اور آپ کے کلام میں مخل ہوئی۔ آپ کے منہ سے نکلا خدا تیری گردن کاٹے۔ فوراً زمین پر گری اور مر گئی۔ جب آپ فارغ ہوئے تو مسجد کے صحن میں اسے مردہ پایا۔ آپ نے فرمایا اللہ کے حکم سے اٹھ کھڑی ہو چنانچہ وہ زندہ ہو کر اڑ گئی۔

حضرت انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد اپنے زمانے کے ایک ولی اللہ کا واقعہ لکھا جس سے ان کی ملاقات بھی ہوئی:۔

هكذا جاء رجل في بجنور فقطع عنق طائر حتىٰ فصلها بين اعين الناس ثم ضمها فكانت كما كانت قبله واحي الطائر وزار في هذا الرجل

ایک آدمی بجنور میں آیا اور لوگوں کے سامنے اس نے پرندہ کا سر کاٹا۔ پھر اسے جوڑ دیا۔ پرندہ زندہ ہو گیا اور اڑ گیا۔ اس شخص سے میں نے ملاقات کی

۹۔ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ، ''حلیۃ الاولیاء'' میں تاج المحدثین ابونعیم نے بیان کیا۔

خرجت الى سط نيل مصر فرأت تبكي وتصرخ فادركها ذوالنون فقال لها مالك تبكين فقالت كان ابني وقرة عيني علىٰ صدري فخرج تمساح فاستلب مني ولدي قال فاقبل ذوالنون على الصلوٰة فصلى ركعتين فدعا بدعاوات فاذا تمساح خرج من النيل والولد معه ودفعه الى امه. (۹: ۳۶۶)

میں نیل کے کنارے گیا۔ دیکھا ایک عورت چلا چلا کر رو رہی ہے۔ ذوالنون اس کے پاس گئے پوچھا کیوں رو رہی ہو؟ اس نے کہا۔ میرا بچہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک میرے سینے سے چمٹا ہوا تھا، مگرمچھ آیا اور چھین لے گیا۔ ذوالنون نے دو رکعت نماز پڑھی۔ اور خدا سے دعا مانگی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ مگرمچھ دریا سے نکلا اور بچے کو صحیح وسلامت باہر رکھ دیا۔ ذوالنون نے بچہ ماں کے حوالے کر دیا۔

ذوالنونؒ کی وجہ تسمیہ بھی ایک کرامت ہے۔

آپؒ ایک کشتی میں سوار دریا عبور کر رہے تھے کسی کا ایک قیمتی موتی گم ہو گیا۔ حقیقتاً وہ دریا میں گر گیا تھا۔ اس نے ذوالنون کو چور قرار دیا۔ انہوں نے قسم کھائی، مگر مالک نے اعتبار نہ کیا۔

فلما اخطر توجه ساعة فاتى حوت من البحر بذلك الجوهر

جب آپ پریشان ہوئے تو اللہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنی بے بسی پیش کی اتنے میں دریا سے ایک مچھلی وہی موتی لے کر باہر آ گئی۔

۱۰۔ غوث یوسف ہمدانی بغدادی:۔

ابن خلکان نے اپنی تاریخ میں یہ واقعہ بیان کیا ہے اور کتاب المشروع الدوی میں بھی موجود ہے۔ جامع کرامات اولیاء اللہ ۲: ۵۲۹ پر یوں بیان ہوا

ہے۔

امام ابو سعید عبداللہ بن عصرون بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اور عبدالقادر جیلانی اور علامہ ابن سقا یوسف ھمدانی کی ملاقات کے لئے گھر سے نکلے۔ راستے میں ہم نے ابن سقا سے پوچھا۔ تم کس غرض سے جا رہے ہو؟ اس نے کہا میں غوث سے ایسا سوال کروں گا جس کا جواب وہ نہیں دے سکیں گے پھر ہم تینوں نے اپنا اپنا عندیہ بیان کیا۔

فقال ابن السقاء لا سئالة سئالة لا يدرى جوابها.	ابن سقا نے کہا میں شیخ سے ایسا سوال کروں گا کہ وہ جواب نہ دے سکیں گے۔
فقال عبدالقادر معاذ الله ان اسئاله شيئا وانا بين يديه انظر بركته	شیخ عبدالقادر نے کہا ایسا سوال پوچھنے سے خدا کی پناہ۔ میں ان کے پاس بیٹھ کر فیض و برکت کا انتظار کروں گا۔
وقال ابن عصرون انا اسئله مسئلة وانظر ماذا يقول	ابن عصرون نے کہا کہ میں ایک درخواست کروں گا اور دیکھوں گا کہ وہ کیا فرماتے ہیں؟ (وہ درخواست تھی کہ غربت دور ہو جائے)

ابن السقاء کو شیخ نے فرمایا:

انى لأرى نار الكفر تلتهب فيك.	میں دیکھتا ہوں کہ تیرے اندر کفر کی آگ شعلہ مار رہی ہے۔

بعد کے واقعات سے یہ بات درست ثابت ہوئی۔ ابن السقاء شاہ روم کے بلانے پر مناظرہ کے لئے گیا، بادشاہ اس سے بہت خوش ہوا۔ شاہ کی لڑکی پر فریفتہ ہوگیا۔ شادی کی درخواست کی، بادشاہ نے کہا عیسائی ہو جا۔ عیسائی ہوگیا۔ مگر بیمار پڑ گیا، عیسائیوں نے بازار میں پھینک دیا۔ روٹی مانگتا رہتا تھا، آخر موت قریب آگئی۔ اتفاقاً ایک واقف آدمی کا وہاں سے گزر ہوا، اس نے پہچان لیا۔ دیکھا کہ مر رہا ہے اس کا منہ قبلہ کی طرف کیا۔ مگر دیکھا کہ فوراً رخ پلٹا اور پشت قبلہ کی طرف ہوگئی۔ پھر اس نے پوچھا کہ قرآن یاد ہے؟ اس نے کہا بس اتنا یاد ہے کہ

يود الذين كفروا لو كانوا مسلمين

اسی حال میں مرگیا اور جہنم میں داخل ہے۔ اولیاء اللہ کی توہین کا یہی انجام ہوتا ہے۔

شیخ عبدالقادر کے حق میں غوث نے فرمایا کہ ایک وقت آئے گا کہ تم جامع بغداد میں منبر پر کھڑے ہو کر کہو گے کہ یہ میرا قدم تمام اولیاء کی گردنوں پر ہے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور آپ نے برسر منبر کہا۔ قدمی هذه علی رقبة كل ولی الله

ابن عصرون اپنے متعلق بیان کرتے ہیں:

فاحضرنى السلطان نور الدين شهيد واكرمنى على ولاية الاوقاف فوليتها واقبلت الدنيا اقبالا كثيرا فصدق الغوث فينا كلنا	میں دمشق میں سلطان نورالدین شہید کے پاس آیا۔ اس نے مجھے وزارت اوقاف سونپی اور میرے ہاں دولت کی ریل پیل ہونے لگی۔ غوث نے ہم تینوں کے متعلق جو فرمایا تھا صحیح ثابت ہوا۔

الشروح الدوی میں ہے کہ یہ قصہ متواترات سے ہے۔ خبر واحد نہیں کہ انکار ہو سکے۔

۱۱۔ حضرت ابراہیم دسوقی:۔

یہ قطب تھے۔ ان کے پاس ایک عورت روتی ہوئی آئی کہ میرے بچے کو ایک مگرمچھ کھا گیا ہے، آپ دریا کے کنارے آئے آواز دی۔

يا معشر التماسيح من ابتلع الصبى فليطلع به فتطلع وحشى الى الشيخ فامره ان يلفظ فلفظه حيا.	اے مگرمچھو! جس نے بچہ نگلا ہے، ظاہر کر دے ایک مگرمچھ نکلا اور شیخ کی طرف آیا۔ شیخ نے اسے حکم دیا کہ بچہ اگل دے، جانور نے زندہ بچہ اگل دیا۔

۱۲۔ اولیاء کی کرامات میں ایک بڑی کرامت کلام بالموتی یا کلام بالارواح ہے۔ اس کے متعلق جامع کرامت اولیاء ۲: ۳۰۹ پر درج ہے۔

ان الاجتماع مع النبی ﷺ کرامة من اعظم الکرامات ومن اعلی المقامات ومن نعم اللہ تعالیٰ.

سب سے بڑی کرامت نبی کریم ﷺ کے دربار میں حاضری اور آپ کی معیت ہے۔ اور یہ سلوک کے اعلیٰ مقامات میں سے ہے اور اللہ کی نعمت ہے۔

یہ نعمت تمام کبار اولیاء کو عطا ہوتی رہی ہے۔ بفضل اللہ تعالیٰ ہمارے سلسلے کے اکثر رفقاء کو یہ نعمت عطا ہوئی ہے۔ ارواح سے کلام کرنے والے ہمارے رفقاء کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ چکی ہے۔

الحمد للہ علیٰ نعمائہ

سلسلہ اویسیہ (۲۴)

اس وسیع کائنات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم اور ولقد کرمنا بنی آدم کا شرف عطا فرما کر اشرف المخلوقات کے مقام پر فائز کیا اور اسے خلافت ارضی کا منصب جلیلہ سونپا۔ یوں تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار نہیں لیکن انسان کو جس خصوصی نعمت سے نوازا گیا، وہ انبیاء کرام کے ذریعے اس کی ہدایت کا سامان ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی بعثت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جہاں الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی کا اعلان فرمایا وہاں اہل ایمان کو اپنا یہ احسان بھی یاد دلایا کہ لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا منھم اور اس احسان کی تفصیل میں یہ ارشاد فرمایا کہ اس آخری رسول کے ذریعے اللہ کی اس نعمت سے مستفید ہونے کی ایک صورت یہ مقرر کی کہ یہ رسول ان کا تزکیہ باطن اور ان کی روحانی تربیت کرتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے تلاوت آیات اور تعلیم کتاب و حکمت کے ساتھ اپنے جلیل القدر شاگردوں یعنی صحابہ کرامؓ کی اس طرح تربیت کی اور تزکیہ باطن کے وہ نمونے پیدا کئے کہ رہتی دنیا تک اس کی نظیر نہیں مل سکتی جس طرح تعلیم کتاب اور تدوین شریعت کا یہ سلسلہ صحابہ کرامؓ کی جماعت سے آگے منتقل ہوتا چلا آیا۔ اسی طرح تزکیہ باطن اور تربیت روحانی کا طریقہ بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے حضور اکرم ﷺ سے سیکھ کر آئندہ نسلوں کو پہنچایا اور مختلف ادوار کے تقاضوں کے مطابق تدوین حدیث و فقہ کی طرح تزکیہ و تربیت کے پہلو کی تدوین منظم صورت میں عمل میں آئی۔ اول اول تو یہ صورت تھی کہ جو صحابی یا تابعی جہاں پہنچا، معاشرے کی تربیت شروع کر دی۔ بعد میں دین کا یہ پہلو جب منظم ہوا تو تربیت و تزکیہ کے چار بڑے سلسلے ہمارے ہاں رائج اور مقبول ہو گئے۔ جنہیں سلسلہ قادریہ، نقشبندیہ، سہروردیہ اور چشتیہ کہتے ہیں، ان سلسلوں میں تربیت روحانی کا بنیادی اصول ایک ہی رہا ہے اور وہ ہے ذکر الٰہی کی کثرت، البتہ ذکر الٰہی کے طریقوں میں ہر صاحب سلسلہ نے مختلف رنگ اختیار کیا، اس طرح طریقہ کار میں جزوی اختلاف کی وجہ سے چار بڑے طریقے مسلمانوں میں رائج ہو گئے۔ ممکن ہے طریق تربیت میں اختلاف آب و ہوا مزاج اور طبائع کے اختلاف کی وجہ سے انتخاب کیا گیا جیسے ایک ماہر طبیب ایک ہی دوا مختلف مزاج والے مریضوں کو مختلف صورتوں میں دیا کرتا ہے۔

ان چاروں سلسلوں میں دو پہلو ہمیشہ جاذب توجہ رہتے ہیں، اول یہ کہ اس سلسلے میں طریقہ تربیت باطنی کیا ہے؟ دوسرا یہ کہ کسی سلسلے کے شیخ کو یہ فن حضور اکرم ﷺ سے کن واسطوں سے پہنچا۔ اسی پہلو پر نگاہ رکھتے ہوئے یہ بات لازماً سامنے آجاتی ہے کہ ہر شیخ نے یہ فن اپنے شیخ کی صحبت میں رہ کر اس سے سیکھا ہوگا اور اس کے شیخ نے اسے ایک خاص درجے تک تربیت کرنے کے بعد دوسروں کی تربیت کرنے کی اجازت دی ہوگی۔ اس اجازت نامے کو صوفیاء کی اصطلاح میں خرقہ کہتے ہیں۔ خواہ اس کی صورت کوئی بھی ہو۔ اگر کسی شیخ کے متعلق یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے کسی کامل سے اس کی صحبت میں رہ کر فیض حاصل نہیں کیا اور اجازت نامہ نہیں لیا تو اس کا سلسلہ منقطع شمار کیا جاتا ہے کیونکہ اس میں اتصال اور تسلسل نہیں پایا جاتا۔

بظاہر یہ بات قاعدہ کلیہ کی صورت میں سامنے آتی ہے، حقیقت میں یہ قاعدہ اکثریہ ہو سکتا ہے، مگر قاعدہ کلیہ نہیں کیونکہ اول تو روحانی تربیت روح کا معاملہ ہے اور روح سے اخذ فیض یا اجرائے فیض کا انحصار بدن کے اتصال پر نہیں، اس کی مثالیں صوفیائے کرام میں جابجا ملتی ہیں۔ مثلاً ابو الحسن خرقانی کو حضرت بایزید بسطامی سے روحانی فیض بھی ملا، اجازت تربیت بھی ملی۔ اور آپ کے خلیفہ مجاز بنے، حالانکہ بایزید بسطامی ان سے قریباً ایک سو سال پہلے دنیا سے رخصت ہو چکے تھے جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت ابو الحسن خرقانی نے اپنے شیخ حضرت بایزید بسطامی کا نہ تو زمانہ پایا نہ ان کی صحبت میں رہے، نہ ان سے تربیت و اجازت ملی تو پھر اس کی صورت اس کے بغیر کیا ہو سکتی ہے کہ ان کی روح سے فیض اور خرقہ حاصل کیا۔

روح سے فیض حاصل کرنے کو اصطلاح صوفیہ میں اویسی طریقہ کہتے ہیں۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ یہ سلسلہ حضرت اویس قرنیؓ سے ملتا ہے بلکہ اویسیہ سے مراد مطلق روح سے فیض حاصل کرنا ہے۔ چونکہ روح سے اخذ فیض اور اجرائے فیض دونوں

صورتیں ہوتی ہیں، اس لئے سلسلہ اویسیہ کی بھی دونوں خصوصیات ہیں۔ اس اصطلاح کو حضرت اویس قرنی سے اگر کوئی نسبت ہو سکتی ہے تو شاید اس بناء پر کہ انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کی صحبت میں رہ کر تربیت حاصل نہیں کی تھی۔ بلکہ حضور ﷺ کی روح پر فتوح سے اخذ فیض کیا تھا۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ وہ پہلے اویسی تھے۔

ہمارے سلسلے کا نام نقشبندیہ اویسیہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنے شاگردوں کی تربیت نقشبندیہ طریقہ کے مطابق کرتا ہوں۔ اور میں نے اپنے محبوب شیخ رحمۃ اللہ کی روح سے اخذ فیض اور اجازت لی ہے۔ میرے اور میرے شیخ مکرم کے درمیان کوئی ۴۰۰ سال کا فاصلہ ہے، میں نے اسی اویسی طریقہ سے اپنے شیخ کی روح سے فیض بھی حاصل کیا، خلافت بھی لی، اور بحمد اللہ میرے محبوب شیخ کا فیض تربیت اس وقت دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل رہا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ہمعات ص ۸۶ پر سلسلہ اویسیہ کی خصوصیات کا ذکر فرمایا ہے:۔

ایں فقیر را آگاہ کردہ اند کہ طریقہ جیلانیہ بمنزلہ جوئے است کہ مسافتے بر زمین میرود و مسافتے دیگر در زمین مستتری گردد در مسام زمین نفوذ میکند۔ بعد ازاں بوضع چشمہ باز ظاہری شود و مسافتے برروئے زمین رود ثم ہکذا ہکذا۔

وتسلسل خرقہ دریں طریقہ اگر متصل است اما تسلسل اخذ نسبت دریں طریقہ متصل نیست یک بار سلسلہ ظاہر میشود بعد ازاں مفقود میگردد باز بطریق اویسیہ از باطن کے ظہوری نماید ایں طریقہ بحقیقت ہمہ اویسیہ است ومتوسلان ایں طریق درروحانیاں علو وجاہتے وارند۔

واما القادریۃ فقریبۃ من الاویسیہ الروحانیہ۔

خلاصہ یہ ہے کہ جیسے پانی زیر زمین موجود رہتا ہے، کسی وقت چشمہ کی صورت میں باہر ابل پڑتا ہے اور زمین کو سیراب کرتا ہے، اسی طرح حقیقی تصوف وسلوک بھی کبھی کبھی غائب ہو جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو پیدا کرتا ہے، اور اس کی ذات کے واسطہ سے تصوف وسلوک کا چشمہ ابل پڑتا ہے۔ اور ایک مخلوق کے قلوب کو سیراب کرتا ہے۔ اسی وجہ سے سلسلہ اویسیہ ظاہر میں متصل نہیں ہوتا۔ مگر حقیقت میں وہ متصل ہوتا ہے، جو لوگ روح سے اخذ فیض اور اجرائے فیض سے واقف نہیں ہوتے وہ بے چارے اس اتصال کی حقیقت کو کیسے سمجھ سکتے ہیں؟ اور اخذتہ العزۃ بالاثم کے تحت جاہلانہ اعتراض کے بغیر کچھ کر نہیں پاتے۔

۲۔ حضرت امام الہند کی عبارت سے یہ معلوم ہوا سب سے زیادہ زود اثر سلسلہ اویسیہ ہے، کیونکہ روحانی سلسلہ ہے۔ پھر قادریہ ہے۔

۳۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ سلسلہ اویسیہ کے متوسلین بڑی عظمت اور ہیبت کے مالک ہوتے ہیں۔

ہمعات میں ص ۶۳ پر اسی وجہ سے فرمایا کہ 'بسا است کہ ایں عالم ارواح است اجمالاً' یعنی سلسلہ اویسیہ عالم ارواح ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ہمعات ص ۲۱ پر فرماتے ہیں۔

حاصل کلام آں این است کہ یک خانوادہ میان مشائخ عظام اویسی است کہ اکثر بزرگان دریں خانوادہ بودند وسردار سلسلہ ایشاں خواجہ اویس قرنی است کہ نحب باطنی از سرور ﷺ تربیت یافتہ پس حضرت شیخ بدیع الدین ہم بیرا اویسی است کہ در باطن تربیت از روحانیت حضرت پیغمبر ﷺ یافتہ است واز کبار مشائخ ہندوستان است۔	مشائخ عظام میں ایک سلسلہ اویسیہ بھی ہے جس کے سردار خواجہ اویس قرنی ہیں، ان کو حضور اکرم ﷺ سے روحانی طور پر فیض حاصل ہوا۔ اور شیخ بدیع الدین کو بھی حضور اکرم ﷺ سے روحانی طور پر فیض ملا اور وہ ہندوستان کے کبار مشائخ سے ہوئے ہیں۔

معلوم ہوا کہ:

- اویسی وہ ہوتا ہے جسے کسی ولی اللہ کی روح سے فیض حاصل ہوا ہو۔
- بڑے بڑے اولیاء اللہ اس سلسلہ اویسیہ کے طریقہ سے فیض لیتے رہے ہیں۔

اس سلسلہ والے حضور اکرم ﷺ کی روح پر فتوح سے بھی فیض لیتے ہیں۔

بحمد اللہ کہ اس فقیر کو اب بھی حضور اکرم ﷺ کی روح پر فتوح سے فیض حاصل ہو رہا ہے۔

اس سلسلے کے متعلق اصل بات جو نہ جاننے والوں یا نادانوں کو کھٹکتی ہے، وہ یہ کہ کیا روح سے اخذ فیض اور اجرائے فیض ہو سکتا ہے؟ اس کے جواب کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو جاننے والوں پر اعتماد کرو، یا اس بحر میں خود اتر کر دیکھو۔ دوسری صورت تو وہی اختیار کر سکتا ہے جس میں طلب اور خلوص ہو۔ البتہ پہلی صورت کے سلسلے میں چند ایک مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ فتاویٰ عزیزیہ۔ ۱:۹۳ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی۔

سوال: کسی صاحب باطن یا صاحب کشف کسی کشف بر قبور ایشاں مراقب شدہ چیزے ولی اللہ کی قبر پر جا کر مراقبہ کرے تو اس از باطن اخذ مین تواند یا نہ؟ سے روحانی فیض لے سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: می تواند نمود۔ ہاں لے سکتا ہے۔

فتویٰ کی زبان میں اختصار ملحوظ ہوتا ہے اس لئے حضرت نے مختصر جواب دیا۔ اس کی تفصیل شفاء العلیل ص ۷۸ پر دی ہے۔

''مولانا نے فرمایا کہ میں نے حضرت ولی نعمت یعنی مصنف سے پوچھا کہ شیخ ابو علی فارمدی کو کہ ابو الحسن خرقانی کے ساتھ نسبت رکھتے ہیں، ان کا اس رسالہ میں کیونکر ذکر نہ کیا، فرمایا کہ یہ نسبت اویسیہ کی ہے یعنی روحی فیض ہے۔ اس رسالہ میں غرض یہ ہے کہ نسبت صحبت کی من وعن عالم شہادت میں جو ثابت ہے مذکور ہو، لیکن اویسیت کی نسبت قوی اور صحیح ہے۔

شیخ ابو علی فارمدیؒ کو ابو الحسن خرقانیؒ سے روحی فیض ہوا ہے ان کو بایزید بسطامیؒ کی روح سے اور ان کو امام جعفر صادقؒ کی روحانیت سے تربیت ہے چنانچہ رسالہ قدسیہ میں خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ:۔

امام جعفر صادق کو اپنے نانا حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر سے نسبت حاصل ہوئی ہے ان کو حضرت سلمان فارسی سے، ان کو حضرت ابو بکر صدیق سے اور ان کو حضور اکرم ﷺ سے۔

خواجہ ابو علی فارمدی کو نسبت اویسیت حاصل ہے۔ ابو الحسن خرقانی کے ساتھ، اور ان کو بایزید بسطامی سے روحی فیض پہنچا۔ اور ان کی تربیت امام جعفر صادق کی روحانیت سے ہوتی اور امام جعفر صادق کو اپنے نانا قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق کے ساتھ انتساب حاصل ہے اور ان کو حضرت سلمان فارسیؓ اور آپ کو خلیفہ رسول اللہ صدیق اکبر ابو بکر بن ابی قحافہ کے ساتھ، اور حضرت صدیق نے جو کچھ حاصل کیا، سرور عالم محمد مصطفیٰ ﷺ سے حاصل کیا۔ اس نسبت اویسیت کو صدیقیہ، نقشبندیہ نظامیہ قدوسیہ کہتے ہیں۔ (تذکرۃ الرشید حصہ دوم ص ۱۰۸)

حضرت امام ربانی قدس سرہ کا تربیت باطنی و فیوضات روحانی میں قطب العالم شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہ کی ذات بابرکات کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھنا نسبت اویسیہ و فیضان روحانیہ کے علاوہ اس لئے بھی ہے کہ سلاسل اربعہ مشہورہ میں حضرت شیخ کا واسطہ غالباً قائم ہے (ایضاً ص ۱۰۹)

۳۔ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند۔ ۱:۱۴۰ پر شفاء العلیل کی یہ عبارت نقل کر کے لکھا ہے۔

''اس عبارت سے واضح ہوا کہ نسبت اویسیہ کے معنی روحی فیض کے ہیں۔ اور یہ نسبت قوی اور صحیح ہے، یہ بھی معلوم ہو کہ نسبت اویسیہ کے لئے یہ ضروری نہیں کہ خواجہ اویس قرنی سے کوئی مرید ہوا ہو۔ اور یہ بھی واضح ہوا کہ نسبت اویسیہ کا انکار غلط ہے، چونکہ اویس قرنی کو آنحضرت ﷺ سے روحی فیض حاصل ہوا اور صحبت آنحضرت ﷺ کی ان کو حاصل نہیں ہوئی...... اس لئے جس کو روحی فیض کسی بزرگ سے حاصل ہوگا اس کو نسبت اویسیہ سے تعبیر کریں گے۔''

۴۔ عقائد علمائے دیوبند، مرکزی رسالہ ہے، جس پر مسلک دیوبندی کا مدار ہے اس میں سوال نمبر ۱۱ روح سے فیض باطنی کے متعلق ہوا ہے اور علمائے دیوبند نے مفصل جواب دیا کہ وہ روح سے باطنی فیض کے قائل ہیں اور صرف قائل نہیں بلکہ:

واما الاستفادة من روحانية المشائخ الاجلة ووصول الفيض الباطنية من صدورهم او قبورهم صحيح على الطريقة المعروفة في اهلها وخواصها لا بما شائع في العوام.

بہرحال مشائخ سے روحانی فیض حاصل کرنا اور فیض باطنی کا پہنچنا ان کے سینوں سے یا ان کی قبروں سے صحیح ہے، اس مشہور ومعروف طریقے سے جو ان اولیاء وصوفیہ میں مروج ہے اور خاص خاص بندوں کو حاصل ہوتا ہے۔ وہ طریقہ نہیں جو عوام میں مروج ہے۔

یہ تو روح سے اخذ فیض اور اجرائے فیض کے علمی جوابات ہیں، رہی دوسری صورت تو وہ ذوقی چیز ہے، لطف ایں مے نشاسی بخدا تا نہ چشی، اگر کوئی اللہ کا بندہ یہ ذوقی جواب بھی چاہتا ہے تو صلائے عام ہے۔ طلب اور خلوص لے کر آ جائے اور ممکن اور محال میں تمیز کرے۔ ورنہ صرف باتیں بنانے سے وہ حاصل نہیں ہو سکتا جو عملی طور پر کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

لباس فہم بر بالائے او تنگ — سمند وہم در صحرائے او لنگ
نہ چندی گنجد آنجا و نہ چونی — فرو بند لب از کم و ز فزونی؟

مشائخ اور علمائے حق کی توضیحات سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ روح سے اخذ فیض اور اجرائے فیض صرف ممکن ہی نہیں، بلکہ امر واقع ہے۔ اور امام الہند کے کلام سے معلوم ہو گیا کہ سلسلہ اویسیہ میں روح سے اخذ فیض ہوتا ہے اور اس کے لئے اتصال ظاہری شرط نہیں، ہاں اتصال نسبت ضرور ہوتا ہے۔ یہی نسبت اویسیہ ہوتی ہے۔

ملتان کے ایک مشہور پیر صاحب نے ہمارے حلقہ کے ایک مولوی صاحب سے فرمایا کہ آپ کا سلسلہ متصل نہیں ہے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ حضرت! جس سلسلہ میں شیخ اپنے شاگرد کی روحانی تربیت اس طرح کرے کہ اس کے زمان و مکان کی قید اٹھ جائے اور اسے عالم برزخ میں پہنچا کر حضور اکرم ﷺ کے سامنے پیش کر دے۔ اور حضور ﷺ کے دستِ مبارک میں اپنے شاگرد کا ہاتھ دے کر یہ منظر دکھا دے کہ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ وہ سلسلہ تو ٹھہرا منقطع اور جس سلسلے کے شیخ کے پاس مرید مدتوں رہے اور ساری عمر اس کے پاس آنے جانے میں کھپا دے اور شیخ میں اتنا نور بھی نہ ہو کہ مرید کے لطیفہ قلب کو ہی منور کر سکے وہ سلسلہ ٹھہرا متصل۔ قربان جائیے اس اتصال پر۔ جن لوگوں کی بابت جبہ و قبہ حضور اکرم ﷺ تک رسائی نہ ہو۔ ان کا سلسلہ متصل اور جو اللہ کا بندہ ایک دو نہیں سینکڑوں شاگردوں کو دربار نبوی ﷺ تک پہنچائے اس کا سلسلہ منقطع۔ آپ کو یہ اتصال مبارک جو آپ کو نبی کریم ﷺ کے قریب ہی نہ پھٹکنے دے۔ اور ہمیں یہ انقطاع اچھا جو دربار نبوی ﷺ میں پہنچا کر حضور دائمی عطا کر دے۔ کسی ایسے منظر ہی کو دیکھ کر کہنے والے نے کہہ دیا۔

زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

اللہ تعالیٰ دین کا صحیح فہم عطا فرما دے تو بڑی نعمت ہے۔

حرف آخر

جب انسان زبان سے کہتا ہے۔
''میں ایمان لایا'' تو گویا اس نے
اپنے دل میں اللہ کی محبت کے موجود
ہونے کا دعویٰ کیا تو اس کی شہادت
پیش کرنا لازمی ہے۔ جب انسان
اپنے اعضاء و جوارح سے ان
اصولوں پر عمل کرتا ہے جو ایمان کی
بنیاد ہیں تو اس نے اپنے دعوے کی
شہادت پیش کردی۔ جب اس نے
اللہ کی راہ میں جان مال خرچ کیا۔
اور ماسویٰ کی محبت سے اپنے اعمال
کو پاک کرلیا تو اس نے اپنے
شاہدوں کی صداقت کا ثبوت پیش
کردیا۔ اسوقت اس کا نام محبان
الٰہی کی فہرست میں لکھا جاتا ہے اور
مقربین کے گروہ میں شامل ہو جاتا
ہے اللہ تعالیٰ نے اسی حقیقت کی
طرف اشارہ فرمایا ہے کہ ''کیا
لوگوں نے خیال کرلیا ہے کہ انہیں
صرف اتنا کہہ دینے پر چھوڑ دیا جائیگا
کہ ہم ایمان لائے اور انہیں
آزمائش میں نہیں ڈالا جائیگا۔

عقل زاہد عشق صوفی میں بس اتنا فرق ہے۔
اس کو خوف آخرت ہے اس کو ذوق آخرت

علم وعرفان

یعنی

ایک عالم ربانی کا خط اور ایک عارف باللہ کا جواب

تعارف

اکبرالہ آبادی کیا پتے کی بات کہہ گئے ہیں

کورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں۔ آدمی، آدمی بناتے ہیں
جستجو ہم کو آدمی کی ہے   وہ کتابیں عبث منگاتے ہیں

یہ چند اوراق جو آپ کے سامنے ہیں، اس کا مطالعہ شروع کرنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ اس میں کیا لکھا گیا ہے۔ اور کیوں لکھا گیا ہے۔ اکبر مرحوم نے جو بات اپنے رنگ میں کہہ دی ہے وہ صرف ایک کہنے کی بات نہیں، بلکہ ایک زندہ حقیقت ہے اور یہ اوراق اس حقیقت کی شہادت ہے، ایک شخص دین کا علم حاصل کرتا ہے، کیوں؟ اس لئے کہ اسے خالق اور مخلوق کے تعلق کی حقیقت معلوم ہو جائے اور اسے اپنے خالق کا قرب حاصل ہو جائے، عمر عزیز کا ایک معتد بہ حصہ حصول علم میں صرف کر دیتا ہے، اور ایک مستند عالم بن جاتا ہے مگر گوہر مقصود ہاتھ نہیں آتا، ایک خلا

محسوس کر رہا ہے، ایک پیاس ہے جو بجھتی نہیں۔ گو وہ ایک حقیقت کو جان گیا ہے، مگر ابھی اس کی پہچان باقی ہے جب تک پہچان نہ ہو سکون کیسے ملے، چنانچہ وہ اپنے مقصود کی تلاش میں ہر وہ دروازہ کھٹکھٹاتا ہے جس کے متعلق اسے توقع ہوتی ہے کہ اس گھر کے اندر کوئی ایسی ہستی موجود ہے جس کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر وہ اپنے خالق کی پہچان حاصل کرلے گا، مگر اسے ہر جگہ سے مایوسی ہوتی ہے اور وہ زبان حال سے کہہ دیتا ہے۔

زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

اسی تلاش میں جوانی ڈھل جاتی ہے، بال کھچڑی ہو رہے ہیں بالوں پر بڑھاپے کی سفیدی بڑھتی جارہی ہے، اور اس کے دل کی دنیا میں مایوسی کا اندھیرا بھی بڑھتا جاتا ہے اچانک اسے امید کی کرن نظر آتی ہے، ایک عارف باللہ کی تصنیف ہاتھ آجاتی ہے۔ مطالعہ کرتا ہے، مایوسی کے بادل چھٹنا شروع ہوتے ہیں تصورات کی دنیا میں منزل سامنے آنے لگتی ہے مگر مشہور ہے کہ سانپ کا ڈسا رسی سے بھی ڈرتا ہے، بڑی احتیاط سے قدم اٹھتا ہے، آخر عالم دین ہے، اس راہ کے نشیب وفراز کے متعلق دل ودماغ میں جو گرہیں پڑ چکی ہیں انھیں کھولنا چاہتا ہے، اور علمی انداز میں نظریاتی اعتبار سے ہر اشکال جو اسے پیش آتا ہے ہر شبہ جو اس کے دل میں پیدا ہوتا ہے اسے دور کرنا چاہتا ہے، چنانچہ مصنف کو خط لکھتا ہے اور اپنے تمام اشکال ایک ایک کرکے پیش کرتا ہے، ظاہر ہے کہ شبہات ایک عامی کے نہیں۔ بلکہ ایک عالم کے ذہن میں پیدا ہوئے ہیں، اور ایسے عالم کے ذہن میں جو نہ جانے کتنی جگہوں سے صرف مایوسی سے اپنا کاسہ گدائی بھر کے لوٹا ہے، پھر کتاب مذکور کا مصنف ایک عارف باللہ اور ایک شیخ کامل ہے۔ اور ایک متبحر عالم ربانی ہے اس لئے سائل کی تشفی کے لئے علمی انداز میں خط کا جواب لکھتا ہے اور اس راہ میں وہ باتیں جو گفتنی نہیں صرف چشیدنی ہیں ان کی نشاندہی بھی کرتا چلا جاتا ہے چنانچہ یہ اوراق علم وعرفان کا ایک حسین امتزاج ہے اور اس لئے پیش کیا جارہا ہے کہ ممکن ہے کہیں کسی دل میں بھی چنگاری دبی ہوئی موجود ہو اور اس کا انتظار ہو کہ کوئی ہاتھ آگے بڑھ کے اس چنگاری کو راکھ کے ڈھیر سے نکالے اور اسے ایک شعلہ جوالہ بنادے، ممکن ہے کسی دل میں اسی گوہر کی تلاش اور اسی آب حیات کی پیاس موجود ہو اور اسے نشان منزل ہاتھ آجائے۔

داد یم ترا ز گنج مقصود نشان   گر ما نرسیدیم تو شاید برسی

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ

کابل (افغانستان) سے ایک عالم دین کا خط

بگرامی خدمت شیخ المکرم حضرت مولانا کاشف اسرار شریعت وطریقت وحاوی للفروع والاصول السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ دام فیوضکم وبرکاتکم علینا وعلی الناس اجمعین

مجھے دلائل السلوک دیکھنے کا بذریعہ دلاور خان موقع میسر آیا۔ جس سے میرے دل میں نور ایمان کی لہر اٹھی اور حیران ہو گیا کہ اس دور ظلماتی اور الحادی میں ایسا ہیرا، موتی یگانہ، دریکتا، وحید الدہر اور سراج منیر اس سرزمین پاک وہند میں منور ہوا، اگر میں خود اپنی آنکھوں سے کتاب نہ دیکھتا، کوئی دوسرا آدمی زبانی ان واقعات وحالات کو بیان کرتا تو یقیناً دل قبول نہ کرتا، نہ ہی قابل قبول تھیں ظاہرا۔ گو یہ اہل السنت والجماعت کا مذہب ہے کہ ان لوگوں سے زمین خالی نہیں

ہوتی، مگر ایسے جامع شریعت وحقیقت ہستی کا اس دور میں پایا جانا اگر محال نہیں تھا تو یقیناً کم یاب تو تھا اور ہے۔

میں خود اس مرض کا قدیم المریض ہوں۔ طبیب قلب کا سالہا سال سے متلاشی ہوں مگر جو ملا آخر وہ دکاندار ہی ثابت ہوا، اس لئے میری کشتی کنارے نہ لگ سکی نہ ہی مرض سے نجات ملی، اگر کوئی صورت حاضری کی میسر آئی تو حاضر خدمت ہوں گا، وقت آخری ہے اور میں چند ایک معروضات پیش کر کے جواب لینا چاہتا ہوں۔

۱۔ کیا اذکار و اشغال مشائخ و ہیئت جلسہ ذکر، اور دو وقت ذکر کرنے اور مجموعی طور پر ذکر کرنے و جو قرون ثلثہ میں ملتا ہے جو قرون مشہود بالخیر ہیں، اگر ان کا وجود قرون ثلثہ میں موجود نہ تھا تو اس کو بدعت کہنا بعید نہ ہوگا۔

۲۔ کیا نجات اخروی کے لئے اور دیگر تمام کمالات کے حصول کے لئے کتاب اللہ اور سنت رسول کافی نہیں کہ مزید اذکار و اشغال مشائخ بایں قیودات و تخصیصات اختیار کئے جائیں جب کہ انسان عامل بالکتاب والسنت ہے۔

۳۔ کیا علم سلوک وتصوف جزو دین ہے؟ اگر ہے تو قرون ثلثہ اس سے کیوں خالی رہے؟ اگر نہیں تو اس کے حصول کا کیا فائدہ؟

۴۔ اگر علم سلوک جزو دین ہے تو اس کے حصول کے لئے ولی کامل اور مرشد کامل کو موقوف علیہ ٹھہرانا کہاں ثابت ہے اس کا حصول تو کتب تصوف اور کتاب اللہ اور سنت سے ہو سکتا ہے۔

۵۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ علم سلوک ایک باطنی علم ہے مگر حصول علم کیلئے زندہ اشخاص کافی ہیں علام علوم باطنیہ سے حاصل ہو سکتا ہے مگر جو صوفیائے کرام اور اولیائے عظام میں مشہور ہے کہ فیض روح سے بھی ہو سکتا ہے تو اہل قبور سے کس طرح ہو سکتا ہے جب بعد الدارین ہو چکا ہے، نیز فقہا میں تو بعض سرے سے سماع موتی کا انکار کرتے ہیں جب حال یہ ہے تو فیض حاصل کرنا کس طرح ہو سکتا ہے؟ اور امام صاحب کا مذہب بھی بعض عدم سماع بتاتے ہیں۔

۶۔ خدا تعالیٰ نے سوال کئے بغیر پیدائش انسانی، جنات و شیاطین قرآن میں بیان فرمادیں مگر روح کی پیدائش اور حقیقت باوجود سوال کے نہ بتائی جس سے خوب واضح ہوتا ہے کہ روح کوئی فرشتہ اور جن سے بھی زیادہ الطف چیز ہے تو ایسی لطیف ہستی سے فیض حاصل کرنا بہت ہی مشکل ہے، فیض کے لئے اول روح سے ہم مجلس ہو، پھر اس کو دیکھے وہ نظر آئے پھر اس سے ہمکلام ہو اس کی کلام سنی جائے، پھر اس سے اخذ فیض کیا جائے، چہ جائیکہ اس سے خرقہ خلافت لیا جائے جس کی کوئی نظیر آپ فرمائیں، گر ہے تو۔ جب عدم سماع بھی سامنے ہے۔

۷۔ کیا روح پر موت طاری نہیں ہوتی؟ قرآن میں کل نفس ذائقۃ الموت، موجود ہے، اس کلیہ سے آپ روح کو کیسے مستثنیٰ فرماتے ہیں؟ کیا روح کے لئے بھی روح ہے جبکہ حیات کا موقوف علیہ ہی روح ہے۔

۸۔ فنا فی الرسول، فنا فی اللہ اور بقا باللہ اور مراقبات کی بھی کوئی حقیقت ہے؟ صوفیائے کرام کے نزدیک اور ان کے حصول وتحصیل کی کیا صورت ہے؟ کس طرح حاصل کیا جا سکتا ہے؟ کیا وہ طریقہ آپ ہم کو لکھ کر ارسال کر سکتے ہیں؟ کہ ہم بھی ان کو حاصل کر کے خدا کے خاص بندوں میں داخل ہو جائیں۔

آپ سے دور افتادہ ہیں مہربانی کر کے تفصیل سے لکھیں، نیز کشف ملائکہ وجن و کشف قبور جن جن وظائف سے حاصل ہو جاتے ہیں وہ بھی مفصل لکھنا مہربانی ہوگی، میں آپ کے حلقہ کا آدمی ہوں۔

خط کا جواب

از حضرت العلام مولانا اللہ یار خان صاحب مدظلہ

چکڑالہ، ضلع میانوالی

پہلے سوال کا جواب

سب سے پہلے بدعت کا مفہوم سمجھ لینا چاہئے جو چیز بوجود شرعی قرون ثلثہ میں موجود تھی وہ سنت ہے اور جو حکم بوجود شرعی قرون ثلثہ میں موجود نہ تھا وہ بدعت ہے
اب وجود شرعی کی تفصیل سنئے :۔ اصطلاح اصول فقہ میں وجود شرعی اسے کہتے ہیں جو بغیر بیان رسول کریں ﷺ معلوم نہ ہو سکے اور حس عقل کا اس میں دخل نہ ہو، اس شے کا وجود حضور اکرم ﷺ کے فرمان اور بیان پر ہی موقوف ہوگا۔
پھر بیان میں خواہ صراحت ہو، اشارۃ یا دلالۃ ہو یعنی بیان کی کوئی فرع پائی گئی تو اس حکم کا جواز ثابت ہوگا اور اس حکم کا وجود شریعت میں آ گیا، خواہ اس وقت اس حکم کی جنس بھی خارج میں موجود نہ ہو، چہ جائیکہ اس کا جزیہ ضروری ہو۔ پس جس حکم کا جواز کلیۃ ثابت ہو گیا وہ حکم بجمیع جزئیات ثابت ہوگا خواہ اس کا کوئی جزیہ بوجود خارجی قرون ثلثہ میں موجود ہو یا نہ ہو، اگر اس کلیہ کا کوئی جزیہ قرون ثلثہ کے بعد خارج میں وجود میں آیا وہ سنت میں داخل ہوگا بدعت نہ ہوگا۔

یوں تو اقسام حدیث میں قول رسول ﷺ فعل رسول ﷺ تقریر رسول ﷺ ہوا جس نفس رسول ﷺ، عزم رسول ﷺ ھم رسول ﷺ اور خواطر رسول ﷺ سب ہیں، مگر اذکار تو وہ سنت ہے جس کا ثبوت صراحۃ رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے زمانے میں اور خیر القرون میں پایا جاتا ہے۔ اذکار و اشغال جن کی اصل کتاب و سنت میں موجود ہو اور ان کی جزئیات مشائخ نے اس اصل سے اخذ کی ہوں وہ داخل سنت ہوں گی۔ کیونکہ وسائل و ذرائع حکم مقاصد میں داخل ہیں۔

دوسری چیز یہ سمجھ لی جائے کہ تعلق باللہ، نسبت باللہ اور توجہ الی اللہ سب مامور بہ ہیں اگرچہ کلی مشکک ہے جس کا ادنی درجہ مندوب ہے اور اعلی درجہ فرض ہے اور سینکڑوں آیات قرآنی اور احادیث نبوی ﷺ سے ان کا مامور من اللہ ہونا ثابت ہے، بلکہ تمام شریعت کا خلاصہ اجمال یہ ہے کہ مال اور اولاد سے تعلق حفاظت کا ہو اور اللہ تعالی سے تعلق عبادت اور اطاعت کا ہو۔ جو شخص قرآن مجید اور حدیث شریف میں غور کرے سینکڑوں آیات و احادیث سے ان کا مامور من اللہ ہونا پائے گا اور غیر سے قلبی انقطاع کا ثبوت ملے گا۔

تیسری بات یہ سمجھ لیں کہ مامور بہ اور مامور من اللہ مقصود لذاتہ ہے اور جو چیز مامور بہ ہو اس کی تحصیل کیلئے جو ذرائع اور وسائل اختیار کئے جائیں گے یا جو طریقہ مشخص کیا جائے گا یا مقید کیا جائے گا وہ بھی مامور بہ ہوگا جیسے وضو کو دیکھئے مقصود لذاتہ تو نماز ہے اور نماز موقوف ہے وضو پر، لہذا وضو کے لئے پانی مہیا کرنا واجب ہوگا۔ کیونکہ وہی تو وسیلہ اور ذریعہ طہارت ہے۔ اسی طرح نماز کے لئے ستر عورت فرض ہے لہذا لباس کا مہیا کرنا بھی فرض ہوا، لہذا ذکر الہی کے سلسلے میں مشائخ نے جو وسائل اور ذرائع اختیار کئے، یا جن ذرائع کو اصل مقصود کے لئے مشخص کیا یا مقید کیا یا موکد و غیر موکد کیا، جن پر مقصود ذاتی موقوف تھا، وہ بھی مقاصد میں داخل ہوئے، ان کو بدعت میں نہیں کہا جائے گا۔ یہ احداث فی الدین نہیں ہوگا، ہاں احداث للدین ہوگا۔ جس طرح طبیب ہر زمانہ اور ہر موسم ادویہ بدلتا اور تجویز کرتا ہے، طبیب کا اصل مقصد تو صحت بدن انسانی ہے، اسی طرح اذکار کا اصل مقصد تعلق مع اللہ اور توجہ الی اللہ ہے جس طریقہ سے حاصل ہو وہ اختیار کرنا فرض کے حکم میں داخل ہوگا۔

یا مثلا اعلائے کلمۃ اللہ ایک مقصد ہے اور جہاد بھی اس کا ایک ذریعہ ہے، جہاد جن آلات حرب پر موقوف ہوگا ان کی تحصیل بھی فرض ہوگی، جیسے آج کے حالات کے مطابق توپ، ٹینک، ہوائی جہاز وغیرہ، ان کو اس وجہ سے بدعت نہیں کہا جائیگا کہ رسول کریم ﷺ یا صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں یا خیر القرون میں ان کا وجود نہیں تھا، بس تلوار نیزے سے ہی کام لینا سنت ہوگا۔ معلوم ہوا کہ مقصد جب اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جہاد کرنا ہے مگر اس مقصد کے حصول کے لئے حالات کے مطابق ذرائع مہیا کرنا، جن پر یہ موقوف ہے وہ بھی واجب ہوگا اسے بدعت نہیں کہا جا سکتا۔

چوتھی بات یہ سمجھ لیجئے کہ حدیث جبرئیل میں احسان کو جز و دین کہا گیا ہے اس لئے اس کا حاصل کرنا مسلمانوں پر واجب ہے۔ احسان صرف جز و دین ہی نہیں،

بلکہ دین کی روح اور خلاصہ ہے جس نے اسے حاصل نہ کیا اس کا دین ناقص ہے، کیونکہ احسان کی حقیقت یہ بیان ہوتی ہے کہ تعبد ربک کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک حدیث میں دین کے تینوں اجزاء کا ذکر ہے۔ ایمان جو اصل ہے، اعمال جو فرع ہیں اور احسان جو ثمرہ ہے اسے چھوڑ دینا ایسا ہے جیسے ایک شخص مغرب کی نماز میں فرض کی دو رکعت پڑھ کر فارغ ہو جائے، ظاہر ہے کہ اس کی نماز نہ ہو گی، اسی طرح احسان کو چھوڑ دینا دین کے ایک عظیم جزو کو ترک کرنا ہے، اس لئے دین ناقص رہ جائے گا۔

پانچویں یہ بات سمجھ لیجئے کہ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں یہ درجہ احسان صرف صحبت رسول ﷺ سے حاصل ہو جاتا تھا، صرف فرائض کی پابندی کے ساتھ صحبت رسول ﷺ ہو گئی تو درجہ احسان حاصل ہو گیا اور وہ بھی اس پایہ کا کہ بڑے سے بڑا ولی ایک ادنیٰ درجے کے صحابی کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا، جب آفتاب نبوت اوجھل ہو گیا تو مجاہدات و ریاضات کی ضرورت محسوس ہوئی تا کہ دین کا یہ اہم حصہ جو دین کا ماحصل کمال کا اعلیٰ درجہ اور مقصود لذاتہ ہے حاصل ہو سکے۔

رہا دو وقت ذکر کرنے کا سوال تو یہ نص سے ثابت ہے۔ مثال کے طور پر دیکھئے۔

١. انا سخرنا الجبال معه یسبحن بالعشی والاشراق والطیر محشورہ

ہم نے پہاڑوں کو حکم کر رکھا تھا کہ ان کے ساتھ شام اور صبح تسبیح کیا کریں۔ اور پرندوں کو جو جمع ہو جاتے تھے

اس حقیقت کو کشف صحیح کی تائید بھی حاصل ہے، اولیاء اللہ نے اس آیت سے دو امور ثابت کئے ہیں:

اول: اجتماعی ذکر، اس میں ذاکرین کے انوار کا عکس ایک دوسرے پر پڑتا ہے جس سے نحوست دور ہوتی ہے۔ قلب میں انبساط پیدا ہوتا ہے، ہمت قوی ہو جاتی ہے اور اس اجتماعی ذکر سے جو تاثیر پیدا ہوتی ہے وہ الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتی، یہ کیفیت چشیدنی ہے گفتنی نہیں۔

۲. واذکر ربک فی نفسک تضرعا و خیفة و دون الجهر من القول بالغدو والاصال ولا تکن من الغافلین.

اس آیت میں ذکر قلبی کرنے کا حکم ہے کیونکہ خوف کا تعلق دل سے ہے زبان سے نہیں۔

دوم: صبح و شام ذکر کرنے کا حکم ہے، آخری بات یہ نکلی کہ جو شخص اس طرح ذکر نہیں کرتا وہ خدا سے غافل ہے اور ظاہر ہے کہ خدا سے غافل ہو جانے سے بڑھ کر محرومی اور کیا ہو سکتی ہے۔ اور اس غفلت سے دین میں جو نقص پیدا ہوتا ہے، اس میں کلام کی گنجائش کہاں ہے؟

۳. واصبر نفسک مع الذین یدعون ربهم بالغداة والعشی.

۴. ولا تطرد الذین یدعون ربهم بالغداة والعشی.

یوں تو ہر حالت میں ذکر کرنے اور ذکر کثیر کرنے کا حکم ہے مگر دو وقت اہتمام سے ذکر کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

اجتماعی ذکر کے سلسلے میں صحیح حدیث موجود ہے کہ:

لا یقعد قوم یذکرون الله الا حفت بهم الملائکة وغشیتهم الرحمة وتنزلت علیهم السکینة هم قوم لا یشقی جلیسهم.

اس حدیث میں اجتماعی ذکر کا ثبوت موجود ہے، پھر اس نعمت کا ذکر ہے کہ اس مجلس کو ملائکہ گھیر لیتے ہیں، رحمت باری اور سکون قلبی نازل ہوتا ہے، یہاں تک کہ اس مجلس میں بیٹھنے والا بھی بد بخت نہیں رہ سکتا۔

پھر صحیح حدیث موجود ہے کہ ملائکہ کی ایک جماعت حلقہ ذکر کی تلاش میں پھرتی رہتی ہے، جہاں کہیں کوئی مجلس ذکر پاتے ہیں دوسرے فرشتوں کو بلاتے ہیں اور اس مجلس میں بیٹھ جاتے ہیں۔

مختصر یہ کہ ذکر کا مامور من اللہ ہونا اور صبح و شام اہتمام سے ذکر کرنا نص سے ثابت ہے۔

دوسرے سوال کا جواب

ذکر کثیر جو تمام اوقات کو شامل ہے اور صبح و شام ذکر کرنے کا مامور من اللہ ہونا نصوص قرآنی اور حدیث نبوی ﷺ سے ثابت ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے تو یہ ذکر کرنا بھی عمل بالکتاب والسنت ہے ان کو ایک دوسرے سے جدا کیوں سمجھا جائے؟ حدیث جبرئیل سے ظاہر ہے کہ عقائد (ایمان) اور اعمال (اسلام) کے علاوہ بھی دین کا ایک حصہ ہے جس کا پورا کرنا اور اس فرض کو بجالانا ضروری ہے جسے احسان کہا گیا ہے اسی کو تصوف کہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ انسان کامل طور پر عامل بالکتاب والسنت ہو ہی نہیں سکتا جب تک ذکر کثیر بالعموم اور صبح و شام ذکر بالخصوص اہتمام سے نہ کرے۔

تیسرے سوال کا جواب

پہلے سوال کے جواب میں بیان کر دیا گیا ہے کہ تصوف جزو دین ہے۔

چوتھے سوال کا جواب

کوئی علم یا فن کسی استاد کی شاگردی اختیار کیے بغیر نہیں سیکھا جا سکتا۔ کتاب اللہ اور سنت رسول کا صحیح فہم حاصل کرنا کامل اور ماہر استاد کے تعلیم دینے پر موقوف ہے۔ محض کتابوں کے مطالعہ سے کتاب اللہ کے اسرار اور سنت رسول ﷺ کی حقیقت سمجھ میں نہیں آ سکتی، پھر اس کلیہ سے تصوف کو مستثنیٰ کیوں کیا جائے، اس کے سیکھنے کے لئے مرشد کامل کی ضرورت کا انکار کیوں کیا جائے، جبکہ وہی فن سکھانے کی مہارت اور اہلیت رکھتا ہے۔ کتب تصوف سے نشان راہ تو مل سکتا ہے مگر منزل تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ حالات، واردات، کیفیات اور روحانی ترقی کے لئے مراقبات، کتابوں سے سیکھنے کی چیز ہی نہیں کیونکہ واضع نے انکے لئے الفاظ وضع ہی نہیں کئے۔ یہ کمالات شیخ کامل کے سینے سے حاصل ہوتے ہیں، شیخ کے باطن سے اور اس کے روح سے حاصل ہوتے ہیں، جس نے ولایت اور معرفت کا عملی نمونہ دیکھا ہی نہیں وہ عارف کیسے بنے گا، ہاں ضرورت اس بات کی ہے کہ شیخ کامل ہو، دل کا اندھا نہ ہو، قوی القلب ہو، جس کے قلب کے انوار اتنے قوی ہوں کہ سالک کی روح اور اس کے باطن کو اپنی طرف کھینچ سکے۔

پانچویں، چھٹے اور ساتویں سوال کا جواب

اولیاء اللہ کے ارواح سے اور ان کی قبور سے فیض حاصل کرنا اہل سنت والجماعت کا اجماعی مسئلہ ہے۔ اس کے متعلق سوال کرنا مذہب اہل سنت سے ناواقفیت کی دلیل ہے، رہا بعد الدارین کا اشکال تو یہ بعد جسم کے لئے ہے، روح کے لئے بعد نہیں، معراج کی متواتر احادیث کیا آپ کے پیش نظر نہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے جا بجا اہل برزخ کو دیکھا، ان کو راحت کی حالت میں بھی دیکھا، انبیاء کی امامت بھی کرائی، ان سے کلام ہوئی حالانکہ وہ برزخ میں تھے اور حضور ﷺ دنیا میں تھے، گو اس میں محدثین کا اختلاف ہے کہ مسجد اقصیٰ میں انبیاء کے ارواح حاضر ہوئے یا روح مع الجسم۔ میں ذاتی طور پر امر ثانی کا قائل ہوں۔ دیکھئے حضرت موسیٰ سے کتنا فیض ہوا کہ پچاس کی جگہ پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ کیا اس کے بعد بھی روح سے فیض لینے میں شبہ رہ سکتا ہے۔

رہی یہ بات کہ سالک روح کو دیکھتا کیسے ہے، کلام کیونکر ہوتی ہے۔ فیض کس طرح ہوتا ہے۔ سوال و جواب کیسے ہوتے ہیں؟ روح کی حیات کس طرح کی ہے وغیرہ؟ تو یہ چیزیں بتائی نہیں جا سکتیں، البتہ سیکھی اور سکھائی جا سکتی ہیں۔ میں تصوف کو جزو دین اور روح دین سمجھتا ہوں اور تحدیث نعمت کے طور پر کہتا ہوں کہ جسے سلوک سیکھنا ہو بندہ کے پاس ان شرائط کے ساتھ رہے جو میں پیش کروں گا، ان شاء اللہ تعالیٰ یہ دکھا دوں گا کہ روح سے فیض کیسے اخذ کیا جاتا ہے۔ وہ شخص روح سے کلام کرلے گا۔ قبر کے عذاب و انعام کو دیکھ لے گا۔ انبیاء کی روحوں سے ملاقات کرے گا اور حضور اکرم ﷺ کے دست مبارک پر روحانی بیعت کرادوں گا۔ بشرطیکہ وہ شخص متبع سنت ہو، خلوص لے کر آئے۔ پھر سماع موتیٰ کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔ گو دلائل سمعیہ بھی سماع کے موکد ہیں، ان کا انکار صرف جاہل اور ضدی ہی کر سکتا ہے۔

دور صحابہ میں کشف والہام بغیر ریاضت ومجاہدہ کے حاصل ہو جاتا تھا۔ صحبت رسول کی موجودگی میں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں تھی۔

حیات روح کی حقیقت یہ ہے کہ روح کی حیات نور سے ہے، جس طرح روح محرک بدن انسانی ہے، اسی طرح نور محرک روح ہے۔ اور محرک نور ذات باری تعالیٰ ہے۔ روح کے بدن سے جدا ہونے سے تصرف وتدبیر کا تعلق بدن سے ختم ہو جاتا ہے۔ اس جدائی کو موت سے تعبیر کرتے ہیں۔ روح فانی نہیں۔ روح کی فنا ہے اور بقا زمانی ہے۔

کل نفس ذائقۃ الموت کی حقیقت بھی سمجھ لیں۔ قانون ہے کہ ذائق مذوق کے بعد زندہ رہتا ہے جیسے انسان ذائق ہے اور روٹی مذوق۔ روٹی کھائی گئی۔ انسان زندہ موجود ہے۔ اسی طرح روح ذائق ہے اور موت مذوق ہے۔ اس لئے موت کے بعد روح زندہ رہتی ہے۔

سماع موتی کے مسئلہ میں امام صاحب کے متعلق جو غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ وہ عدم سماع کے قائل تھے۔ یہ درست نہیں۔ دیکھئے عرف شذی ص ۳۸۶:

واشتهر على السنة الناس ان الموتىٰ ليس لهم سماع عند ابی حنيفة وصنف ملا على قاری رسالة وذكر فيها ان المشهور ليس له اصل من الائمة اصلا

اور لوگوں کی زبانوں پر یہ بات مشہور ہو چکی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ سماع موتی کے قائل نہیں، ملا علی قاری نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس میں لکھا ہے کہ امام صاحب کے متعلق جو یہ مشہور ہے کہ عدم سماع کے قائل تھے اس کی کوئی سند نہیں، یہ بالکل بے اصل ہے۔

اور اہل السنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ میت کو عالم برزخ میں دنیا کے حالات کا علم ہوتا ہے، دیکھئے عرفان شذی ص ۳۸۷:

في شرح المقاصد ان علم الميت مجمع عليه

شرح مقاصد میں ہے کہ میت کو علم ہونا اجماعی عقیدہ ہے۔

اور ظاہر ہے کہ علم بغیر حیات کے محال ہے اور عرف شذی ص ۳۸۷ پر ہے۔

وامحققون ان ابا حنيفة لا ينكر سماع الاموات

محققین کا مذہب یہی ہے کہ امام ابوحنیفہ سماع موتی کے منکر نہیں تھے۔

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی لمعات ۳:۴۰۱ پر فرماتے ہیں:

''وبالجملہ کتاب وسنت مملو ومشحونند کہ دلالت می کنند بر وجود علم موتی را بدنیا واہل آں پس منکر نشود آنرا مگر جاہل باخبار و منکر دین و مشائخ گفتہ اند ہر کہ ایں اعتقاد ندارد۔ ایمان تحقیقت نبوت ندارد۔''

معلوم ہوا کہ روح زندہ ہے۔ جو کمالات اسے دنیا میں حاصل ہوتے ہیں جسمانی موت کے بعد روح سے چھین نہیں لئے جاتے، جو علم اس نے دنیا میں حاصل کیا تھا برزخ میں اس سے حاصل کیا جا سکتا ہے، شرط یہ ہے کہ حاصل کرنے والا برزخ سے روح کے ساتھ رابطہ قائم کرنے کی قوت رکھتا ہو جیسا کہ نبی کریم ﷺ کو نمازوں کی تعداد میں کمی کرنے کی درخواست کرنے اور کم کرانے کا فائدہ حاصل ہوا تھا۔

آٹھویں سوال کا جواب

فنا فی الرسول، فنا فی اللہ اور بقا باللہ سلوک کے وہ منازل ہیں کہ ہزاروں اللہ کے بندے ان کے حصول کے لئے کوشاں رہے، مجاہدے اور ریاضتیں کرتے رہے اور یہی آرزو لے کر دنیا سے رخصت ہوئے، ان منازل کے حصول کے لئے بھی تڑپ انسان کی سعادت کی بہت بڑی دلیل ہے۔ مگر یہ منازل صرف زبانی اوراد و وظائف سے حاصل نہیں ہوتے۔ یہ قلب اور روح کا معاملہ ہے اور صرف ذکر لسانی سے تصفیہ قلب اور تزکیہ باطن نہیں ہو پاتا، بلکہ ان منازل کے حصول کے لئے دوسری شرائط ہیں، سب سے پہلے اصلاح قلب کی ضرورت ہے، اور اس کی صورت یہ ہے کہ ذکر قلبی کثرت سے کیا جائے اتباع شریعت اور اتباع سنت کا اہتمام کیا جائے۔ اصلاح قلب ایسا کمال ہے جو شیخ کامل کی رہنمائی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا:

مولوی ہرگز نشد مولائے روم   تا غلام شمس تبریزی نشد

اور:

کیمیا پیدا کن از مشت گلے — بوسہ زن بر آستان کاملے
ہست محبوبے نہاں اندر دلت — چشم اگر داری بیا بنمایمت

شیخ کامل کی رہنمائی میسر آجائے تو اتباع سنت کا اہتمام لازمی طور پر کیا جائے۔

محال است سعدی کہ راہ صفا — تواں رفت جز در پے مصطفیٰ

شیخ کامل اس راہ پر اس ترتیب سے چلاتا ہے کہ سب سے پہلے لطائف کراتا ہے، جب وہ منور ہو جاتے ہیں تو مراقبہ احدیت کراتا ہے، جب یہ رابطہ خوب مضبوط ہو جائے تو شیخ اپنی روحانی قوت سے مراقبہ معیت پھر اقربیت کراتا ہے۔ پھر دوائر ثلاثہ، پھر مراقبہ اسم الظاہر والباطن۔ یہ مراقبات عالم ملکوت سے گزار کر شیخ کامل کراتا ہے۔ پھر مراقبہ سیر کعبہ، پھر سیر صلوٰۃ پھر سیر قرآن، اس کے بعد مراقبہ فنائی الرسول کراتا ہے اور دربار نبوی میں حاضری ہوتی ہے۔ فنائی الرسول کا مطلب یہ ہے کہ آدمی حضور اکرم ﷺ کی محبت اور آپ کی سیرت میں فنا ہو جائے۔ پھر شیخ کامل توجہ روحانی سے فنائی اللہ اور بقا باللہ کا مراقبہ کراتا ہے، یہ ذکر لسانی سے حاصل نہیں ہوسکتیں، بلکہ شیخ کامل کی توجہ سے ذکر قلبی کرنے سے یہ مقامات حاصل ہوتے ہیں۔ مراقبہ فنا بقا میں عجیب سی کیفیت ہوتی ہے۔ سالک کا وجود زمین پر ہوتا ہے اور روحانی طور پر یوں محسوس کرتا ہے کہ عرش بریں پر اللہ تعالیٰ کے سامنے سربسجود ہے اور سبحان ربی الاعلیٰ اور سبحان ربی العظیم کہہ رہا ہے، عرش معلیٰ اللہ تعالیٰ کے ذاتی انوار تجلیات کا مہبط ہے۔ وہ انوار وتجلیات سرخ سنہری معلوم ہوتے ہیں۔ کائنات کی کیفیت یوں معلوم ہوتی کہ ہر چیز شجر، حجر، حیوان، ملائکہ سبحان ربی الاعلیٰ اور سبحان ربی العظیم پکار رہے ہیں، ایک گونج اٹھتی ہے اور سالک پر سب چیزوں سے غفلت طاری ہوجاتی ہے۔

کائنات کی ہر چیز کا تسبیح وتحمید کہنا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں

قد فطر اللہ الجمادات علیٰ تسبیحہ وتحمیدہ وتنزیہ لطفا وتسبیحھا تسبیح حقیقی

اسی طرح انسانوں کے متعلق بھی تسبیح کے یہی الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ مخلوق دو قسم ہے، ذوی العقول اور غیر ذوی العقول۔ ذوی العقول یعنی انسان معرفت الٰہی اور عبادت الٰہی کے لئے پیدا ہوا ہے اور غیر ذوی العقول اللہ کی تسبیح وتہلیل کے پیدا ہوئے ہیں۔

ہمارے سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ میں ایک مراقبہ جمادات واشجار بھی ہے، میں یہ مراقبہ نہیں کرایا کرتا۔ کیونکہ خام آدمی کے لئے نقصان کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس مراقبہ میں پتھروں اور درختوں، پانی اور ہوا کی بولی سکھائی جاتی ہے اور صوفی کامل ان غیر ذی روح چیزوں سے کلام کرسکتا ہے اور ان کی کلام سمجھ سکتا ہے۔

ملائکہ، جنات، شیاطین اور روح سے کلام ہونا تو سلوک کی ابتدائی باتیں ہی ہاں اس سلسلے میں طبائع انسانی کے اختلاف کی وجہ سے نتائج بھی مختلف ہوتے ہیں۔ بعض سالک ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں سلوک میں منازل بالا حاصل ہو جاتی ہیں، حتیٰ کہ عالم امر اور عالم حیرت کے منازل بھی طے کر لیتے ہیں، مگر انہیں مشاہدات نہیں ہوتے، یہ بھی اللہ کی شان ہے اور اس میں بھی اللہ کی کوئی حکمت پنہاں ہوتی ہے، بعض ایسے ہوتے ہیں جنہیں بالکل ابتداء میں مشاہدات کی نعمت عنایت فرما دیتا ہے، ایسے لوگوں کو رویت اشکال کا مراقبہ بھی کرایا جاتا ہے۔ اس مراقبہ میں روح کی اصل شکل بھی جو بعد موت ہوگی سامنے آجاتی ہے، اس مادہ پرستی کے دور میں بہت کم ایسے آدمی ملتے ہیں جن کی روح انسانی شکل پر ہو، نعوذ باللہ من ذالک۔ علمائے قشر ایسی باتوں کا انکار کردیتے ہیں، اس کی وجہ عدم علم ہے، ایسے انکشافات بالخصوص کشف قبور کے متعلق شبہ کی گنجائش تو حال کی سائنس کی ایجادات نے چھوڑی ہی نہیں، مثال کے طور پر ٹیلی ویژن کو لیجئے۔ ٹیلی ویژن اسٹیشن اور ریسیونگ سیٹ کے درمیان طویل مسافت کے باوجود آواز بھی سنائی دیتی ہے۔ تصویر بھی سامنے آجاتی ہے اور آدمی کی تمام حرکات وسکنات بھی نظر آتی ہیں، اسی طرح کشف قبور میں جب روح سے کلام ہوتی ہے تو روح بھی سامنے آجاتی ہے اس کی کلام بھی سنائی دیتی ہے۔

جمادات میں شعور کے موجود ہونے کا ثبوت قرآن وحدیث میں موجود ہے۔

قال الله تعالیٰ: تسبح له السمٰوٰت السبع والارض

اور:

وان من شیء الا یسبح بحمده ولکن لا تفقهون تسبیحهم

اور:

الم تر ان الله یسجد له من فی السمٰوٰت ومن فی الارض والشمس والقمر والنجوم والجبال والشجر والدواب وکثیر من الناس وکثیر حق علیه العذاب.

بعض مفسرین کا قول ہے کہ سجدہ سے دلالت علی الصانع مراد ہے مگر یہ قول درست نہیں معلوم ہوتا کیونکہ الناس کے ساتھ کثیر کی قید نے اس تاویل کو اڑا دیا ہے، کیونکہ صانع پر تو تمام جہان دلالت کرتا ہے مصنوع دال علی الصانع ہوتا ہے اور کثیر من الناس سے ظاہر ہے کہ کچھ ایسے بھی ہیں جو دال علی الصانع نہیں اور یہ بات اصولاً غلط ہے مصنوع ہو اور دال علی الصانع نہ ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اس لئے یہ قول غلط ٹھہرا، لہٰذا سجدہ اور تسبیح حقیقی ثابت ہوئی۔

ترمذی اور ابن ماجہ میں یہ حدیث موجود ہے:

عن سهل بن سعد قال قال رسول الله ﷺ ما من مسلم تلبی الا لبیٰ ما عن یمینه وشماله من حجر او شجر او مدر حتیٰ تنقطع الارض من ههنا وههنا

حضرت سہل فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو مسلم تلبیہ کہتا ہے تو اس کے دائیں بائیں کے تمام پتھر درخت ڈھیلے تک تلبیہ کہتے ہیں۔ حتیٰ کہ مشرق سے مغرب تک تمام تلبیہ کہتے ہیں۔ (حاجی کی تلبیہ سنکر)

اس حدیث سے اہل کشف کے اس کشف کی تصدیق ہوتی ہے کہ جمادات میں شعور اور حس موجود ہے، جس سے وہ تلبیہ کی آواز سنتے ہیں اور خود کلام کرتے ہیں۔

اور ابوداؤد میں ہے:

عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ ان الحصاة تناشد الله الذی یخرجها من المسجد لیدعها.

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص مسجد حرام سے کنکریاں اٹھا کر باہر لے جانا چاہے تو وہ کنکریاں اس کو خدا کا واسطہ دیتی ہیں کہ انہیں وہیں رہنے دے باہر نہ لے جائے۔

یہ حدیث بھی اہل کشف کی تصدیق کرتی ہے کہ کنکریوں میں شعور وادراک ہوتا ہے۔

ایک حدیث بخاری اور ترمذی میں آئی ہے:۔

عن انس قال قال رسول الله ﷺ ان احد جبل یحبنا ونحبه

احد ایک ایسا پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

اس حدیث میں محبت کا لفظ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جمادات میں شعور اور حس موجود ہے۔ نحبه سے محبت حقیقی مراد ہے تو یحبنا میں بھی محبت کا لفظ حقیقی معنوں پر محمول ہوگا۔ ہاں مسئلہ ظنی ہے داخل عقائد نہ ہوگا۔

جمادات اور اشجار کو تسبیح وتہلیل، تحمید وتنزیہ کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور وہ اپنا مقصد تخلیق پورا کر رہے ہیں، مگر انسان جو معرفت الٰہی کے لئے پیدا کیا گیا ہے وہ خدا سے غافل ہو گیا ہے۔ انسان اگر اپنا مقام پہچان لے اور قرب الٰہی اور رضائے الٰہی کے حصول میں لگ جائے تو اس کی دنیا میں بھی سنور جائے اور آخرت بھی بن جائے اور اس کا واحد ذریعہ ذکر الٰہی کی کثرت ہے۔

یہ خیال رہے کہ مشاہدات، مکالمات اور مکاشفات کا حاصل ہو جانا یا جمادات اور ارواح سے کلام کر لینا کمال کی چیز نہیں اصل کمال قرب الٰہی اور رضائے الٰہی کا حصول مقصود ہے۔

اللہ کی اطاعت اور عبادت پر اس لئے صوفی کامل کے لئے ضروری ہے کہ مشاہدات وغیرہ تمام چیزوں سے صرف نظر کرتا ہوا اپنی منزل مقصود یعنی قرب الٰہی کی طرف بڑھتا چلا جائے اور یہ مقصد شیخ کامل کی رہبری سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

۱۔ الٰہی بحرمت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ

۲۔ الٰہی بحرمت حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۔ الٰہی بحرمت حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

۴۔ الٰہی بحرمت حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ

۵۔ الٰہی بحرمت حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

۶۔ الٰہی بحرمت حضرت عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ

۷۔ الٰہی بحرمت حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

۸۔ الٰہی بحرمت حضرت ابوایوب محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ

۹۔ الٰہی بحرمت حضرت سلطان العارفین خواجہ اللہ دین مدنی رحمۃ اللہ علیہ

۱۰۔ الٰہی بحرمت حضرت مولانا عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ

۱۱۔ الٰہی بحرمت قلزم الفیوضات حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ۔

۱۲۔ الٰہی بحرمت ختم خواجگان خاتمہ فقیر محمد اکرم ومن بخر گرداں وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین برحمتک یا ارحم الرحمین۔

کوئی مصیبت کوئی حادثہ کوئی مشکل پیش آ جائے تو سحری کے وقت معمول کے بعد سلسلہ خواجگان ۱۱ تک پڑھ کر بحضور قلب اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے، ان شاء اللہ تعالیٰ اس کی مراد پوری ہوگی۔ اگر عام طور پر پڑھے تو بارھویں سطر ساتھ ملا لے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے خاتمہ بالایمان کریگا۔

تمت بالخیر

ضمیمہ

سوال: میں نے دلائل السلوک کا مطالعہ کیا۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا یہ مطالعہ تنقیدی نوعیت کا تھا کیونکہ تنقید کے لئے وسیع معلومات اور فنی مہارت ضروری ہے اور میں اپنے اندر یہ دونوں وصف مطلوبہ معیار کے مطابق نہیں محسوس کرتا۔ اور یہ مطالعہ تنقیص کی غرض سے بھی نہیں تھا۔ کیونکہ ایسا کرنا شرافت کے منافی ہے اور اخلاقی اعتبار سے دیوالیہ ہونے کی دلیل ہے میں جانتا ہوں کہ اس نقطۂ نگاہ سے مطالعہ کرنے والوں نے اللہ کی کتاب کو بھی نہیں بخشا انسانی تصنیف کی کیا حیثیت ہے۔ میں نے بالکل خالی الذہن ہوکر اس کتاب کا مطالعہ کیا کام کی بات ہے تو پلے باندھ لوں کیونکہ داناؤں نے کہا ہے:

مرد باید کہ گیرد اندر گوش　　　　ارنوشت است پند بر دیوار

میں نے اس کتاب سے ایک مسئلہ کے بارے میں تضاد محسوس کیا ہے میں جاہتا

ہوں کہ آپ سے اس کی وضاحت کا مطالبہ کروں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ صفحہ ۱۵ تمام کمالات اور مناصب حضور اکرم ﷺ کی اتباع کی بدولت ہی حاصل ہوتے ہیں اور تصوف کا اصل سرمایہ اتباع سنت ہے۔

۲۔ صفحہ ۶۶ (شیخ کامل وہ ہے) جو حضور نبی کریم ﷺ سے روحانی تعلق قائم کر دے جو بندے اور خدا کے درمیان واحد واسطہ ہیں۔

۳۔ صفحہ ۲۳۱۔ حضور اکرم ﷺ کی ذات جامع علوم اور جامع کمالات تھی ....آپ کی صحبت میں معاش و معاد کے ہر شعبہ کے متعلق معلومات اور حقائق ملتے تھے۔ لیکن کسی فرد واحد میں نہ تو صلاحیت اور اہلیت کا ہونا ممکن تھا اور نہ ہی حکمت و مشیت الٰہی کا یہ تقاضہ تھا کہ وہ عام علوم اور وہ سارے کمالات جو نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس میں پائے جاتے ہیں کسی فرد واحد کی ذات میں جمع ہو جائیں۔

۴۔ صفحہ ۲۳۳۔ اولیائے کرام کا تمام تر سرمایہ اللہ و رسول کی محبت ہے اور زیارت رسول ﷺ دراصل محبت رسول ﷺ ہی کا ثمرہ ہے۔

۵۔ صفحہ ۲۳۴۔ زیارت قبر رسول ﷺ، محبت رسول ﷺ میں داخل ہے۔ ان مقاموں کو دیکھنا جہاں حضور اکرم ﷺ نے قدم مبارک رکھے محبت رسول میں داخل ہے۔ جب قبر رسول ﷺ کی مٹی کی زیارت محبت رسول ﷺ میں داخل ہے تو عین ذات رسول ﷺ اور حضور اقدس کی روح مبارک کی زیارت کرنے کی شان کیا ہوگی۔ مگر یہ دولت اس وقت نصیب ہوتی ہے اتباع سنت رسول ﷺ کا جذبہ درجہ کمال تک پہنچ جائے کیونکہ محبت رسول ﷺ کی انتہا اتباع سنت رسول ﷺ ہے۔ من احب سنتی فقد احبنی

ان اقتباسات سے ظاہر ہے کہ آپ کے دل میں حضور اکرم ﷺ کی عظمت اور محبت کا تصور اور عقیدہ کما حقہ پایا جاتا ہے۔ مگر ایک مقام پر آپ نے بلغۃ الحیران کا ایک اقتباس درج کیا ہے۔ صفحہ ۱۹۶۔ میں نے حضور اکرم ﷺ کی زیارت کی آپ نے مجھے بغل میں لے لیا......میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ گرنے لگے ہیں۔ میں نے حضور ﷺ کو تھام لیا اور گرنے سے بچا لیا........

۱۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ کھلا ہوا تضاد ہے۔ اس لئے آپ بتائیں کہ مذکورۃ الصدر اقتباسات کے پہلو میں آپ نے یہ اقتباس کیوں دیا۔

۲۔ کیا یہ بات گستاخی اور بے ادبی نہیں۔ اور محبت کے منافی نہیں۔

جواب: آپ کا جذبہ قابل قدر ہے اور ذہنی الجھن دور کرنے کے لئے جو طریقہ آپ نے اختیار کیا ہے آپ کی بلند اخلاقی کی دلیل ہے۔ آخر میں آپ نے جو سوال کئے ہیں انکے جواب میں پیش خدمت ہیں:

۱۔ آپ نے بلغۃ الحیران کے جس حوالے کا ذکر کیا ہے وہ ''کلام بالا رواح'' کے عنوان کے تحت باب نمبر ۲۰ میں درج کیا گیا ہے۔ رہا یہ سوال کہ وہ کیوں درج ہوا تو اس کی وجہ سنئے۔

کلام بالا رواح کے متعلق تین قسم کے لوگوں سے ہمیں سابقہ پڑا ہے۔ اول وہ جو اس ضمن میں تحقیق کے خواہاں ہیں تو ہم نے ایسے حضرات کے اقوال پیش کئے جو متقدمین اور موخرین میں سے مستند محقق مانے جاتے ہیں۔ مثلاً ابن کثیر، علامہ سیوطی، امام یافعی۔ امام........علامہ آلوسی وغیرہ۔

دوسرے وہ لوگ ہیں جو کلام بالا رواح کا انکار کرتے ہیں مگر چند محققین کے قول کو مستند سمجھتے ہیں۔ ان کی خاطر علامہ ابن قیم، علامہ ابن حجر، حضرت شاہ ولی اللہ وغیرہ کے اقوال پیش کئے ہیں۔

تیسرے وہ لوگ ہیں جن کی کیفیت عجیب ہے کہ ایک خاص مکتب فکر کا نمائندہ ہونے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں، اور خاص اشخاص سے شاگردی، عقیدت اور ارادت کے مدعی بھی ہیں اور ساتھ ہی کلام بالا رواح کے انکار میں متشدد بھی ہیں اور اس عقیدہ انکار کے مبلغ بھی ہیں۔ ان کو اس مکتبہ فکر کے اکابر کے اقوال مطمئن کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مثلاً مولانا عبدالحی لکھنوی اور مولانا مدنی وغیرہ۔ پھر وہ لوگ مولانا حسین علی کے شاگرد خاص ہونے کے مدعی ہیں۔ اور ان کو اپنا شیخ سمجھتے ہیں۔ ان پر ان کی دورنگی واضح کرنے کے لئے یہ اقتباس دیا گیا کہ جسے تم اپنا استاد اور شیخ سمجھتے ہو اس کا اپنا بیان یہ ہے۔ پھر تم کس منہ سے کلام بالا رواح کا انکار کرتے ہو۔ اس اقتباس کی غرض محض

یہ تھی۔

۲۔ رہا گستاخی اور بے ادبی کا سوال تو یہ ذرا تفصیل طلب ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ کسی نام کے مسلمان کے متعلق بھی یہ تصور کرنا کہ وہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ گستاخی یا بے ادبی کے گناہ کا ارتکاب کرنے کی جرأت کرسکتا ہے۔ بعید از عقل ہے۔ تو علمائے دین کے متعلق یہ الزام تراشی کرنا اسی وقت ممکن ہے جب آدمی آخرت کی جواب دہی سے بے نیاز ہو کر امت میں افتراق اور منافرت پھیلانا مقصد حیات بنالے اور:

''دین ملائی سبیل اللہ فساد'' کا مظہر اتم بننے کا خواہشمند ہو۔ ورنہ یہ ممکن ہی نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ کشف اور خواب کا معاملہ ایک لحاظ سے ملتا جلتا ہے۔ دونوں کی بات رمز وکنایہ کی نوعیت کی ہوتی ہے۔ اس لئے خواب کی حقیقت سمجھنے کے لئے تعبیر رویا یعنی خواب کی تعبیر کا مستقل فن ہے۔ اور جلیل القدر تابعی محمد ابن سیرین اس فن کے امام مانے جاتے ہیں۔ اسی طرح کشف کی تعبیر بھی کرنی ضروری ہوتی ہے کتاب الٰہی میں اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً:

۱۔ حضرت یوسفؑ نے خواب میں دیکھا کہ سورج چاند اور گیارہ ستارے ان کو سجدہ کر رہے ہیں پھر جب مصر میں سارا خاندان پہنچا خروالہ سجدا کا منظر پیش آیا تو آپ نے فرمایا۔ ھذا تاویل رویای کہ یہ میرے خواب کی تعبیر ہے۔ اب اگر کوئی دانشور لغت کو لے کر بیٹھ جائے۔ ستارے کے معنی بھائی کس لغت میں لکھا ہے تو اس کی سادگی پر مسکرا دینے کے بغیر کیا کرسکتے ہیں۔

۲۔ اسی طرح ملک مصر کے خواب کا معاملہ ہے کہ دبلی اور فربہ گائے کی تعبیر حضرت یوسفؑ نے تنگی اور خوشحالی کے سات برسوں سے کی۔ اب گائے کے معنی برس لغت کی کس کتاب میں مل سکیں گے۔

خواب کی تعبیر کی طرح کشف کی تعبیر بھی الفاظ ومعنی کے ربط کے علاوہ اور صورت میں ہوتی ہے۔ نیز الفاظ کے لغوی معنی اور مرادی معنوں میں بھی فرق ہوتا ہے۔ مثلاً:

۱۔ ان تنصروا اللہ ینصرکم۔ لفظی ترجمہ یہ ہوگا کہ اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ اگر یہاں لفظ اللہ کی معنی اللہ کی ذات لئے جائیں تو ماننا پڑے گا کہ (معاذ اللہ) اللہ کی ذات کمزور ہے، عاجز ہے محتاج ہے، اور یہ ماننا کفر ہے۔ لہذا اس کے مرادی معنی، اللہ کی ذات نہیں بلکہ اللہ کا دین ہے اسی طرح زیر بحث اقتباس میں رسول اللہ ﷺ کی ذات نہیں۔ بلکہ آپ ﷺ کا لایا ہوا دین اور آپ کی شریعت ہے۔ لوگ دین میں تحریف اور بدعات داخل کر کے دین کی عمارت کو گرانے کے درپے ہیں اور میں قرآن وحدیث کی تعلیم وتدریس کے ذریعے دین کی عمارت کو گرنے سے بچانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ ہاں یہ مراد لینے میں ایک ہی رکاوٹ ہے کہ کوئی فساد پھیلانا چاہے تو یہ مراد لینے میں اس کے ہاتھ سے ایک بہانہ نکل جاتا ہے۔ اگر یہاں بے ادبی کا احتمال ہے تو آیت میں کیا اللہ تعالیٰ نے خود اپنی بے ادبی کرنے کی تلقین کی ہے۔

۲۔ دوسری جگہ ارشاد ہے لتومنوا باللہ ورسولہ وتعزروہ ضمیر کا مرجع اگر نبی کریم ﷺ کی ذات قرار دیا جائے تو حضور کو (معاذ اللہ) یہاں محتاج ماننا پڑے گا، تو کیا اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی بے ادبی کرنے کا امت سے مطالبہ کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں بھی مراد حضور اکرم ﷺ کی شریعت ہے اور آپ کا لایا ہوا دین ہے۔

رمز وکنایہ کی زبان استعمال کرنا تو خود ہمارے مشاہدے اور تجربے میں بھی آتا ہے۔ فوج میں یہ معمول ہے کہ راز کی بات ایک خاص محکمہ کے ذریعے کی جاتی ہے۔ سائفر ڈیپارٹمنٹ کہتے ہیں۔ وہاں عام الفاظ کی جگہ خاص الفاظ مقرر کئے جاتے ہیں۔ اس طرح جو عبارت بنتی ہے اسے کوڈ لینگویج کہتے ہیں۔ جب پیغام پہنچتا ہے تو کوڈ کی مدد سے اس عبارت کو ڈی سائفر کر کے عام زبان میں لکھا جاتا ہے۔

یہ طریقہ بالکل وہی ہے جو خواب یا کشف کی تعبیر میں اختیار کیا جاتا ہے مثلاً اگر کوڈ میں لکھا ہو کہ RAT کے لفظ کا مطلب TANK ہے۔ اگر پیغام یہ ہے کہ پانچ RAT بھیج دو تو ظاہر ہے کہ پیغام وصول کرنے والا پانچ چوہے پکڑ کر بھجوانے کی حماقت نہیں کرے گا بلکہ وہ اس پیغام کو کوڈ کی مدد سے ڈی سائفر کرے گا اور اس حکم

کی تعمیل میں پانچ ٹینک ارسال کرے گا۔ کبھی کسی نے یہ نہیں کہا کہ اس نے حکم کی تعمیل نہیں کی اور الفاظ کے وہ معنی نہیں لئے جن معنوں کے لئے یہ لفظ وضع ہوئے تھے۔

دین کے معاملہ میں اگر آدمی صحیح الدماغ ہو تو اجتنبوا کثیرا من الظن بھی کافی ہے۔ مگر ان بعض الظن اثم کی تاکید کے بعد بھی آدمی بدظنی کرنے کو فرض سمجھے تو اس کا کیا علاج۔

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه

خوابوں کی بات چلی ہے تو یہاں دو خوابوں کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ا صفحہ ۲۸ پر حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مناقب میں ان کے ایک خواب کا ذکر ہے۔

ورای ابو حنیفه فی النوم کانه ینبش قبر النبی ﷺ فبعث من سال محمد بن سیرین فقال من صاحب هذه الرؤیاء ولم یجب عنها ثم ساله الثانیة فقال مثل ذلک ثم ساله الثالثة فقال صاحب هذه الرؤیا یبرز علما لم یسبقه احد الیه ممن قبله.

''امام ابوحنیفہؒ نے خواب دیکھا کہ آپ حضور اکرم ﷺ کی قبر کو ادھیڑ رہے ہیں۔''

(ظاہر ہے کہ نباش کو کفن چور کو کہتے ہیں جو قبریں اکھاڑ کر میت کے جسم سے کفن اتار لے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے جو منظر خواب میں دیکھا اگر لفظ نبش کے معنی لغوی لئے جائیں تو امام صاحب جیسا گستاخ آدمی بھلا ڈھونڈے سے کہیں ملے گا) مگر محمد بن سیرینؒ نے اس لفظ نبش کا مطلب یہ بتایا کہ اس شخص سے علم کے وہ حقائق اور نکات ظاہر ہوں گے جو اس سے پیشتر کسی سے ظاہر نہیں ہوئے۔ لیجئے ظاہر لفظ سے کسی نے اگر گستاخی کی بو سونگھ لی تو یہ اس کی قوت شامہ کا فساد ہے۔ ورنہ اس لفظ سے اہل بصیرت نے دین کی انتہائی خدمت کے معنی لئے۔

اسی مرقات میں امام بخاریؒ کا ایک خواب بیان ہوا ہے:

انی رایتنی واقفا بن یدی النبی ﷺ وبیدی مروحة اذب عنه فعبر لی بانی اذب عنه الکذب (ج ۱: ص ۱۳)

یعنی امام بخاریؒ نے خواب دیکھا کہ وہ نبی کریم ﷺ کے سامنے کھڑے ہیں ہاتھ میں پنکھا ہے اور حضور ﷺ کے جسم سے مکھیاں دور کر رہے ہیں۔

آدمی سوچے کہ مکھیاں تو غلاظت پر بیٹھتی ہیں اور حضور ﷺ سے مکھیاں ہٹانے کا خیال تک بھی دل میں لانا سخت گستاخی ہے۔ لہذا امام بخاری سے بڑھ کر گستاخ کون ہوگا مگر لفظ اذب کے معنی لغت میں تلاش کرنے کی جگہ فن تعبیر الرویا میں ڈھونڈنے پڑیں گے اور ایسا کرنے سے حاصل یہ ہوگا کہ اذب سے مراد یہ ہے کہ وہ موضوع اور جھوٹی حدیثیں جو جعل سازوں نے حضور ﷺ سے منسوب کر رکھی ہیں آپ ان کی چھان بین کر کے اس جھوٹ کو نمایاں کر دیں گے۔ مفسد تو اسے گستاخی سمجھیں گے مگر محقق اسے محبت کا مظہر قرار دیں گے۔

تفاوت است میان شنیدن من وتو   تو بستن در و من فتح باب می شنوم

آراء دلائل السلوک

دلائل السلوک کے بعض مواضع کو دیکھا۔ مولف کتاب مسلک اکابر دیوبند سے منسلک معلوم ہوتے ہیں مندرجات کتاب باحوالہ دیئے گئے ہیں۔ تصوف میں بھی دیگر علوم دینیہ کی طرح اس دور میں الحادی فضا کی وجہ سے افراط وتفریط کا ارتکاب کیا جارہا ہے۔ افراط میں توحید باری کے مسئلہ پر زد پڑتی ہے اور تفریط میں تصوف کو بدعت قرار دیا گیا۔ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے التکشف عن مہمات التصوف اور مسائل السلوک علی ہامش بیان القرآن میں مہمات التصوف کو قرآن وحدیث سے ثابت کیا ہے جس کو نجدی علماء نے دیکھ کر اقرار کیا کہ

اگر تصوف کی حقیقت یہ ہے تو ہم اس کا انکار نہیں کرتے۔ یہ تو کتاب وسنت کی عملی شکل ہے۔ مجھے دلائل السلوک میں تصوف کے متعلق اسی راہ اعتدال کی بو محسوس ہوتی ہے۔

(حضرت علامہ مولانا شمس الحق افغانی سابق شیخ التفسیر دارالعلوم دیو بند)

میں نے کتاب دلائل السلوک از افادات حضرت مولانا اللہ یار خان صاحب مرتبہ حافظ عبدالرزاق صاحب کا مطالعہ کیا۔ کتاب میں نہایت عمدہ مضامین ہیں۔ بہت سے مفید مسائل کا حل کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا ممدوح اور جناب حافظ صاحب موصوف کو جزائے خیر عطا فرماویں اور اللہ تعالیٰ اس کتاب کے فیوض وبرکات سے خاص وعام امت مسلمہ کو مستفید فرماویں۔

(محمد یوسف شاہ میرواعظ کشمیر)

دلائل السلوک کے مطالعہ سے آج میں فارغ ہوا ہوں اور میرے تاثرات یہ ہیں:

اول: تصوف پر بحث فاضلانہ ہے، مصنف نے تزکیہ روح وقلب پر زور زیادہ دیا ہے اور زہد خشک کو نظرانداز کر دیا ہے۔ انداز اقرب الی القرآن ہے۔

دوئم: مجھے مصنف سے اس بات پر اتفاق ہے کہ تصوف کے بغیر انسان یوں لگتا ہے جیسے شاخ بے نم اور گل بے رنگ۔ یہ انسانیت کا نچوڑ اور شریعت کا ماحصل ہے۔

سوئم: تصوف پر اہل علم کی آراء محنت سے جمع کی گئی ہیں اور ماخذ کو پورا اہتمام کیا ہے۔

چہارم: کتاب میں روح پر بحث اتنی مفصل ہے کہ اگر روح کی حقیقت کو پالینا ممکن ہوتا تو شاید مصنف کامیاب ہو جاتے۔

پنجم: کتاب کے بیشتر مباحث فکر جدید کے زیادہ قریب ہیں۔ باوجودیکہ مسائل زیر بحث کا تعلق غیر مرئی دنیا سے تھا۔ تاہم مصنف نے انہیں قابل فہم بنانے کی کوشش کی ہے۔

ششم: کتاب کی زبان ادیبانہ ہے۔

(ڈاکٹر غلام جیلانی برق۔ ایم۔ اے پی ایچ ڈی)

دلائل السلوک فن تصوف میں نہایت عمدہ اور بہت ہی بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ طریقت کو خداداد قابلیت کے ساتھ اس موضوع پر لکھنے کی خاص توفیق مرحمت فرمائی ہے اس کتاب کے پڑھنے سے تصوف کی حقیقت اور اس کے نتائج حسنہ سے کامل بصیرت حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ کتاب کے پڑھنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور نتائج حسنہ سے فیض یاب کرے۔

(حضرت مولانا مفتی بشیر احمد پسروریؒ خلیفہ اعظم حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ)

میں نے مولانا اللہ یار خان کے مولفات دلائل السلوک، اسرار الحرمین، علم وعرفان کے اکثر مواضع کو دیکھا ان کے مضامین اکابر دیو بند کے مسلک کے موافق پایا۔ قرآن وحدیث سے متصادم نہ پایا۔

(مولانا محمد فرید صاحب مفتی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک)

والسعي في ايصال النفع الى الخلق. التعلق القلبي بشيء مما سوى الله تعالىٰ في طريق العبودية يقرب من ان يكون تعلقا بالوثن فلذالك قال اهل السلوك هو شرك خفي وللسالكين امران البداية والنهاية اما البداية فالاشتغال بالعبودية واما النهاية فقطع النظر عن الاسباب وتفويض الامر كلها الى مسبب الاسباب وذالك هو المسمى بالتوكل على الله . وهذين المقامين ذكر في قوله تعالىٰ فاعبده وتوكل عليه وفي هذه الأية. تنبيه على ان ايمان العبد لا يكمل الا عند الاعراض عن الاسباب والاقبال بالكلية على مسبب الاسباب لان حب الدنيا لا يجتمع سعادة الأخرة فبقدرما يزداد احدهما ينقص الأخر وذالك لان الدنيا لا تحصل الا باشتغال القلب بطلب الدنيا وسعادة الأخة لا تحصل الا بفراغ القلب من كل ما سوىٰ الله تعالىٰ وامتلائه من حب الله تعالىٰ. وهذان

ہیں۔ اول ان اعمال پر مداومت جن سے اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اظہار ہو۔ دوم مخلوق کو نفع رسانی میں جدو جہد، عبودیت کی راہ میں غیر اللہ سے تعلق رکھنا درحقیقت بت پرستی کے زیادہ قریب ہے اس لئے اہل سلوک نے اسے شرک خفی قرار دیا ہے اور سالکین کے لئے دو حالتیں ہیں۔ ابتداء اور انتہاء۔ ابتداء عبودیت میں مشغول ہونا ہے اور انتہاء اسباب سے نگاہ ہٹالینا اور تمام امور کو سب الاسباب کے سپرد کردینا ہے اسی کا نام توکل علی اللہ ہے انہی دو مقامات کا بیان کتاب اللہ ان الفاظ میں ہوا ہے کہ۔ اس کی عبادت کر اور اس پر توکل کر۔ اس آیت میں تنبیہ ہے کہ اس کے بغیر انسان کا ایمان کامل ہی نہیں ہوسکتا کہ وہ اسباب سے قطع نظر کرلے اور اس کی نگاہ مکمل طور پر مسبب پر جمی رہے۔ کیونکہ حب دنیا اور سعادت اخروی کا جمع ہونا ممکن نہیں جس قدر ایک میں اضافہ ہوگا دوسری میں

قال تعالىٰ وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون. والمقصد الاعلى في العبادة حصول محبة الله تعالىٰ كما ورد في الحديث "لا يزال عبدي يتقرب الى بالنوافل حتىٰ احبه" وكل من كان قلبه اشد امتلاء من محبة الله تعالىٰ فهو اعظم درجة عند الله لكن للقلب ترجمان وهو لسان. وللسان مصدقات وهي الاعضاء ولهذا المصدقات مزكيات. فاذا قال الانسان امنت باللسان فقد ادعى محبة الله تعالىٰ في جنان. فلا بدمن شهود. فاذا استعمل الاركان في الاتيان بما عليه بنيان الايمان حصل له على دعواه شهور مصدقات فهي الاعضاء فاذا بذل في سبيل الله نفسه وماله وزكى بترك ما سواه اعماله زكى شهود الذين صدقوه فيما قاله فيحرر في جرائد المحبين اسمه ويقرر في اقسام المقربين قسمه واليه اشار بقوله تعالىٰ احسب الناس ان يتركوا ان يقولوا امنا وهم لا يفتنون.

رہنے پائے اور یہ دونوں باتیں ایک وقت میں جمع نہیں ہوسکتیں اور حصول دنیا میں ہمہ تن محو ہوجانا ہلاک ہونے والوں کے اوصاف میں سے ہے اس ضمن میں احادیث اخبار کثرت سے ملتی ہیں کیونکہ انسان اس دنیا میں ایک تاجر کی حیثیت سے آیا ہے جسے طاعات کے بدلے سعادت اخروی حاصل کرنی ہے۔ ظاہر ہے کہ مخلوق کا منتہائے مقصود عبادت ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں آیا ہے کہ اور ہم نے انسانوں اور جنوں کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا۔ اور عبادت سے مقصود محبت الٰہی کا حصول ہے جیسا کہ حدیث میں آیا کہ "جب میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب ڈھونڈتا ہے تو میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔" اور جس دل میں اللہ کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوگی وہی اللہ کے نزدیک زیادہ قابل قدر ہوگا۔ لیکن قلب کا ایک ترجمان ہے۔ اور وہ زبان ہے اور زبان کی تصدیق کرنے والے اعضاء ہیں اور ان مصدقات کے مزکیات بھی ہیں

سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

۱۔ الٰہی بحرمت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ

۲۔ الٰہی بحرمت حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۔ الٰہی بحرمت حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

۴۔ الٰہی بحرمت حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ

۵۔ الٰہی بحرمت حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

۶۔ الٰہی بحرمت حضرت عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ

۷۔ الٰہی بحرمت حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

۸۔ الٰہی بحرمت حضرت ابوایوب محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ

۹۔ الٰہی بحرمت حضرت سلطان العارفین خواجہ اللہ دین مدنی رحمۃ اللہ علیہ

۱۰۔ الٰہی بحرمت حضرت مولانا عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ

۱۱۔ الٰہی بحرمت قلزم الفیوضات حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ۔

۱۲۔ الٰہی بحرمت ختم خواجگان خاتمہ فقیر محمد اکرم ومن بخز گرداں وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین برحمتک یا ارحم الرحمین۔

کوئی مصیبت کوئی حادثہ کوئی مشکل پیش آ جائے تو سحری کے وقت معمول کے بعد سلسلہ خواجگان ۱۱ تک پڑھ کر بحضور قلب اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے، ان شاء اللہ تعالیٰ اس کی مراد پوری ہوگی۔ اگر عام طور پر پڑھے تو بارھویں سطر ساتھ ملالے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے خاتمہ بالایمان کریگا۔

تمت بالخیر